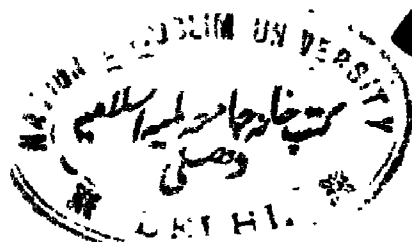
ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ترجمان

مجلہ نظامیہ



ہندو مسلم اتحاد

مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین (نظامیہ)

معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

۱۳۵۹ھ

چندہ سالانہ ۳ ر

رعایتی ۲ر عہ

مقام اشاعت حسینی علم حیدرآباد دکن

جلد (۴) آذر تا اسفندار [illegible]

۱- مدیر ولداد علی فاضل علوی

۲- محمد فخر الدین رازی

شمارہ مشترکہ (۱ تا ۴)

مجلہ نظامیہ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملاحظات

مجلہ نظامیہ کی زندگی کا چوتھا سال ایسے وقت شروع ہو رہا ہے جب جنگ کی وجہ سے گرانی اشیا میں معتد بہ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ سب سے بڑھکر کاغذ کی گرانی ہے جس سے آج صحافتی طبقہ پریشان و حیران ہے روزنامے کسی نہ کسی طرح اس گرانی کو برداشت کر رہے ہیں۔ مگر ماہنامے اس جنگ سے نہ صرف پریشان بلکہ اپنے خریداروں کی وقت پر قدر افزائی نہ ہونے سے علحدہ پریشان ہیں ایسی صورت میں کسی ماہنامہ کا وقت پر نکلنا نہایت اہمیت رکھتا ہے اس سلسلہ میں مجلہ نظامیہ کیلئے مخصوص دقتیں ہے اس کا اظہار بھی مناسب نظر آتا ہے۔ مجلہ نظامیہ ایک خالص علمی اور مذہبی رسالہ ہے جس کے جملہ مضامین تہذیب اسلامی و اسلامی ثقافت کے حامل ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ مضامین موجودہ مذاق اور ماحول کے لحاظ سے خشک ہونے کے سبب سے کم خریدار کی تعداد بھی قلیل پائی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی آمدنی خرچ کے مقابلہ میں دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے جب آمدنی میں کمی اور کاغذ کی گرانی میں زیادتی ہو تو ایسی صورت میں "نظامیہ" وقت پر کس طرح شائع ہو سکتا ہے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کی ترقی اور اس کا عروج اس قوم کے علمی ماحول سے پیدا ہوتا ہے جس قوم کا تہذیبی ماحول نہ ہو وہ قوم ہمیشہ دوسروں کی زیر نظر رہے گی نہ خیالات میں وسعت رہے گی اور نہ آزادی اور حریت کے جذبات رہیں گے اس قسم کے صحیح خیالات ہمیشہ مدارس روزناموں اور ماہناموں کے ذریعہ پیدا ہوتے رہتے ہیں ہماری قوم میں نہ صحیح تربیت گاہیں ہیں اور نہ ایسے تعلیمی ادارے ہیں جس سے افراد قوم میں صحیح رفعت خیالی کے احساسات پیدا ہوں تعلیم کی اصل غرض اصلاح نفس بھی مفقود ہے نہ اخبارات ہیں اور نہ رسائل جو صحیح افکار کو قوم کے سامنے پیش کر سکیں جس مملکت کی آبادی دو کروڑ انسانوں پر مشتمل ہو وہاں چند روزنامے اور چند ماہناموں کی اجرائی ملک کی ترقی کا سبب نہیں کہلائی جا سکتی ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں کثرت سے روزنامے شائع ہوتے رہیں اسی طرح ہفتہ وار اور ماہناموں کی کثرت ہو اور ملک کے ہر فرد کا شوق اور ذوق علمی تحقیقات کی طرف مائل ہو ایسی صورت میں توقع ہو سکیگی کہ ملک کا آئندہ مستقبل ضرور حریت اور آزادی کا حامل ہوگا مجلہ نظامیہ اپنی سہ سالہ زندگی میں بالحاظ تقسیم انسانی علم کی جو خدمت انجام دی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مجلہ نظامیہ جہاں علم کی خدمت انجام دی وہاں اس نے علمی حیثیت سے ملک کی ترقی کے وسائل پر بھی ہر وقت مفید اور بہتر تبصرے پیش کئے اور یہ تبصرے بیرون ملک کے اکثر اردو اور ہندی اخبارات و روزناموں میں قدر کی حیثیت سے نقل کئے گئے اس سے اندازہ ہوگا کہ مجلہ نظامیہ کو ملک کے علاوہ بیرون ملک میں بھی بیحد مقبولیت رہی اب اہل ملک سے یہ سوال ہے کہ مجلہ نظامیہ کو خدمت گزاری کا موقع دیں یہ صورت اس وقت ممکن ہے جب کہ اس کو مستقل طور پر مزید تین چار سو خریدار حاصل ہو جائیں تو وقت پر شائع نہ ہونے کی جو شکایت اب باقی ہے وہ جاتی رہے گی اور ہر ماہ بالالتزام پابندی سے ملک و مالک کی خدمت گزاری کا شرف "نظامیہ" کو بھی حاصل ہوتا رہے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملاحظات

مجلہ نظامیہ کی زندگی کا چوتھا سال ایسے وقت شروع ہو رہا ہے جب جنگ کی وجہ سے گرانی اشیا میں معتد بہ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ سب سے بڑھکر کاغذ کی گرانی ہے جس سے آج صحافتی طبقہ پریشان و حیران ہے روزنامے کسی نہ کسی طرح اس گرانی کو برداشت کر رہے ہیں۔ مگر ماہنامے اس جنگ سے نہ صرف پریشان بلکہ اپنے خریداروں کی وقت پر قدر افزائی نہ ہونے سے علیحدہ پریشان ہیں ایسی صورت میں کسی ماہنامہ کا وقت پر نکلنا نہایت اہمیت رکھتا ہے اس سلسلہ میں مجلہ نظامیہ کیلئے مخصوص دقتیں ہیں جن کا اظہار بھی مناسب نظر آتا ہے۔ مجلہ نظامیہ ایک خالص علمی اور مذہبی رسالہ ہے جس کے جملہ مضامین تہذیب اسلامی و اسلامی ثقافت کے حامل ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ مضامین موجودہ مذاق اور ماحول کے لحاظ سے خشک ہونے کے سبب اس کے خریداروں کی تعداد بھی قلیل ہے پھر گرانی جس کی وجہ سے اس کی آمدنی خرچ کے مقابلہ میں دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے جب آمدنی میں کمی اور کاغذ کی گرانی میں زیادتی ہو تو ایسی صورت میں "نظامیہ" وقت پر کس طرح شائع ہو سکتا ہے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کی ترقی اور اس کا عروج اس قوم کے علمی ماحول سے پیدا ہوتی ہے جس قوم کا تہذیبی ماحول نہ ہو وہ قوم ہمیشہ دوسروں کی زیر نظر رہے گی نہ خیالات میں وسعت رہے گی اور نہ آزادی اور حریت کے جذبات رہیں گے اس قسم کے صحیح خیالات ہمیشہ مدارس روزناموں اور ماہناموں کے ذریعہ پیدا ہوتے رہتے ہیں ہماری قوم میں نہ صحیح تربیت گاہیں ہیں اور نہ ایسے تعلیمی دارے ہیں جس سے افراد قوم میں صحیح رفعت خیالی کے احساسات پیدا ہوں تعلیم کی اصل غرض اصلاح نفس ہے وہ بھی مفقود ہے نہ اخبارات ہیں اور نہ رسائل جو صحیح افکار کو قوم کے سامنے پیش کر سکیں جس مملکت کی آبادی دو کروڑ انسانوں پر مشتمل ہو وہاں چند روزنامے اور چند ماہناموں کی اجرائی ملک کی ترقی کا سبب نہیں کہلائی جا سکتی ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں کثرت سے روزنامے شائع ہوتے رہیں اسی طرح ہفتہ وار اور ماہناموں کی کثرت ہو اور ملک کے ہر فرد کا شوق اور ذوق علمی تحقیقات کی طرف مائل ہو ایسی صورت میں توقع ہو سکتی ہے کہ ملک کا آئندہ مستقبل ضرور حریت در آزادی کا حامل ہوگا مجلہ نظامیہ اپنی سہ سالہ زندگی میں بلالحاظ تقسیم لسانی علم کی جو خدمت انجام دی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مجلہ نظامیہ جہاں علم کی خدمت انجام دی وہاں اس نے علمی حیثیت سے ملک کی ترقی کے وسائل پر بھی ہر وقت مفید اور بہتر تبصرے پیش کئے اور یہ تبصرے بیرون ملک کے اکثر اردو اور ہندی اخبارات و روزناموں میں قدر کی حیثیت سے نقل کئے گئے اس سے اندازہ ہوگا کہ مجلہ نظامیہ کو ملک کے علاوہ بیرون ملک میں بھی بیحد مقبولیت رہی اب اہل ملک سے یہ سوال ہے کہ مجلہ نظامیہ کو خدمت گزاری کا موقع دیں یہ صورت اس وقت ممکن ہے جب کہ اس کو مستقل طور پر مزید تین چار سو خریدار حاصل ہو جائیں تو وقت پر شائع نہ ہونے کی جو شکایت اب باقی ہے وہ جاتی رہے گی اور ہر ماہ بالالتزام پابندی سے ملک و مالک کی خدمت گزاری کا شرف "نظامیہ" کو بھی حاصل ہوتا رہے گا۔

یہ مال و دولت ایک مزیدار چیز ہے جس کسی نے اسے حق کے ساتھ حاصل کیا اور حق کی جگہ خرچ کیا اس کیلئے تو وہ بہترین توشہ ہے مگر جس نے اسے بغیر حق کے حاصل کیا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھائے مگر سیر نہ ہوسکے۔

۷۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ:۔

جب میری امت دنیا کو قابل وقعت وعظمت سمجھنے لگیگی تو اسلام کی وقعت وہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیگی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سب وشتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

مذکرۂ صدر آیات قرآنی اور ارشادات نبوی بتلا رہے ہیں کہ مسلمانوں نے عمل صالح کو چھوڑ دیا جس کے سبب ان سے نہ صرف بادشاہت چھین لی جارہی ہے بلکہ سیاسی برتری میں توازن بھی قائم نہیں رہا ہے جدھر دیکھو ادھر یہی شور مچا ہوا ہے کہ مسلمان آفت میں ہیں مسلمانوں پر مصیبتیں ڈھائی جارہی ہیں، اسلامی ثقافت خطرہ میں ہے۔ حفاظت حفاظت کا شور مچا ہوا ہے۔ لیکن کوئی بھی ایسا انسان نہیں۔ جو یہ غور کرے کہ آخر یہ مصائب اس قوم مسلم پر کیوں نازل ہو رہی ہیں اور کس کے جانب سے ہیں اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اولاً اسلام کو مسلمانوں سے نقصان پہنچا اور مسلمان اسلام کو اپنے اعمال وافعال سے بدنام کر رہا ہے آج مسلمان خود اسلامی ثقافت کو خطرہ میں ڈال رہا ہے خرافات کو بےپردگی رقص و سرور پر آمادہ کر رہا ہے اور آج ہر قسم کے اخلاقی جرائم کے ساتھ لفظ مسلمان کا جوڑ لگا ہوا نظر آئے گا۔ اس مسلم معاشرہ میں جہاں پوشیدہ طور پر اچھے نفوس نظر آئیں گے وہاں کثرت سے مسلمان رنڈیاں مسلمان زانی گشت لگاتے پھر رہے اس طرح مسلمان چور، مسلمان ڈاکو، مسلمان رشوت خوار، مسلمان سود خوار، مسلمان شراب خوار، قمار باز، بھانڈوں سازندوں کی جماعتیں نظر آئینگے۔ حال میں ہم نے " دارالسلام" میں مسلم بنک کے نام سے ایک تختی بھی دیکھی جہاں باضابطہ طور پر سودی لین دین کا رواج ہے غرض وہ سب اعمال جو ایک کافر کرسکتا ہے اس کو ایک مسلمان کر رہا ہے تو ایسی صورت میں پھر مسلمان کے وجود کی دنیا میں کوئی ضرورت نہیں اسلام اس تحریک کا نام ہے جو دنیا سے ساری بداخلاقیوں کو دور کرے مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں سے اصل اسلام کی تحریک گم ہوگئی اور اس کا مقصد فراموش کر دیا گیا تاوقتیکہ مسلمانوں میں اصلی اسلامی تحریک کا دوبارہ احیاء نہ ہو اور مسلمان کا عمل صالح شعار نہ ہو اس وقت تک ان کو سیاسی برتری حاصل نہیں ہوسکتی۔

ہندو مسلم اتحاد

از جناب ملا عبدالباسط صاحب مولوی فاضل ناظم عدالت ضلع رائچور

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ آج کل ملک میں ایک نہایت نازک اور اہم مسئلہ بن گیا ہے اس کے حل پر ان دونوں قوموں کے سیاسی اور اقتصادی مسائل کے حل کا دارومدار ہے اس وقت ملک میں اس کے متعلق مختلف قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں بعض لوگ تو وہ ہیں جو موجودہ فرقہ وارانہ جھگڑوں اور مذہبی نزاعات کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ان دونوں قوموں کے مذہبی خیالات اور اصول اور تہذیب معاشرت میں بیّن اختلاف ہے اس لئے ان دونوں میں سیاسی اور معاشی اتحاد نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں ملکر کسی عظیم الشان ہندوستان کی بنیاد نہیں ڈال سکتے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سیاسی اور عام مشترک مسائل میں اتحاد ہو سکتا ہے البتہ مذہبی اور تہذیبی مسائل ہر ایک گروہ کے خاص ہوں گے جو اپنی اپنی لائنوں پر ترقی کرتے رہیں گے جو حکومت ان دونوں قوموں کے اتحاد سیاسی کی بنیاد پر قائم ہوگی وہ اس قدر وسیع الخیال اور ہمہ گیر ہوگی جو ان دونوں کے تہذیب و تمدن کو بجائے خود نشو و نما پانے اور ترقی کرنے کا موقع دیگی جو لوگ ان دونوں قوموں میں اتحاد کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ کا حل اس میں دیکھا کہ دونوں قوموں کو علحدہ علحدہ رقبوں میں تقسیم کر دیا جائے ہم کو اپنے اس مضمون میں اسی مؤخر الذکر خیال سے بحث ہے جس کو آج کل فلسفیانہ پیرایہ اور ہمدردانہ طرز میں پیش کیا جا رہا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے مختلف امکانات پر بحث کر کے یہ بتائیں کہ اس اتحاد سے درحقیقت مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اگر کوئی صورت ہمارے معاشی اور سیاسی مسائل کے حل کی پیدا ہو سکتی ہے تو اس صورت میں جبکہ ہم متحد ہو کر متفقہ طور پر اُن کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

انقلاب عالم اتحاد کیلئے اس وقت اگر دنیا کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک انقلاب سے گذر رہی ہے پُرانے خیالات کی جگہ نئے خیالات لے رہے ہیں نئے نئے علمی مسائل اور حقائق ظاہر ہو رہے ہیں اور تحقیق اور چھان بین اور تجربہ اور مشاہدہ پر ہر ایک علمی اور عملی مسئلہ کی بنیاد رکھی جا رہی ہے یہ انقلاب نہ صرف نئی دنیا میں برپا ہے بلکہ پُرانی دنیا بھی اس سے متاثر ہو رہی ہے معاشرت اور تمدن اور معاشی مسائل میں علمی اور عملی لحاظ سے یک رنگی پیدا ہو رہی ہے ایشیا اور افریقہ پر یوروپین اقوام کے تسلط نے

انہوں نے ان کی ماتحت قوموں کو بھی بہت کچھ جدید علوم و فنون اور تحقیقات علمی سے روشناس کردیا ہے اور وہ اپنی حالت کی اصلاح کرنے کی جانب متوجہ ہیں۔ الغرض مسائل علمی سے گذر کر تمدنی اور معاشرتی مسائل میں بھی ایک ہی نقطۂ نظر اور ایک ہی نصب العین تلاش کیا جارہا ہے سیاسی اصول بھی تقریباً ہر جگہ اِلّا ماشاء اللہ ایک ہی تسلیم کئے گئے ہیں برٹش گورنمنٹ کے تسلط نے ہندوستان کی اقوام میں بھی ایک ہی طرز حکومت ایک سا ہی قانون اور ایک ہی قسم کی تعلیم کی وجہ سے بہت کچھ اصول اور خیالات میں موافقت پیدا کردی ہے ذرائع رسل ورسائل کی سہولت اور فراوانی، تار برقی، لاسلکی، ریڈیو، ریل، ہوائی جہاز کی وجہ سے مشرق و مغرب کی طنابیں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں اور یہ خیال غلط ثابت ہو رہا ہے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب علمی اور ذہنی ترقیات میں یکسانیت کا مدار بہت کچھ مسائل متعلقہ کی صداقت اور واقفیت پر ہے ظاہر ہے کہ جو مسئلہ فی نفسہ انگلستان میں صحیح ہے وہ ہندوستان میں بھی صحیح ہے اس میں شک نہیں کہ بہت سے معاشی اور سیاسی مسائل ایسے ہیں جو ابھی نظریہ کی حد سے آگے نہیں بڑھے لیکن ایک کثیر تعداد مسائل کی ایسی ہے جن کی صداقت پر تجربہ اور تحقیقات علمی اور مشاہدہ نے مہر اتفاق ثبت کردی ہے اور جیسے جیسے علم کی توسیع اور اشاعت ہوتی جارہی ہے ان مسائل کے متعلق ذہنی یک جہتی اور ہم آہنگی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی جارہی ہے دنیا میں مسائل علمی کی اس یکجہتی کو انسان کی خارجی اور عملی زندگی سے موافق و مطابق کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کی وجہ سے تمدن اور معاشرت کی بھی یکسانیت ظہور پذیر ہورہی ہے۔ چنانچہ اس بیس (۲۵) سال میں خود ہندوستان میں تمدن و معاشرت کے لحاظ سے قابل لحاظ تغیرات ہوئے اور ہو رہے ہیں مصر اور ترکی اور ایران نے تو بالکل تمدن اور معاشرت کو جدید طرز میں ڈھال لیا ہے اور افغانستان بھی باوجود کہ وہاں ابھی قدامت پسندی کا دور دورہ ہے نئے سانچہ میں اپنے آپ کو بتدریج ڈھالنا شروع کردیا ہے۔ ممکن ہے کہ مختلف ممالک کی معاشرت اور تمدن میں خصوصیات مرز بوم کے لحاظ سے تھوڑا بہت فرق رہے لیکن سائنس کے آئے دن کے انکشافات صنعت و حرفت کی ترقیات اور باہمی میل جول معاشرت کو خیالات کی طرح رفتہ رفتہ ایک سطح پر لارہی ہیں دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کثرت میں وحدت کا ظہور ہو رہا ہے اور ایک فطری عمل جو جدید ترقیات کی وجہ سے تمام اقوام عالم میں یکساں طور پر رونما ہو رہا ہے اس رَو کو کوئی روک نہیں سکتا جو کچھ کیا جاسکتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اپنے اپنے اخلاقی اور تہذیبی اصول کے موافق اس رَو کو ڈھال لیا جائے ہر ایک مذہب اور تہذیب میں ایک اس کی روح ہوتی ہے اور دوسرے اس کی ظاہری شکل و صورت۔ ممکن ہے کہ ظاہری شکل و صورت بدل جائے لیکن روح کی حفاظت بہر حال ضروری ہے وہ روح وہ بنیادی اصول ہیں جن پر کسی تہذیب یا مذہب کی عمارت قائم کی جاتی ہے اگر اس کے بنیادی اصول میں یہ طاقت اور صلاحیت نہیں جس سے وہ اس رَو کا مقابلہ کرسکے تو اس کو جدید علمی اور عملی ترقیات کے سیلاب میں بہہ جانا پڑے گا۔

اسلام پر اس انقلاب کا اثر

ہر ایک مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اسلام میں اس قدر لوچ اور لچک ہے کہ وہ موجودہ اور آئندہ علمی ترقیات کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اس کے بنیادی اصول اس قدر سنگین صداقت پر مبنی ہیں کہ اس کو کوئی علمی ترقی توڑ نہیں سکتی اور بقول ہربرٹ اسپنسر کسی سچے مذہب کو سائنس کی ترقی سے ڈرنے اور اپنے آپ کو اس سے علحدہ رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ سائنس سچے مذہب کی مدد کرتا اور اس کے حقائق کو روشنی میں لاتا ہے۔ چنانچہ جدید ترقیات نے بہت سے اسلامی اصول اور اسلامی تعلیمات کی صداقت کو اجاگر کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کے فقہی مسائل جو بہت کچھ زمانہ سابق کی ضرورتوں اور حالات کے لحاظ سے اجتہاد کئے گئے تھے اس دور ترقی و تہذیب میں نظر ثانی کے محتاج ہوں خود مسلمانوں کی موجودہ تہذیب و معاشرت جو اسلام کے سیدھے اور سیدھے سادہ اصول سے ہٹ گئی ہے قابل اصلاح ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کسی طرح اسلام اور اس کے بنیادی اصولوں کی حقانیت و صداقت میں فرق نہیں آسکتا۔

اسلام گو عرب میں ظاہر ہوا۔ لیکن وہ ظاہری اعتبار سے کسی خاص طرز معاشرت اور تمدن کا حامی نہیں ہے اس نے چند مختصر اعتقادی اور عملی اصول دنیا کے سامنے پیش کئے اور اسی پر انسان کی نجات دنیوی و اُخروی کا مدار رکھا اور گروہ اسلامی کو ہدایت کی کہ وہ اسی پر اپنی زندگی کو ڈھال لیں ان کی صورت اور رنگ اور لباس بدل جائے۔ لیکن زندگی کی روح انہی اصول پر نشوونما حاصل کرے اسی کی غذا سے پروان چڑھے اور اسی کی آب و ہوا میں پھلے پھولے۔

یہ اصول اس قدر عام فہم اور سہل العمل اور مطابق فطرت ہیں جن کو تسلیم کرنے سے ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی انکار نہیں کر سکتا
قرآن مجید کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر عام اصول اخلاق اور انسان کے کیرکٹر کی درستی پر زور دیا گیا ہے تمدن اور معاشرت کے مسائل زیادہ نہیں بیان کئے گئے ہیں کل اس قسم کے مسائل جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں دو تین سو کے درمیان ہیں حالانکہ قرآن مجید کی آیتوں کا شمار کئی ہزار سے متجاوز ہے۔ صحابہ کو تاکید تھی کہ وہ اشیا کی حلت و حرمت کے متعلق سوال نہ کیا کریں۔ آنحضرت کے بعد بھی جبتک کہ ضرورت پیش نہ آئی تھی کسی مسئلہ کے جواز و عدم جواز کے متعلق سوال کرنے کو مکروہ سمجھا جاتا تھا اسکی جو کچھ وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ مذہب میں وسعت اور لوچ اور لچک کی قابلیت باقی رکھنے کا خیال تھا تاکہ آئندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لحاظ سے امت براہ عمل تنگ نہ ہو جائے۔ شارع اسلام نے حلال و حرام اشیا کو جن کی تعداد بہت مختصر ہے۔ اپنی امت پر واضح فرمایا۔ کسی دوسرے شخص کو خواہ وہ کیسا ہی بڑا عالم ہو یہ منصب عطا نہیں کیا گیا کہ وہ کسی چیز کو حلال و حرام کر دے اس لئے فقہا نے اشیا میں اصل "حلت" قرار دی اور حرمت کے لئے نص شارع کی ضرورت تسلیم کی در حقیقت مذہب اسلام کا یہ ایک بہت بڑا امتیاز ہے جو دیگر ادیان سابقہ سے اس کو بالکل علحدہ درجہ پر کھڑا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں منجملہ اور عام مشترک اصول کے جن کی جانب دیگر اقوام و ملل کو دعوت دی گئی ہے ایک اصول یہ بھی

سمجھے
بتایا گیا ہے کہ انسان انسانوں میں سے کسی کو ارباباً من دون اللہ نہ قرار دے یعنی خدا کے سوا کسی کو مقتدر و حاکم نہ

شارع اسلام نے آداب معاشرت کے جو اصول مہد فرما دئے ہیں وہ اس قدر سیدھے سادے اور عقل و فطرت انسانی کے موافق ہیں جن کو تسلیم کرنے میں کسی سنجیدہ شخص کو اختلاف نہیں ہوسکتا اگر مسلمانوں میں کوئی اسلامی تہذیب پیدا ہوسکتی ہے تو انہی اصول کی پیروی اور پابندی سے پیدا ہوسکتی ہے ۔لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر اس کو چھوڑ دیا اور چند ایسے رسوم و رواجات کے تابع ہوگئے جن کو درحقیقت کوئی اسلامی اہمیت حاصل نہیں ہے اُن کی شادی بیاہ اور مراسم غم میں غیر اقوام کی مخالفت کی وجہ سے بہت سے ایسے امور داخل ہوگئے جن کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اس لئے جب غیر مسلم حضرات مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو اُن میں اور ہندوؤں میں سوائے چند معمولی باتوں کے کوئی بنیادی فرق معلوم نہیں ہوتا اور ایسے اسلامی کلچر کے مستقل وجود کے تسلیم کرنے میں وہ شامل ہوتے ہیں مسلمانوں کی عام حالت اور خاصکر دیہات کے مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے اگر کوئی شخص اسلامی کلچر کے وجود سے انکار کرے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہم کو ماننا پڑیگا کہ اسلامی کلچر جو درحقیقت سنت نبوی کی پیروی کا نام ہے اور اسلام کے بنیادی اصول کی تعمیل میں پوشیدہ ہے وہ شاید (۱۰) فیصدی مسلمانوں میں بھی نہیں پایا جاتا ۔

اس موقع پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سنت کیا ہے جو کچھ احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا تعلق فرائض رسالت سے ہے جیسے وہ جملہ امور جو آپ نے امور معاد اور عجائبات ملکوت یا عالم غیب سے ارشاد فرمائے ہیں اور نیز وہ امور جو عبادات اور مصالح معاش و معاشرت سے متعلق ہیں داخل ہیں اور دوسرے وہ امور جو آپ سے دنیوی معاملات میں بلحاظ عادت یا تجربہ یا اتفاقیہ طور پر یا کسی خاص جزوی مصلحت کی بنا پر قولاً یا عملاً ظاہر ہوئے ہیں امر اول کے متعلق قرآن میں وارد ہے کہ "ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نہاکم عنہ فانتہوا" ۔ رسول جو کچھ تم کو بتائے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اُس سے باز رہو ۔ اور امر دوم کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ "انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر " (میں بھی تم ہی میں کا ایک انسان ہوں اگر میں تمکو تمہارے دین کی کوئی بات بتاؤں تو اُس کو اختیار کرو اور اگر میں کسی بات کو اپنی رائے سے کہوں (دنیوی امور کے متعلق) تو میں انسان ہوں) اور قصہ تابیر نخل[1] میں آپ نے فرمایا کہ "انما ظننت ظناً فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوہ فانی لم اکذب علی اللہ " (مجھکو ایسا خیال ہوا تھا اسپر گرفت نکرو لیکن اگر میں اللہ کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اُس کو اختیار کرو کیونکہ میں اللہ کی نسبت جھوٹ نہیں کہہ سکتا) طب نبوی کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں یا فوجی تیاری اور ساز و سامان حرب یا کسی موقت مصلحت یا کسی خاص ضرورت کی بنا پر

---

[1] مدینہ کے لوگ کھجور کی کاشت کرتے تھے موسم پر نر جھاڑ کے پھول مادہ جھاڑیں ڈالتے تھے جس کو عربی میں "تابیر" کہتے ہیں آنحضرت نے اسکو دیکھکر ناپسند فرمایا ۔ لوگوں نے اس عمل کو ترک کر دیا اس سال فصل ٹھیک نہیں ہوئی جب آپکے پاس اسکی شکایت کی گئی تو آپ نے حدیث مذکور ارشاد فرمائی

جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ سب اس میں داخل ہے اور بسا اوقات اُن میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے ہم غلطیوں میں پڑنے کا احتمال ہے مثلاً آپ نے تیر اندازی کو پسند فرمایا اور قوم عرب کو اس کی مشق بہم پہنچانے کی ترغیب دی اگر آج اس بنا پر یہ کہا جائے کہ مسلمان جدید آلات حرب ترک کر دیں اور تیر اندازی کو اختیار کریں تو یہ سنت نبوی کی صحیح تعبیر نہ ہوگی اس غلطی نے زمانہ سابق میں ایک عرصہ تک ترکی میں جدید آلات حرب و ضرب کی ترویج و اشاعت کو ملتوی رکھا جس کی وجہ سے سلطنت کو بیرونی محاربات میں بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ ائمہ حدیث اور فقہا نے ایک بڑی حد تک اس کام کو انجام دیا ہے لیکن فقہ کی متداولہ کتابوں میں مسائل مجتہد فیہ اور مسائل منصوصہ کو اس طرح مخلوط کر دیا گیا ہے کہ عام طور پر ان کا امتیاز مشکل ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف میں بہت کچھ اس امتیاز کو واضح کیا ہے جس سے مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلیں مستفید ہو سکتی ہیں اور زمانہ کی انقلابی رو میں اپنے لئے وہ عمل کو متعین کر سکتی ہیں۔

مسائل مجتہد فیہ میں زمانہ کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے تغیر و تبدل کی ضرورت کو محققین فقہا نے عام طور پر تسلیم کیا ہے۔ شاہ صاحب تفہیمات میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم ثلاثة فما سوی ذالک فضل۔ آیة محکمة سنة قائمة او فریضة عادلة الآیة علم القرآن والسنة علم ما یوثر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العبادات والعادات وغیرها والفریضة العادلة علم القضاء یجوز لک العمل فیہ برائک فان تحمل رجل قبلک امراً ووافق ظنک فلا تجاوزہ ولا اجماع ولا قیاس فی السنة (1)

"آپ نے فرمایا علم تین قسم کے ہیں اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ زیادتی ہے۔ محکم آیت یا قائم سنت یا انصاف رسانی کا فریضہ پس آیة قرآن کا علم ہے اور سنت وہ جو آپ سے عبادات اور عادات وغیرہ کے بارہ میں منقول ہے اور فریضہ عادلہ سے فصل خصومات کا علم مراد ہے۔ اس میں تمہارے لئے اپنی رائے پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر تم سے پہلے کسی نے اس بار کو اُٹھایا ہے اور تمہاری رائے بھی اسی کے موافق ہے تو پھر تم اس سے قطع نظر نہ کرو اور اجماع اور قیاس سنت میں نہیں ہے۔"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

اصول الشرع اثنان آیة محکمة وسنة قائمة لا مزید علیهما وههنا علم آخر یشتبه ان یکون من علوم الدنیا وهو علم القضاء فاذا رفع الیه قضیة فله ان یجتهد فیها برایه ویتحری الصواب فان کان سبق فیها حکم لجماعة

---

(1) تفہیمات حصہ اول ص۔

فعلیہ ان لایجاوزہ وھی القیاس والاجماع وجزئیاتھا فی علوم الشرع مغلطۃ ظاھرۃ وادلۃ الفقہاء علی ذالک مقتصرۃ علی ما قلنا لحدیث معاذ وعلی رضی اللہ عنہما وحدیث المجتھد یخطی ونصیب وقولہ علیہ السلام لا تجتمع امتی علی ضلالۃ یعنی بذالک انہ لایزال فی امتہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم یقومون بالامر لا یعنی بذالک الاجماع وبالجملۃ فالرائ فی الدین تحریف وفی القضاء حسنۃ۔ (تفہیمات جلد ثانی ص ۱۱۸)۔

"شرع کے اصول دو ہیں محکم آیت و سنت جس پر عملدرآمد رہا ہو ان دونوں سے بڑھکر کچھ نہیں یہاں ایک اور علم بھی ہے جو علوم دنیا سے مشابہ ہے جس کو علم قضاء کہتے ہیں۔ پس اگر کوئی معاملہ پیش آجائے تو اس میں اجتہاد رائے سے کام لینا چاہئے اور جو بات ٹھیک معلوم ہو اُس کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر ایک جماعت اس سے پہلے کسی عمل میں متفق ہو چکی ہو تو اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے اس علم کی جزئیات کو علوم شرع قرار دینا ایک واضح غلطی ہے۔ فقہا کی دلیلیں اس بارے میں ہمارے قول کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جیسا کہ حضرت معاذؓ[1] اور حضرت علی کی حدیث میں ہے مجتہد سے صحت اور غلطی دونوں کے احتمال ہیں۔ رہا آپکا یہ قول کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اس کا یہ منشا ہے کہ امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہیگی جو اس کے کاموں کو سدھارتی رہے گی۔ اس سے اجماع امت مراد نہیں ہے حاصل کلام یہ کہ دین میں رائے زنی بدعت ہے اور قضاء یعنی فصل خصومات میں حسنہ (بھلائی)"

لیکن یہ کام علماء امت کا۔ عامی کے لئے تو بجز تقلید و اتباع کے کوئی چارہ نہیں ہے موجودہ ذخیرہ فقہی کے متعلق یہ قرار دے لینا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ قیامت تک ہماری ضروریات دنیوی و معاشی کو پورا کرنیوالی ہے اور اس میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہے یا کل جہالت اور نادانی ہے۔

اس تفصیل کی ضرورت اس لئے تھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی کلچر جس کے لئے اس قدر ہنگامہ برپا ہے وہ دراصل کیا ہے اس کے حدود کیا ہیں۔ اس میں کہاں ہم کو تقلید و اتباع کی اور کہاں تقاضائے زمانہ کے لحاظ سے تغیر و تبدل اور ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے۔

ہندوؤں کے مذہب کی حالت۔ زمانہ کی ترقیات اور مسلمانوں کے ساتھ مخالطت و معاشرت اور جدید علوم و فنون کی ترقی اور انگریزی حکومت کے اثرات نے ہندوؤں کے مذہب میں بہت سی تغیرات پیدا کر دئے ہیں۔ انڈین کیسزانے اُن کے دھرم شاستر کی صورت بدلدی۔ ان میں بہت سی مصلحین نے یہ دیکھا کہ اُن کے مذہب کے پُرانے اصول جدید انقلاب کا ساتھ نہیں دیسکتے تو انہوں نے ان میں اصلاح کی بنیاد ڈالی۔ رام موہن رائے اور دوسرے مصلحین کے نام اس مفید کام کے لئے مشہور ہیں

[1] آنحضرت نے جب حضرت معاذ اور حضرت علی کو عامل بناکر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ تم کس طرح معاملات کا تصفیہ کروگے تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے قرآن کو دیکھیں گے کہ اس میں کیا حکم ہے اس کے بعد سنت کو کہ اس میں کیا عمل ہے۔ اگر ان دونوں سے کوئی مدد نہ ملے تو اس وقت اجتہاد رائے سے کام لیں گے۔ آپ نے اس جواب کو پسند فرمایا ہے۔

جن لوگوں نے ہندوستان کی جدید مذہبی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے ان کو معلوم ہوگا ہندو مذہب اپنی قدیم شکل اور پرانی روایات پر بہت کم باقی رہ گیا ہے ۔ برہمو سماج ۔ آریہ سماج اور سکھ مذہب درحقیقت ہندو جدید ترقی یافتہ میلانات کے مظاہر ہیں جو زمانہ کی ضروریات کے دباؤ سے رونما ہوئے ہیں ۔ ہندوؤں میں قانون طلاق کا نفاذ ۔ ازدواج بیوگان کمسن کی شادی کا امتناع چھوت چھات ذات پات کا ارتفاع ۔ مسلمانوں کے تہذیب و کلچر سے ان کو بہت قریب لا چکے ہیں اسلام اور ہندو مذہب کا مقابلہ کیا جائے تو یہ ایک عجیب بات معلوم ہوگی کہ ہندو مذہب نے پرانے عقائد کو بدلنے کی وجہ سے اصلاحی صورت اختیار کی اور مسلمانوں میں مذہبی اصلاح نام ہے اس سیدھے سادھے مذہب کے اختیار کرنے کا جو صدر اول میں مسلمانوں کا تھا ۔ چنانچہ علمائے اسلام کا یہ ایک عام مقولہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی اصلاح اسی طریقہ پر ہوگی جس پر صدر اول کے مسلمانوں کی ہوئی تھی ہندوستان کے مسلمانوں میں مذہبی اصلاح کا زمانہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانۂ حیات سے شروع ہوتا ہے ۔ چنانچہ انہیں کے اولاد و احفاد اور پیروؤں میں شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کی معاشرت کو اصول اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لئے جو جانبازانہ کوششیں کیں اس سے آج کوئی واقف نہیں ۔ شاہ ولی اللہ ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علوم قرآن و حدیث کے حاصل کرنے پر مسلمانوں کو اُکسایا ۔ علماء کو پرانی دور۔ اذکار ۔ طرز تعلیم اور فلسفۂ یونان پر وقت ضائع کرنے سے روکا اور بیہودہ اور فضول رسوم و رواجات جو مسلمانوں میں شائع ہوگئے تھے اور اب تک شائع ہیں اُن کو دور کرنے کی طرف متوجہ کیا ۔ صدر اول کے سیدھے سادہ طریقوں کو اختیار کرنے کی ترغیب دی اور اس کو اپنی زندگی کا ایک مستقل مشن قرار دیا اور اپنی اولاد اور مریدوں اور معتقدین کو اس پر عمل کرنے اور اس کو بروئے کار لانے کے لئے نصیحت کرتے رہے اور انتقال سے پہلے بطور وصیت کے ان اصلاحات کی جانب مسلمانوں کو متوجہ کیا جس کو اُن کی زندگی کا پیام اور پروگرام کہا جا سکتا ہے

اس تحریک اور کوششوں کا نتیجہ تھا کہ علوم دینیہ کو زندہ کرنے کے لئے غدر کے بعد مدرسہ دیوبند اور دوسرے مدارس اسلامیہ کا قیام ہوا اور سب سے آخر میں ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد رکھا گیا ۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزی تعلیم کی تحریک و ترویج نے اگرچہ اسلام اور علوم دینی سے ایک حد تک اجنبیت پیدا کرنے کے ساتھ بے دینی اور الحاد کی طرف نئے تعلیمیافتہ مسلمانوں کو مائل کرنا شروع کر دیا تھا ۔ لیکن علماء کی ان کوششوں نے اس تحریک کے متعلق رد عمل کا کام کیا اور خود مدارس انگریزی میں جو قومی چندوں اور خانگی کوششوں سے قائم کئے گئے تعلیم و تربیت مذہبی کے عنصر کو داخل کیا گیا ۔ اگر مسلمانوں کی (۵۰) سالہ تعلیمی ترقی کے مختلف دوروں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مجموعی طور پر مسلمانوں نے مذہب اور اسلامی تربیت و تعلیم کے حاصل کرنے میں قابل لحاظ ترقی کی

اور ترقی کرتے جارہے ہیں لہذا مستقبل کی نسبت ہم کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ملک کے عام افلاس اور معاشی تنگی اور ناقص طرز حکومت نے ان کی ترقی کی راہوں کو بہ نسبت اور اقوام ہند کے جو معاشی اور مالی لحاظ سے بہتر تھیں مسدود رکھا اور وہ اتنی ترقی نہ کر سکے جن کو کہ اس طویل مدت میں کرنی چاہئے تھی۔

عادات اور طرز معاشرت کے لئے شاہ صاحب نے اپنے وصیت نامہ میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ درحقیقت مسلمانوں کا کلچر کیا ہے جس کی حفاظت اور نگہداشت کی ضرورت ہے اس میں حضرت عمر کا وہ مکتوب بھی درج ہے جس میں وہ قادسیہ کے سپہ سالار کو تاکید کرتے ہیں کہ فوج کو چاہئے کہ وہ عربوں کی خصوصیات اور خصائل کو ترک نہ کریں اور عجم کی تن آسانی اور عیش پسندی اور لباس کو اختیار نہ کرے۔ زمانہ کے تغیر و تبدل سے خواہ مسلمان کوئی وضع و لباس اختیار کریں۔ لیکن انہیں اسلامی کلچر کی اس روح کو نہیں بھولنا چاہئے ہمارے نوجوان اور متوسط اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ جو تکلف اور عیش طرز تمدن اور معاشرت میں اختیار کئے ہوئے ہیں اور کرتے جارہے ہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی احکام اور طریقہ معاشرت کے اصول کے بالکل خلاف ہے کس قدر افسوس اور شرم و ندامت کی بات ہے کہ آج غیر مسلم حضرات کو مسلمانوں کی اس تنعم پسندی اور متکلفانہ زندگی پر اعتراض کا موقع مل رہا ہے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ حضرت عمر عربوں میں قومی خصوصیات کو باقی رکھنا چاہتے تھے اور قوم عرب کو اسلام کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و عادات کا نمونہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے یہ طرۂ امتیاز عربوں کو عطا فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

وتکونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا۔

یعنی تم دوسرے لوگوں کے لئے نظیر ہو اور رسول تمہارے لئے نظیر ہوں گے۔

پس اگر کوئی کلچر مسلمانوں کا ہو سکتا ہے تو وہ صدر اول کے مسلمانوں کا ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ آج مسلمانوں میں عام طور پر مفقود ہے بلکہ غیر اقوام کے اختلاط سے ایک غیر اسلامی کلچر ہم میں پیدا ہو گیا ہے جس کو دور کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کے تحفظ پر زور دیا جائے۔ الغرض جو کچھ اوپر ظاہر کیا گیا ہے اس کا مقصد و منشا یہ ہے کہ اسلامی کلچر کی روح کی حفاظت کی جائے ورنہ اسلام کسی خاص لباس اور وضع و قطع کو ضروری قرار نہیں دیتا اور آب و ہوا کے اختلافات اور تمدنی اور ملکی ضروریات اکثر اوقات لباس اور وضع قطع میں اختلافات پیدا کرتے ہیں اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو مسلمانوں کی فوج کے افسروں اور سواروں کو دیکھا کہ وہ شامی لباس میں ملبوس ہیں۔ حضرت عمر بہت برہم ہوئے مرو اند لیلے

کہا کہ موسمی ضرورت کی وجہ سے یہ لباس اختیار کیا گیا ہے لیکن اس کے نیچے ہتھیار بندھے ہوئے ہیں یعنی جو ہر شجاعت و مردانگی کو ہم نے نہیں چھوڑا ہے اس پر آپ خاموش ہوگئے یہ ظاہر ہے کہ لباس اور وضع قطع ہر ملک میں مسلمانوں کی تمدنی اور ملی خصوصیات کی وجہ سے انہیں لباس اور وضع وقطع میں کوئی امتیاز نیا رکرنا پڑے لیکن اس میں وہی اسلامی روح کارفرما رہنی چاہیئے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلامی کلچر مانع اتحاد نہیں ہے | مقصود اس تمام بحث کا اس موقع پر یہ ہے کہ کلچر کے متعلق اسلام نے جو اصول مرعی رکھے اور مسلمانوں کو جن سیدھے عقائد اور اعمال کی تعلیم دی ہے وہ ایسے نہیں ہیں جو کسی دوسری قوم کے ساتھ سیاسی غرض میں متحد ومتفق ہونے میں مانع ہوں چونکہ دنیا ان فطری اصول کو اختیار کرتی جارہی ہے جو اسلامی کلچر کے روح ورواں ہیں اس لئے غیر محسوس اور نامعلوم طور پر وہ ایک اخلاقی شعور میں متحد ہوتے جارہے ہیں۔ ہندوؤں کی اور مسلمانوں کی اصلاحی تحریکات دراصل دونوں کو بلاقصد وارادہ خود بخود ایک دوسرے سے قریب اور ایک نقطہ پر جمع کررہی ہیں۔

اس موقع پر مسلمانوں کا نہ صرف اخلاقی بلکہ مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنے اعمال وافعال اور عادات واخلاق سے اپنے آپ کو اسلام کا صحیح اور سچا نمونہ ثابت کریں اور بتادیں کہ اسلام ان رواداران اور سچے اور سیدھے سادہ اصول کا نام ہے جو تمام انسانی برادری کو حریت ومساوات اور اخوت کے دائرہ میں لانا اور ان کو ایک سطح پر کھڑا کرنا چاہتا ہے ایسی وقت ممکن ہے جب کہ مسلمان دوسری اقوام کے ساتھ میل جول اور ہمدردانہ تعلقات رکھیں اگر ان کی آبادیوں کو دیگر اقوام ہند کی آبادیوں سے علیحدہ کردیا جائے اور ان کو چند محدود دائروں میں محصور کردیا جائے دیگر اقوام کے ساتھ ان کے معاشرتی تعلقات اور میل جول کو منقطع کردیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ مواقع بہت محدود اور کم ہوجائیں گے اور یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہوگی اس کے علاوہ عملی طور پر بھی یہ اسکیم[1] قابل عمل نہیں ہوتی۔

کلچرل تقسیم کی دشواریاں اور خرابیاں | پہلا سوال یہ پیدا ہوگا کہ آبادی کا یہ تبادلہ جبری ہوگا یا اختیاری اگر اختیاری ہو تو بہت سے مسلمان ایسے ہوں گے جو اپنے وطن کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کریں گے ایسی صورت میں مسئلہ علی حالہ

---

[1] ۔ چند سال ہوئے کہ یہ اسکیم پہلے ایک محدود رقبہ کی حد تک ڈاکٹر اقبال مرحوم نے پاکستان کے نام سے پیش کی تھی اس کے بعد میرے عزیز محترم پروفیسر ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب پی ایچ ڈی نے زیادہ تر جامع پیمانہ پر مثالی ہی میں کل ہندوستان کے لئے تجویز کی ہے ان اسکیموں کی بنیاد کلچرل اور مذہبی اختلافات کو قرار دیا ہے اور ہندو مسلم اتحاد کو اس کی بنا پر ناممکن بتایا گیا ہے ہر دو حضرات کی فضیلت علمی کا مجھے بصدق دل اعتراف ہے لیکن افسوس ہے کہ میں اس بارہ میں اصولاً ان سے اختلاف کرنے پر مجبور ہوں۔

لاینحل رہ گیا۔

اگر تبادلۂ آبادی جبری ہوگا تو مسلمانوں کے معابد و مقابر و مآثر کا کیا حشر ہوگا ان کی حفاظت کن کے سپرد ہوگی اور اس کا کیا طریقہ ہوگا کیا مسلمان اس امر کو پسند کریں گے کہ بغیر کافی وجہ کے اس سرزمین کو جہاں علم توحید بلند کیا گیا اور صوفیہ کرام و ائمہ اسلام نے صدہا سال کی ہمدردانہ اور مخلصانہ کوششوں سے اسلامی تہذیب اور اصول کو پھیلایا اور اس کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں ہردلعزیز بنایا اور اسلام اور مسلمانوں سے ان کے برادرانہ تعلقات قائم کئے۔ بیک بینی و دوگوش چھوڑ کر الگ ہوجائیں اور اس طرح ایک عرصۂ مدید کی جد وجہد سے جو نتائج حاصل ہوئے تھے ان کو غیر مکمل اور ناتمام حالت میں رکھکر ملیامیٹ کر دیا جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادی کو چند محدود رقبوں میں علیحدہ کر دیا جائے تو ان کے درمیان تجارتی تعلقات باقی رہیں گے یا نہیں۔ اور باغراض تجارت ان کو ان رقبوں میں جانے اور ذرائع معاش پیدا کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ غالباً انیسویں صدی میں اس تجویز کے محرکین ایسے انقطاع تعلقات کو پسند نہ کریں گے جس سے ذرائع معاش کی وسعت میں فرق پیدا ہوتا ہو ایسی حالت میں جبکہ تمدنی تعلقات کی بنا پر مسلمانوں کی آمد و رفت اور قیام اور سکونت گو عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو ان رقبوں میں رہے تو پھر بھی اتحاد و افتراق کا سوال پیدا ہوگا اور کرائی مافیہ لازم آئیگا اس کے علاوہ معاوضہ اور رقبہ جات کی وسعت اور موزونیت اور آب و ہوا اور زبان کا اختلاف وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جس کا حل کچھ آسان نہیں ہے مزید براں یہ تبادلہ کوئی چند ہزار یا چند لاکھ نفوس کا نہیں ہے جس کی مشکلات پر غالب آنے کی توقع کیجاسکے بلکہ کروڑوں انسانوں کا ہے اور اس اسکیم پر تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ "نہ نومن تیل آئیگا اور نہ رادھا ناچے گی" کہا جاتا ہے۔ اگر ان مشکلات کو فی الوقت حل نہ کیا جاسکے تو ۲۰-۲۵ سال میں اس کی تکمیل کیجاسکتی ہے تو کیا اس مدت تک ان دونوں فرقوں میں سر پھٹول جاری رکھی جائے اور دونوں فرقوں کی سیاسی ترقی کو روک دیا جائے اور کیا ایسی اسکیم کوئی قابل عمل اور مدبرانہ اسکیم کہی جاسکتی ہے اس قسم کی تجاویز پیش کرنے سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہیں کہ ہندوستان کے ان دونوں فرقوں میں اتحاد کے امکانات کو کمزور کر دیا جائے اور ان کی ذہنیت کو اپنے اپنے مسائل کے متحدہ طور پر حل کرنے کی جانب مائل نہ ہونے دیا جائے۔

محض آج کل کے عارضی فسادات اور فرقہ وارانہ جھگڑوں کی بنا پر جبکہ ایسے مرحلے ہر قوم کے عبوری دور میں پیش آتے ہیں یہ سمجھ لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہوسکتا ایسا خیال نہ مذہب کی رو سے

صحیح ہے نہ گذشتہ تاریخی تجربہ کے لحاظ سے درست ہے اور نہ ہماری روزمرہ زندگی سے اس کی تائید ہوتی ہے اور نہ ملک کے مشہور مدبرین اور مفکرین اس کی حمایت اور موافقت میں ہیں اس کے علاوہ کیا یہ اسکیم ہماری ہمسایہ قوموں کی رضامندی کے بغیر بروئے کار لائی جاسکتی ہے کیا اکثریت کو مجبور کیا جاسکتا ہے کہ ان رقبوں کو چھوڑ کر دوسرے رقبوں میں چلی جائے جیساکہ دکن، ممالک متوسط و متحدہ اور راجپوتانہ اور بہار کے متعلق اس اسکیم میں تجویز کیا گیا ہے اس اسکیم کو قبول کرنے کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ سرمایہ داری اور استبداد کے گرفت کو مضبوط کیا جائے اور ہندوستان کی سیاسی ترقی ایک نامعلوم عرصہ تک ملتوی کردی جائے اور جو نزاعات کہ اس وقت پیدا ہیں وہ علی حالہ باقی رہیں وہ حضرات جو سرمایہ داری کی لعنت اور افتراق کو ملک میں مذہب اور کلچر کے نام سے باقی رکھنا چاہتے ہیں اس اسکیم کا خیر مقدم کریں تو کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورجام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

اس اسکیم کے مجوزین ایک طرف تو ہندوستان کے دو بڑے فرقوں کے سیاسی اتحاد کو مذہبی اختلاف کی وجہ سے ناممکن بتاتے ہیں اور دوسری طرف ان کو فیڈریشن کے ایک سیاسی اتحاد میں مربوط و متحد کرنا بھی چاہتے ہیں۔

ایک اور خرابی اس اسکیم میں یہ ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی ہند مسلم ریاستیں قایم کرنا پڑیں گی جیسے بھوپال۔ جونا گڑھ۔ ٹونک، اور اجمیر کی مجوزہ مسلم ریاستیں یا امرتسر، بنارس، ہردوار اور الہ آباد کی ہندو ریاستیں جیساکہ اسکیم میں بتایا گیا ہے وہ ہمیشہ اپنے پڑوس کی وسیع الرقبہ اور بڑی ریاستوں سے خدشہ میں رہیں گی اور انہیں اس امر کا خوف لگا رہے گا کہ کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی حیلہ سے ہمسایہ بڑی ریاستیں ان کو اپنا لقمہ تر نہ بنالیں جیساکہ آج ہمارے سامنے زیکو سلاوکیہ یا میمل یا البانیہ یا پولینڈ کا حشر ہوا ہیں جس خرابی سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے وہ علی حالہ باقی رہے گی بلکہ چونکہ اس کی بنیاد باہمی نفرت و عناد قومی پر پڑی ہے اس لئے ان کے امکانات اور زیادہ ہو جائیں گے

محض فیڈریشن میں متحد کردینے سے ان خطرات کا ازالہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ فیڈریشن ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لیگ آف نیشن کا فیڈریشن ہے دنیا کے حالیہ انقلابات اور واقعات نے بالبداہت ثابت کردیا کہ یہ فیڈریشن اندرونی اور بیرونی نزاعات کو رفع کرنے کے لئے بالکل غیر موثر اور ناکام ثابت ہوا ہے۔ من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ

اور اگر کسی تیسری طاقت کو اس کا محافظ قرار دیا جائے تو پھر آزادی و استقلال کا خیال ہی دل سے نکال دینا چاہئے۔

ہر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

قطع نظر ان تمام باتوں کے جبکہ ہجرت کا قانون مسلمانوں کی مشکلات کیلئے موجود ہے تو جب تک ایسے حالات نہ پیدا ہوجائیں جو مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کریں اس وقت تک ایسی کسی اسکیم کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی فی الوقت ہندو مسلمانوں میں جو نزاعات بھی ہیں وہ فروعی اور جزئی اور غیر اہم مسائل کے متعلق ہیں جن کا حل بہ آسانی نکالا جاسکتا ہے ایسی حالت میں ایسی انقلابی تجویز کی جس میں اسلام اور مسلمانوں کا سراسر نقصان ہی نقصان نظر آتا ہے اور جس پر عمل کرنے کے لئے بے حد و بے شمار دشواریاں ہیں کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

یہ سطور لکھے جاچکے تھے کہ جولائی ۱۹۳۹ء کے معارف میں علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک نوٹ نظر پڑا جس میں اس اسکیم کے متعلق قریب قریب ان ہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں اور بالکل صحیح فرماتے ہیں:

"مسلمان اخباروں میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے ہندوستان میں اسلامی تمدنی دائرہ (اسلامک کلچرل زون) قائم کئے جانے کی تحریک جاری ہے اس دائرہ کے تمام خطوط پر غور کئے بغیر اس کو واقعی اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا تعویذ سمجھا جارہا ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے اعتراف شکست کی کوئی اور تجویز نہیں ہوئی۔

اسلامی تمدنی منطقہ کی تحریک کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا قدم جہاں تک آگے بڑھا ہے اس کو پیچھے لوٹا یا جائے اور کسی ایک جگہ ٹھہرا کر قدم جمایا جائے اسلام کا قدم جہاں تک آگے بڑھ سکا ہے اس سے پیچھے ہٹنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہوسکتی ہے ابھی یہ اس غلطی کا اعادہ نہ ہوگا جو مسلمانوں نے ۔سسلی، جنوبی فرانس ۔ اسپین ۔ مالیطہ اور کریٹ وغیرہ رومی جزیروں میں کی ہے کہ جہاں ان کی سیاسی طاقت کم ہوگئی ہے ۔ وہاں سے انھوں نے ہجرت اختیار کرلی اور اسلام کے قدم کو آگے بڑھانے کے عوض پیچھے ہٹالیا ۔ جس کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے۔"

اخلاقی شعور کے اختلاف کے باوجود سیاسی اتحاد کا امکان

اگر تھوڑی دیر کیلئے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ہندو مسلمانوں کے کلچر میں کوئی مابہ الاشتراک نہیں ہے یا ان میں کوئی مشترک اخلاقی شعور نہیں ہے تو بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں کہ ان میں اتحاد سیاسی نہیں ہوسکتا اور وہ سیاسی اتحاد کے لحاظ سے

ایک قوم نہیں بن سکتے حقیقت یہ ہے کہ جو اشخاص اس خصوص میں بعض یوروپین مصنفین کے سیاسی پروپگنڈہ سے متاثر ہو چکے ہیں ان کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے کہ باوجود اختلاف مذہب کے دو فرقے سیاسیات میں متحد ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کیلئے ان کے رسولؐ نے اپنے عمل سے اس مسئلہ کو نہایت آسان کر دیا ہے۔ رسول مقبولؐ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں عیسائی بھی تھے اور بت پرست بھی اور ان کے درمیان آئے دن جنگ و جدال برپا تھی اور ایک زمانہ سے یہ جھگڑے چلے آتے تھے آپؐ نے مدینہ آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان تمام فرقوں کو ایک معاہدہ کے ذریعہ متحد کر دیا اور ایک مشترکہ قومیت کے باوجود اختلاف مذہب و عقائد کے بنیاد ڈالی ... کے لئے ترتیب دیا گیا ہے وہ من و عن سیر و طبقات کی کتابوں میں درج ہے جن میں ان تمام فرقوں کو ایک ... لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان تمام فرقوں کا اخلاقی شعور بالکل مختلف اور متباین تھا۔ فتح مکہ کی لڑائی اس معاہدہ کی تعمیل میں مشرکین کی امداد میں ہوئی پھر کیا وجہ ہے کہ ہم بھی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے ہندو اور دیگر اقوام کے ساتھ اتحاد نہ کریں جبکہ ہمارے اور ان کے سیاسی اور معاشی اغراض بالکل متحد ہیں ہم اور وہ ایک ہی سرزمین پر رہتے سہتے ایک ہی آسمان کے نیچے سانس لیتے اور ایک ہی آب و ہوا میں پلتے اور ایک ہی زمین میں مرتے اور گڑتے ہیں اور معاشری اور معاشی تعلقات سے ایک دوسرے کے ساتھ ایسے ہی وابستہ اور مربوط ہیں جیسا کہ گوشت ناخن سے۔

ملا عبد القیوم مرحوم کے مقالہ سے چند اقتباسات

ہندوستان کے علماء میں میرے والد ملا عبد القیوم مرحوم پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی نقطہ نظر پر اس اتحاد پر آج سے ۴۳ و ۳۵ برس پہلے روز دیا اور اپنے رسالہ "کانگریس اور اہل اسلام" میں جس کو انھوں نے مولانا حسرت موہانی کی فرمائش پر لکھا جو رسالہ معلی اور زمانہ کانپور میں اسی زمانہ میں شائع ہوا تھا۔ نہایت واضح دلائل سے بتایا کہ ایسا اتحاد نہ صرف ممکن بلکہ ضروری ہے اور بعض مولوی صاحبان جو سادہ لوح مسلمانوں کو یہ باور کراتے تھے کہ مذہباً ایسا اتحاد ناجائز ہے اور استناداً قرآن مجید کے معنی اور آیات پیش کرتے تھے اس کی نہایت پُرزور تردید کی۔ زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ آج انگریزی تعلیم یافتہ مذہبی اختلاف کی بنیاد پر اس اتحاد کو ناممکن بتا رہا ہے۔

مرحوم نے اپنے رسالہ کے اس حصہ میں جس میں ادلہ شرعی سے بحث کی گئی ہے ان تمام آیات کا استقصاء کیا جن سے بادی النظری طور پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ غیر مسلموں سے اتحاد اور دوستی و محبت سے منع کیا گیا ہے اور جن موقعوں پر وہ آیات اتری ہیں ان کی سورہ ممتحنہ کی اس آیہ جس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نیک برتاؤ کرنے

اور ان کے ساتھ نیکی اور انصاف سے پیش آنے کی واضح الفاظ میں ہدایت دیگئی ہے۔ تطبیق و توفیق کرکے بتایا کہ عدم موالات کو صرف امور دین میں اور بھی مسلمانوں کے خلاف ناجائز قرار دیا گیا ہے اس موقع پر اگر اس رسالہ سے اس مضمون کا ضروری اقتباس پیش کیا جائے تو غالباً بے موقع نہ ہوگا۔

شرعی بحث کو شروع کرنے سے پہلے وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں اور تاریخ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ جوں جوں مدنیت ترقی کرتی ہے قومیت زبان اور مذہب کا اختلاف مانع اتحاد سیاسی نہیں ہوتا۔ انگلستان میں کلٹیک لیکن اور نارمن نسلیں خلط ملط ہیں اور سب کے سب انگلش کہلاتی ہیں اسی طرح اسکاٹلینڈ والے انگلینڈ کے باشندوں سے مختلف ہیں مگر دونوں باایں ہمہ اختلاف سیاسیتاً متحد ہیں اسی طرح کینیڈا کا حال ہے کہ مختلف قومیں مثلاً فرانسیسی، انگریز وغیرہ وغیرہ وہاں جا بسے ہیں اور سب کے سب ایک ہی نیشن سمجھے جاتے ہیں۔ اسٹریا میں بھی مختلف قومیں مثلاً اسٹرین۔ بوہمین ہنگرین پر مشتمل ہیں۔

امریکہ اور انگلینڈ کے باشندے ہم زبان ہیں مگر سیاسیات میں ایک دوسرے سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے بلکہ مختلف و مخالف ہیں اس طرح اختلاف مذہب بھی مانع اتحاد سیاسی نہیں ہے موجودہ یورپ اس کی بیّن نظیر ہے جہاں سیاسی حیثیت کے لئے مذہب کوئی چیز نہیں اسلام میں ذمیّن کے حقوق مسلمانوں کے مانند تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کے اتحاد سیاسی میں اختلاف مذہب کی وجہ سے کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ اصل یہ ہے کہ قوم کا اطلاق مختلف اعتبارات سے بنی نوع انسان میں ہوا کرتا ہے کبھی نسل اور خون کے اعتبار سے، کبھی مذہب کے لحاظ سے، کبھی ایک ملک کے باشندے ہونے کی حیثیت سے جیسا کہ عرب میں مسلمان باشندگان ہند کو بھی ہندو ہی کہتے ہیں۔"

اس کے بعد اس رسالہ کے حصہ دوم میں جہاں دلائل شرعیہ کو بیان کیا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

شارع علیہ السلام نے احکام شرائع میں مصالح تمدنیہ و سیاسیہ کی محافظت کا کمال اعتناء فرمایا ہے تمام اعتقادی عملی تعبدی اور اخلاقی احکام میں اس کی مراعات

رکھی ہے اور ہر طرح سے اتحاد و اتفاق اور حسن سلوک و معاشرت کی ترغیب و تحریص دی ہے
اور کل اوامر و نواہی کا منشا ء اور مرجع و مآل صرف یہ قرار دیا ہے کہ مدنیت کی ہیئت
اجتماعی زائل نہ ہونے پائے بلکہ متصاعد و مرتقی رہے۔

شارع علیہ السلام نے شریعت غرا اور ملت بیضا کی ترویج میں جبر و قہر سے کام
نہیں لیا ہے بلکہ جب تک طوائف مختلفہ مخل و مزاحم نہ ہوں ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا
ہے اور کسی سے تعارض نہیں کیا چنانچہ آیات مفصلہ ذیل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ لکم دینکم ولی دین ۵ — ۱۔ تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین

۲۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ۵ — ۲۔ دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے ہدایت اور گمراہی ظاہر و واضح ہے۔

۳۔ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر — ۳۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔

۴۔ ولوشاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین ۵ — ۴۔ اگر خدا چاہتا تو سب لوگ ایک گروہ ہو جاتے وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔

۵۔ ولوشاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعاً۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین۔ — ۵۔ اگر تیرا پروردگار چاہتا تو دنیا کے سب لوگ ایمان لاتے کیا تو لوگوں پر جبر کرتا ہے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

۶۔ فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر ۵ — ۶۔ پس نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنے والا ہے تو ان پر مسلط نہیں کیا گیا ہے۔

۷۔ ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا ۵ — ۷۔ یہ ایک نصیحت ہے پس جو شخص چاہے خدا کی طرف کا راستہ اختیار کرے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ذمیین اور مستامنین کے احکام سے بھی جس کا تفصیلی ذکر کتب احادیث و فتاوی میں موجود ہے یہی تحقق ہوتا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حقوق نوعی اور حقوق ملی دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں جبتک افراد بنی نوع مزاحم قواعد ملت و شریعت نہ ہوں اور مصالح دینیہ میں خلل نہ ڈالیں اس وقت تک اختلاف ملت و مذہب کی وجہ سے حقوق نوعی

ہرگز شرعاً ساقط و ہدر نہیں ہو سکتے۔

آنحضرت صلعم نے اہل قریش سے حقوق قرابت و قرابتداری مراعات رکھنے کیلئے یہی حجت پیش کی اور فرمایا تھا کا اسئلکم [illegible] الا المودۃ فی القربیٰ [illegible] اور کچھ نہیں چاہتا، باوجودیکہ اہل قریش بڑے مذہب ایک نہ تھے مگر آنحضرت صلعم نے [illegible] نہیں سمجھا اور محبت رکھنے کی درخواست کی قرآن شریف میں وارد ہے "ان اشکر لی و لوالدیک الی المصیر و ان جاھدٰک علیٰ ان تشرک مالیس لک بہ علم فلا تطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفاً"

(ترجمہ) شکرگزار رہ میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ آخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر ماں باپ تجھ سے اس بات پر شدت کریں کہ تو میرا شریک ٹھیرا ایسی چیز کو جس کا تجھے کچھ علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان اور ان کا ساتھ دے دنیا میں نیک طور پر)۔ . . . جبکہ بنی نوع بھوکا پیاسا یا ننگا ہو تو اس وقت ملت سے تعرض نہیں کیا جائے گا بلکہ حقوق نوعیہ پر عمل ہونا ضروری ہوگا اور اس کی حاجت روائی کیجائے گی۔

اس کی تائید میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ شارع نے کس طرح معاشرت اور تمدنی علائق کو باوجود اختلاف مذہب کے نہ صرف بحال و برقرار رکھا بلکہ ان کی حفاظت فرمائی ہے اگر یہ اتحاد ناممکن یا غیر فطری ہوتا تھا شارع کو اس کے اہتمام کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں "یہی نہیں کہ صرف بنی نوع کے حقوق کا خیال کرنا ضروری ہے بلکہ بنی جنس کے حقوق کا خیال کرنا بھی واجبات اسلام سے ہے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک فاجرہ نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر نجات پائی اور ایک عورت بنی بلی کو بھوکی رکھنے کی وجہ سے معذب ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا فی کل کبد رطب اجر۔ یعنی خواہ انسان ہو یا حیوان سب کے کھلانے پلانے میں اجر ہے . . . . . "

پھر لکھتے ہیں:-

"امور دنیا سے گذر کر امور دینیہ میں بھی ان سے معاملہ اور اعانت جائز ہے منع نہیں ہے۔ جیسے مسجد بنوانی قبر کھدوانی، جہاد میں ان سے استمداد لینی مثل جاسوسی وغیرہ۔ رسول اللہ صلعم نے غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ سے استعانت لی تھی حالانکہ وہ مشرک تھا۔ قاضی بیضاوی نے تفسیر آیت قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم میں لکھا ہے کہ "فیہ دلیل علیٰ جواز التولیہ والظہار انہ مستعل لھا والتولی من ید الکافر اذا علم انہ لا سبیل الی اقامۃ الحق و سیاسۃ الخلق الا بالاستظہار بہ یعنی اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ

اقامت حق اور سیاست خلق بدوں اس کی مدد کے نہ ہو سکے تو اس کو کافر سے تولیت لینا اور اپنے مستعد ہونے کا اظہار کرنا جائز ہے اسی طرح رضخ (مال غنیمت میں سے بقدر کارگزاری حصہ دینا) دنفل (امام کا ان لوگوں کو [illegible] سر بکف ہوں [illegible] میں اُن کو حصہ دینا جائز ہے [illegible] [illegible] خداے تعالی اس دن کی تائید کا فر اور گنہگار سے بھی کر دیتا ہے۔)

" ملا فضل وزیہان شیخ الاسلام خراسان نے اپنی کتاب سلوک الملوک میں جہاں آداب قاضی لکھے ہیں بیان کیا ہے (بیضرورت مشرک را قاضی تواند ساخت[1] چنانچہ در خلاصہ از کتاب اجناس روایت کردہ کہ اگر سلطان تولیہ کند قاضی مشرک را بر مسلمان و بعد ازاں او مسلمان شود۔ امام محمد فرمودہ کہ او ہمچناں قاضی است محتاج تولیہ ثانی نیست" (یعنی ضرورتاً مشرک کو قاضی بنایا جا سکتا ہے چنانچہ خلاصہ میں کتاب اجناس سے روایت کیگئی ہے کہ اگر سلطان مشرک قاضی کو مقرر کرے اور بعد ازاں وہ مسلمان ہو جائے تو امام محمد کا ارشاد ہے کہ دوبارہ تقرر کی ضرورت نہ ہوگی)

اس موقع پر بطور جملہ معترضہ کے علمائے کرام کی خدمت میں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اجلاس میں خلع بل کے متعلق یہ جو اصرار کیا گیا ہے کہ اس بل کی رو سے جس قدر تنسیخ ہوں وہ مسلمانوں کے قلم سے ہونے چاہئیں متذکرہ صدر مسئلہ اور حالات ملک کے لحاظ سے قابل غور ہے کیونکہ اس کی وجہ سے موجودہ عدالتی مشنری میں بڑے تغیر و تبدل کی ضرورت ہوگی اور موجودہ حالات کے لحاظ سے یہ نہ صرف دشوار بلکہ ایک حد تک ناقابل عمل اصرار ہے اگر ابتدائی فیصلوں کے متعلق کوئی انتظام کیا بھی گیا تو اپیل میں کیا جائے گا۔ ہماری ریاست (نظام سرکار عالی) کی نظیر اس کے جواز کے لئے کافی ہے جہاں ہندو اور مسلمان دونوں حکام عدالت ایسے مقدمات کے فیصلے بموجب احکام شرع شریف کرتے ہیں لیکن کوئی شکایت نافہمی احکام شرعی یا بے انصافی کی پیدا نہیں ہوتی۔ یہی حال تنا شترق مسائل کا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے مسائل میں کسی قدر وسعت نظر سے کام لیا جائے۔

اس رسالہ میں مرحوم نے تفصیل سے ان آیات کا ذکر کیا جن کو بعض مولوی صاحبان اور ان کی تقلید میں دیگر ناواقف مسلمان غیر مذہب والوں سے علیحدہ رہنے اور مقاطعہ کرنے کی دلیل میں پیش کرتے اور ان کے ساتھ اتحاد سیاسی کو مذہباً ناجائز بتلاتے ہیں اور ان کی تشریح کرکے بتایا ہے کہ " حقیقت ایسی نہیں ہے بلکہ ان سے عدم موالات امور دینیہ میں مراد [illegible] ہیں کیونکہ [illegible] کی وجہ سے جو ضرورت مشارکت و معاونت باہمی کی

---

(۱) ایسا قاضی مسلمانوں پر احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے جس میں سب فقہا متحد ہیں۔ المدیر

واقع ہوتی ہے وہ بنی نوع کے دنیوی تعلقات کا منقطع ہونا ناممکن ومحال قرار دیتی ہے اور شارع علیہ السلام نے کسی کو تکلیف مالایطاق کا مکلف نہیں گردانا اور تمام تکالیف شرعیہ کی بنا وسعت ویسر پر رکھی ہے پس تمدنی علاقات کے منقطع کردینے سے جو ہرج وعسر بنی نوع انسان کے لیئے لازمی وضروری ہے اوس کو شارع علیہ السلام کیونکر جائز رکھ سکتے ہیں چنانچہ اس کی تصریح خود خدائے تعالیٰ نے فرمادی ہے اور سورۂ ممتحنہ میں ارشاد کیا ہے لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الخ (ترجمہ) (اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے لڑے نہیں دین کے بارے میں اور تم کو نکالا نہیں تمہارے گھروں سے کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔ بیشک اللہ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ بیشک اللہ تم کو ان لوگوں سے منع کرتا ہے جو تم سے لڑے دین کے بارے میں اور تم کو نکال باہر کیا تمہارے گھروں سے اور دوسروں کی مدد کی تمہارے نکالنے پر کہ تم ان سے دوستی کرنے لگو اور جو شخص ان سے دوستی کرے تو وہی لوگ ستمگار ہیں۔

پس ان تمام آیات قرآنی میں مسلمانوں کے برخلاف کفار کی نصرت کرنا ممنوع ہے۔ نہ معاشرت ومخالطت دنیوی چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں در بارۂ اباحت نوکری کفار یہ لکھتے ہیں کہ "نظر بظاہر شرع اباحت است قیاساً علی سائر الاجارات مثل الخیاطیہ والاجارہ وغیرہم وکیف وقد ثبت عن الاکابر انہم آجرو انفسہم من المشرکین) اور محبت طبعی وقرابتی ونسبی کو ان سے جائز ومباح لکھا ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ نصرت بھی وہ نصرت منع ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی کیجائے نہ مطابق نصرت . . "

آخر میں لکھتے ہیں "ہم نے ان آیات کا استقصا اس لیئے کیا ہے کہ اکثر ملانے عام مسلمانوں کو ان ہی آیات کے استدلال سے عدم مشارکت وموالات اور منازعت ومناکرت ومنافرت کفار پر ابھارتے اور غلط مطالبہ سمجھاتے رہے ہیں۔ تعصب وعصبیت جاہلیت کو جو بالکل مذموم ومنع ہے محمود وجائز بلکہ واجب تبلاتے ہیں اور ذمیین ومسامنین سے جن کے حقوق مسلمانوں کے برابر تسلیم کیئے گئے ہیں مناکرت ومنافرت کرنی شعائر اسلام وایمان سے تبلاتے ہیں حالانکہ اسلام رفق ومدار اور محبت اور شفقت وحسن معاشرت سکھلاتا ہے اور مدنیت فاضلہ وعدالت کی طرف بلاتا اور اس کا راستہ تبلاتا ہے اور ان لوگوں نے اس کیخلاف شدت وغلظت وبدتہذیبی ووحشت وجنگ وجدال اور حرب وقتال کو لازم اسلام قرار دے لیا ہے "

اسلام کی رواداری اور اتحاد کی اسپرٹ	اسلام کی یہی رواداری مسامحت ومسالمت اور مساوات واتحاد کی اسپرٹ تھی جس نے چند ہی دنوں میں دور دور تک اس کی تعلیم کو پھیلادیا اور غیر قوموں نے اس کے اصول کو

نہایت فراخدلی اور خوشی کے ساتھ قبول کر لیا اسلام صلح و آشتی چاہتا اور اسی کے سایہ میں پھیلتا اور پھلتا پھولتا ہے نہ اتفاقی نہ جنگ وجدال اس کو فطرتاً راس نہیں چنانچہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد سے جس کے متعلق حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو یہ خیال تھا کہ دب کر اور ذلت کے ساتھ صلح کی جارہی ہے اسلام نے بجد ترقی کی اور قرآن میں اس کو "فتح مبین" کے نام سے یاد کیا گیا حالانکہ شرائط صلح ایسے تھے جن سے کمزوری اور شکست کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلعم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مختلف قبائل میں مصالحت و آشتی کی طرح ڈالی اور ان سے رواداری اور مساوات کی بنیاد پر معاہدے کئے پس کوئی ایسی اسکیم یا تجویز جو ہندو مسلمانوں میں بجائے اتفاق و یکجہتی کے پھوٹ اور تفریق پیدا کرے یا وسائل صلح و آشتی کو دور ڈال دے اور آپس میں دشمنی اور عداوت اور بیگانگی کی خلیج کو وسیع کردے وہ کبھی ملک و قوم اور خود اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں ہوسکتی کیونکہ نفرت و عداوت کو ترقی دیتی ہے البتہ محبت والفت میں یہ خاصیت ہے کہ وہ دشمنی و مخالفت کو دور کر کے کارہ و نفور دلوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیتی ہے دوسرے الفاظ میں نیکی سے برائی دور ہوسکتی ہے لیکن برائی سے نیکی پیدا نہیں ہوسکتی۔

غصہ غصہ کو اور بھڑکاتا ہے اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں اسی طرح جو جماعت خواہ وہ ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی اپنے طرز عمل سے جذبات مخالفانہ کی تخلیق کرے اور اتحاد کے امکانات کو کمزور کردے اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی صحت بخش اصول پر قایم کیگئی ہے اس سے وہی نتائج پیدا ہوں گے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے اور اس کا نتیجہ وہی سر پھٹول مار پیٹ لڑائی جھگڑے اور خون خرابے ہوں گے جس کی وجہ سے آخر کار دونوں فرقے کمزور ہو جائینگے اور جب تک یہ حالت رہے ان پر ترقی کی راہیں مسدود رہیں گی تاریخی واقعات بتلاتے ہیں کہ جو تحریکات خواہ دنیوی حکومت کے لئے ہوں یا دینی ریاست کے لئے جب ان کی بنیاد نفرت و عداوت پر پڑی تو وہ بہت جلد ختم ہو گئیں قانون فطرت ہے کہ وہ ایسی تحریکات زیادہ دیر تک پنپنے نہیں دیتا۔

اسلام ایک توحیدی مذہب ہے توحید کے معنی صرف زبان سے اقرار وحدانیت کے نہیں بلکہ اعمال و افعال میں بھی وحدت کا ظہور ہونا چاہیئے جس قدر اخلاق فاضلہ اور اعمال صالح ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا مرجع توحید پر جاکر منتہی ہوگا۔ شرک کو ظلم عظیم اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ شرک کا نتیجہ اور مآل ظلم و

عدوان کی طرف انسان کو لیجاتا ہے اس لئے اسلام میں ایتلاف و اتحاد و اتفاق پر بہت زور دیا گیا ہے اور فتنہ و فساد کی مذمت کی گئی ہے اور مسلمانوں کو فرقہ واری اور تفرقہ اندازی سے منع کیا گیا ہے پس اس ملک کے باشندوں میں اتحاد و اتفاق کی کوشش اور مختلف فرقوں کو باہم متحد کرنے کا خیال عین اسلامی اصول وحدانیت کے مطابق ہوگا کسی شخص نے توحید کے متعلق کیا اچھا کہا ہے "واحد دیدن بود نہ واحد گفتن" اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی ملی اور اسلامی خصوصیات کو بھلا بیٹھیں بلکہ جن نقاط پر اتحاد ہوسکتا ہے خواہ مذہب کی بنا پر ان میں اتفاق کرنے سے انکار نہ کریں۔

مذہب کی دعوت مشترکہ اور مسلمہ امور سے شروع ہوتی ہے

نہ صرف معاملات دنیوی میں بلکہ مذہب میں بھی اسلام نے اپنی دعوت کی بنیاد مشترکہ اور مسلمہ امور پر رکھی اور ابتداً ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہی کی طرف بلایا ہے چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً و لا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون (آل عمران)

اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کیطرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض اشخاص بعض کو خدا کے سوا اپنا مالک و آقا نہ قرار دیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو کہو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم و قولوا اٰمنا بالذی انزل الینا و انزل الیکم و الھنا و الھکم واحد و نحن لہ مسلمون (عنکبوت)

اور مت جھگڑو اہل کتاب سے مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو بجز ان لوگوں کے جنھوں نے ظلم کیا۔ اور کہو ایمان لائے ہم اس پر جو اتری ہے ہم پر اور اس پر جو اتری تم پر ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے اور ہم اس کے آگے اپنا سر جھکاتے ہیں۔

اگرچہ ان آیات میں اہل کتاب کی طرف خطاب ہے لیکن حکم عام ہے کیونکہ جہاں کہیں مشرکین کو دعوت دی گئی ہے وہاں بھی استدلال ایسے امور سے کیا گیا جو مسلمہ اور اعتقاداً مشترک تھے اس کی تائید ایک اور آیت سے ہوتی ہے جس میں بغیر کسی کو مخاطب کئے عام الفاظ میں حکم دیا گیا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (سورہ نحل ۱۲۰) خدا کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت سے اور ان سے بحث کرو اس طریقہ سے جو بہتر ہو مجادلہ حسنہ کی تفسیر کیگئی کروہ .... مسلمات سے آغاز ہو اور عمومیت سے خصوصیت کی رہنمائی کرے۔

اس مضمون کو ایک اور آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قولوآمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (بقرہ ۔۱۲۰) کہو ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس کتاب پر جو اتاری گئی ہم پر اور جو اتاری گئی ابراہیم، اسمعیل، اسحق، یعقوب اور اون کی اولاد پر اور اس پر جو کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو دیگئی ان کے رب کی طرف سے ہم کوئی فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی کے درمیان اور ہم اس کو تسلیم کرنے والوں میں ہیں"

اس موقع پر نبیوں کے لفظ کی عمومیت خاص طور پر قابل غور ہے اور ما من قریۃ الاخلافیہ نذیر (کوئی قریہ ایسا نہیں جہاں نبی نہ بھیجا گیا ہو) کو بھی ذہن نشیں رکھنا چاہیئے۔

ایک اور آیۃ سے بھی عمومیت دعوت کا اس طرح اظہار ہوتا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کرنے کو کہے اور بری باتوں سے منع کرے۔

اس آیتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت نیک باتوں کی طرف بلانے اور بری باتوں سے بچانے سے شروع ہوتی ہے پس مسلمان امور خیر کا علمبردار ہوگا اور ایسے امور میں جو عامۃ الناس کی بھلائی اور فائدہ کیلئے ہوں حصہ لینے میں پیشقدمی کرے گا۔ یہی وہ اسلامی کلچر یا کیرکٹر تھا جس کی وجہ سے غیر اقوام اس کی جانب مائل ہوتے تھے یہی طریقہ تبلیغ تھا جس کے باعث ایک صدی میں اسلام ربع مسکون میں پھیل گیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ وحی سے قبل مسافروں کی امداد اور مہمان نوازی بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی اور محتاجوں کی حاجت روائی فرماتے تھے اس طرح آپ اپنی قوم میں نیکی اور صفات حسنہ کی وجہ سے مقبول ہوگئے اور امانت اور دیانت داری کے باعث قوم کا اعتماد حاصل کیا یہاں تک کہ آپؐ کا نام ہی "امین" پڑگیا۔ اس کے بعد آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا گویا صفات مذکورہ پر آپ کو عمل پیرا

کرکے خدا کی جانب سے آپؐ کو دعوت تبلیغ کے لئے تیار کیا گیا تھا اور اشاعت اسلام کے لئے زمین ہموار کی گئی تھی چنانچہ آپ کی توصیف قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے :۔ " فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك " (خدا کی رحمت ہے کہ تم ایسے نرم خو بنائے گئے ہو اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو اس طرح لوگ تمہارے اطراف جمع نہ ہوتے) ہمارے صوفیاء کرام جو اخلاق محمدی کا صحیح نمونہ تھے ان کا طرز عمل بھی ایسا ہی تھا یہی وجہ تھی کہ غیر مسلم ان کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے تھے اور ان کے برتاؤ اور ان کے طرز عمل کو دیکھکر اسلام کو سمجھتے اور اس کو قبول کرتے تھے یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں " مولفۃ القلوب " کے نام سے ایک گروہ تھا جس کو باوجود غیر مسلم ہونے کے وظیفے دیئے جاتے تھے تاکہ تالیف قلب ہو، اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام انبیاء سابقین کا معمول بہ رہا ہے وہ ان مسلمہ حقائق کا نام ہے جن کو تمام انبیائے کرام تسلیم کرتے آئے ہیں اور اپنی آنیوالی نسلوں کو اس پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہے ہیں۔

یہ بھی علمائے محققین کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ ہر مذہب کا اصول ایک ہی ہے اختلاف شرائع اور طریقوں میں ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجت البالغہ" میں ایک خاص باب اس عنوان سے باندھا (باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناہج مختلفۃ یعنی اس بیان میں کہ دین کی اصل ایک ہے اس کے طور طریقے مختلف ہیں) پس اس چیز کو مشترکہ اخلاقی شعور قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کی بنیاد پر ایک مشترکہ قومیت کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے اور جبکہ اپنی مشترکہ اصول سے مذہب کی دعوت شروع ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ معاملات دنیوی کی حد تک مشترکہ طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں سیاسی اتحاد نہ ہوسکے اور ایک پلیٹ فارم پر دونوں کھڑے نہ ہوسکیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کا طریقہ کار مسلمانوں کے ساتھ اظہار مخاصمت وعداوت ہے اور وہ ملک کی مشترکہ تعمیر اور اس کے مصائب کو دور کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرنا چاہتے لیکن کروڑوں مخلوق جن میں ایک بڑی تعداد پست اقوام کی بھی ہے ایسی ہے جس کو ان تحریکات اور ان خیالات سے کوئی علاقہ نہیں ہے پس بلا امتیاز تمام ہندوؤں کو مسلمانوں کا مخالف سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جن لوگوں کو اس مخالفت سے کوئی تعلق نہیں اگر ان کے ساتھ بھی ہمارا وہی برتاؤ ہو جو

صرف مخالفین کی حد تک محدود رکھنا چاہتے تو پھر خواہ مخواہ ہم غیر مخالف کو مخالف بناکر اپنے مخالفین کی تعداد بڑھادیں گے اور یہ بالکل غلط طریقہ عمل ہوگا۔ اسلام کا حکم ہے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (سورۂ نحل) اور اگر تم بدلہ لو تو اس حد تک کہ جس حد تک تم کو تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللّٰہ (شوریٰ ایت ۴۴) برائی کا بدلہ ایسی ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

لا یجرمنکم شنآن قوم ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی کسی قوم کی عداوت تم کو عدل سے باز نہ رکھے عدل کرو اور یہ چیز تقوی سے قریب کرنیوالی ہے۔

لا تزر وازرۃ وزر اخری ایک بے گناہ کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جاسکتا۔

افلاس اور غلامی کے متعلق اسلام کا طرز عمل مسلمانوں کو چاہئیے کہ ان درماندہ افراد کی اصلاح و درستی میں بھی حصہ لیں اور ہمدردی اور محبت کا ہاتھ ان کثیر التعداد اشخاص کی طرف بھی بڑھائیں جو ان کے ہموطن ہیں اور افلاس اور فقر و فاقہ اور جہالت اور توہم پرستی اور ہزاروں معاشی او رمعاشرتی بیماریوں میں مبتلا ہیں اور غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں کیونکہ ان کے پڑوسی ہیں اور پڑوسی کے حقوق میں اسلام نے مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں رکھی اور اس کو مساویانہ اہمیت دی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھ کو پڑوسی کے بارے میں اتنا بار بار کہتے رہے ہیں کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں وہ اس کو وارث نہ کردیں اور اس مقصد کی تکمیل مشترکہ پلیٹ فارم کے بغیر نہیں ہوسکتی فقر و فاقہ کی مصیبت اور غلامی کو دور کرنا ایک مسلمان کے لئے اس قدر اہم فریضہ ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں حسب ذیل آیت وارد ہوئی۔

فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ پھر کیوں وہ گھاٹی میں نہیں گھستا اور گھاٹی کیا ہے غلام کو آزاد کرنا اور بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار کو یا مسکین خاک نشین کو پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جو ایمان لائے اور باہم صبر و رحم کرنے کی فہمائش کرتے رہے۔

متذکرہ صدر آیات کی ترتیب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کس طرح گمراہ انسان کو مسلمہ نیکیوں سے جن میں غلام کو آزاد کرنا اور فقر و فاقہ کو دور کرنا ہے ایمان کی طرف بلاتا ہے اور عمومیت سے خصوصیت کی طرف لیجاتا ہے اگرچہ آج اصطلاحی غلامی نہیں رہی ہے لیکن یورپ کی قوموں نے اقتصادی اور سیاسی غلامی میں ایشائی اقوام کو جکڑ دیا ہے اس قید و بند سے آزادی حاصل کرنا اور معاشی مصیبتوں کو دور کرنا ایک مسلمان کا بہت بڑا اور اہم فریضہ ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسلام بھوک کا مذہب نہیں ہے لیکن اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں اس میں فقر و فاقہ کے دور کرنے کا کوئی علاج نہیں یا اس کو اس مصیبت سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ان کی تغلیط کے لئے آیت مذکور الصدر کافی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے "کاد الفقران یکون کفراً (فقر اور مفلسی انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے) حقیقت یہ ہے کہ افلاس ایک ایسی مصیبت ہے جس سے ہزاروں اخلاقی خرابیاں اور معاشرتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اس کا اسلام میں کوئی علاج نہ ہو اس لئے قرآن مجید میں یہ حکم ہے :- ولا تنس نصیبك من الدنیا (تمہارا جو حصہ دنیا میں ہے اس کو نہ بھولو) مسلمانوں کی دعا یہ ہے کہ :- ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار "(اے پروردگار ہماری دنیا بھی اچھی کر اور ہماری آخرت بھی اور ہم کو دوزخ سے بچا) اور اسراف سے منع کیا گیا ہے "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" (فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں) آنحضرتؐ کو فرمایا گیا ہے " لا تبسط کل البسط فتقعد ملوما محسورا " (ضرورت سے زیادہ ہاتھ کھول کر نہ خرچ کرو تاکہ لوگوں کی ملامت سننی اور افسوس نہ کرنا پڑا) اگر مسلمان ملک سے فقر و فاقہ کی مصیبت کو دور کرنے کے لئے غیر اقوام کے ساتھ شرکت کریں تو وہ اپنے ایک بہت بڑے مذہبی فرض کو ادا کریں گے بیشک اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو معاشی عذر پر اپنے اصول اور روح کو بھینٹ چڑھادے جیسا کہ ایک رسوائے عالم بل کی تائید کرتے ہوئے اسمبلی میں ایک مسلمان لیڈر نے توجیہاً کہا تھا البتہ وہ ملک کے ہزاروں فاقہ کشوں کی مصیبت دور کرنے کی غرض سے دیگر اقوام کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے ہر ممکن جد و جہد پر آمادہ ہے جو لوگ مسلمانوں کو یہ کہکر کہ اسلام پیٹ یا بھوک کا مذہب نہیں ہے ایسے اشتراک یا تعاون سے منع کرتے ہیں وہ اسلامی اصول کی غلط تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دولت اور کسب معیشت کو "فضل اللہ" سے کئی جگہ تعبیر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ فقر و فاقہ سے نوع انسانی کو نجات دلانا اور ان کے ذرائع معاش کو درست کرنا اور ناجائز ذرائع جن سے

ایک انسان اپنی دولت کے ذریعہ دوسرے انسان پر تسلط کرتا ہے جیسے سود وغیرہ یا تعبیر محنت یا مبادلہ عوض کے دوسرے کے پیسوں پر دست طمع دراز کرتا ہے جیسے قمار بازی۔ ان کا قلع قمع کرنا اسلام کے اصول میں داخل ہے اسلام غریبوں اور مسکینوں کا مذہب ہے بدأ الاسلام غریباً و سیعود غریباً فطوبیٰ للغرباء (اسلام غریبوں سے شروع ہوا اور غریبوں ہی کی طرف لوٹے گا یعنی انہیں میں باقی رہے گا پس کیا ہی خوشی کی بات ہے غریبوں کے لئے) وہ حریت و مساوات کا مذہب ہے اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جبتک کہ بھوک کے مسئلہ کو حل نہ کیا جائے ہماری مشترکہ سیاسی جدوجہد کا اصلی محور یہی ہے اور یہی ہونا چاہیئے اور اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ آج مسلمانوں کی قوم ہی تمام اقوام ہند میں سب سے زیادہ مفلس سب سے زیادہ مفلوک الحال اور سب سے زیادہ بھوکی ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ مصیبت اس وقت تک دور نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے لئے متفقہ جدوجہد نہ کی جائے اس لئے ہم کو اس بلائے عظیم کو دور کرنے کے لئے جس نے ہمارے تمام قوائے عمل کو معطل اور بیکار کردیا ہے برادران ملک کے ساتھ شرکت کرنی اور ان کے دوش بدوش اس جنگ کو سر کرنا نہ صرف ملکی بلکہ مذہبی و قومی فریضہ ہے کیونکہ ہمارے اور ان کے معاشی مسائل مشترک ہیں جو کوشش بھی کسی زراعتی تجارتی صنعتی مسئلہ کے حل کرنے کے لئے کی جائے گی اس سے دونوں فرقے مساویانہ طریقہ پر مستفید ہوں گے۔

غلط رہبری | لیکن افسوس ہے کہ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے جوش سے صحیح طور پر کام لیا جائے غلط راستہ پر اس کو ڈال دیا گیا ہے اور اس کی قوتوں کو فرقہ وارانہ اور مخالفانہ جذبات ابھار کر ضائع کیا جارہا ہے اور اس امر کی پیہم کوشش کی جارہی ہے کہ اس کو آزادی وطن کے راستہ میں سنگ راہ بنایا جائے انسانوں کی فطرت میں داخل ہے کہ بس کے جذبات نفرت و عداوت بہت جلد بھڑک اٹھتے ہیں اگر دو شخصوں میں دوستی و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں بہت دیر لگتی ہے خاص کر وہاں جہاں دونوں میں ایک نوع کی اجنبیت بھی ہو لیکن اگر دونوں میں دشمنی و عداوت پیدا کرنی چاہو تو یہ صرف چند منٹ کا کام ہے۔

میان دو کس جنگ چوں آتش ست سخن چیں بدبخت ہیزم کش ست

اور پھر یہ کام تو سالہا سال سے نہایت خاموشی اور سادگی کے ساتھ مکاتب، دفاتر، مجامع میں مختلف طریقوں سے انجام دیا جارہا ہے تعلیم و تربیت سے گذر کر کھیل کھیل میں یہ زہر شربت کے گھونٹ کی طرح ہم کو پلایا جارہا ہے کیا گوانڈرینگلر کرکٹ اس کا ایک اچھا نمونہ نہیں ہے جو قومی تفریق و امتیاز کی بنیاد پر قایم کیا گیا ہے منافرت و عداوت کا بیج خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو تھوڑی سی مدت میں ایک تناور درخت ہوکر برگ و بار لاتا ہے چونکہ عرصہ دراز سے ہماری رگ و پے میں سرایت کرگیا ہے اس کو دور کرنا اور قوم کو اتحاد و آشتی کی سطح پر کھڑا

کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے ایسی ہر کوشش کو بہت آسانی کے ساتھ مخالفین و معاندین مادۂ فاسدہ سے مدد لیکر ملیامیٹ کرسکتے ہیں اور کر رہے ہیں جبتک یہ عنصر ہمارے درمیان کارفرما رہے گا اس وقت تک ہمارے راستہ میں دشواریاں حائل رہیں جبتک اتحاد و اتفاق کی آب و ہوا میں ہماری تعلیم و تربیت نہ ہوگی ہمارے مدرسے ہمارے مکاتب ہمارے یونیورسٹیاں اور علمی و معاشرتی مجالس میں اتحاد و اتفاق اور باہمی یکجہتی اور رواداری کی اسپرٹ پیدا نہ کیجائے گی اس وقت تک اس زہر کا آسانی سے اترنا ممکن نہیں۔

مشترکہ پلیٹ فارم | تمام محب وطن اشخاص کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس زہر کو دور کرنے اور قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور مخالفانہ عنصر سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ بغیر اس کے باہمی اعتماد اور اتحاد و اتفاق کے جذبات پیدا نہیں ہوسکتے اور جب کہ ایک ایسا پلیٹ فارم پہلے سے موجود ہے تو پھر کسی دوسرے پلیٹ فارم کو تیار کرنے اور ملکی قومی کوششوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر اس پلیٹ فارم میں کچھ کمزوریاں اور خرابیاں ہیں تو وہ مسلمانوں کی شرکت اور تعاون ہی سے دور ہوسکتی ہیں آج دنیا میں تمام عالم کو متحد و متفق کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور صلح و آشتی کے راستہ میں ایک دوسرے کو منسلک کرنے کے لئے جد و جہد کیجا رہی ہے اور اس کو ناممکن نہیں سمجھا جا رہا ہے روس اور جرمنی جو اپنے طرز حکومت اور اصول معاشی میں ایک دوسرے کی ضد ہیں سیاسی اغراض کیلئے متحد ہوگئے ہیں اور ایک دوسرے کے شریک حال اور ہمدرد بن چکے ہیں تو کیا ہندو مسلمان جو ایک سرزمین پر رہتے اور بستے ہیں باہم متحد و متفق نہیں ہوسکتے اور کیا صدیوں سے وہ باہم متحد و متفق نہیں رہے ہیں ملک رانی اور حکومت میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کیا اور امن چین کی زندگی بسر نہیں کرتے رہے دور کیوں جائیں خود ریاست حیدرآباد صانہا اللہ عن الشر والفساد اس کے لئے ایک بہتر نمونہ ہے جہاں کوئی امتیاز ہندو مسلمان رعایا میں نہیں کیا جاتا ہر ایک فرقہ کو مذہبی اور سماجی آزادی حاصل ہے یہاں کے ہندوؤں کی حالت معاشی اعتبار سے مسلمانوں سے بہتر ہے یہ تمام نتیجہ ہے اس روایتی روادارانہ اور عادلانہ طرز حکومت کا جو گورنمنٹ نظام کا طرۂ امتیاز رہی ہے پس کیوں ہم سب مل کر ہندوستان کے لئے ایک ایسی عادلانہ حکومت حاصل کرنے کے بجائے جس کی بنیاد حریت و مساوات اور عدل و انصاف پر ہو تفریق و نفاق کی جانب مائل ہوں نہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے گھبرانے کی حاجت ہے جو حکومت بھی آئندہ چل کر قایم ہوگی وہ اس اصولی بنیاد پر قائم ہوگی کہ ہر قوم اور ہر فرقہ کو دوسرے پر دست درازی کرنے کا موقع نہ دیا جائے اور ہر ایک کے انفرادی اور اجتماعی حقوق محفوظ رہیں اور حکومت میں بھی ان کا مناسب و متناسب حصہ ہے ظاہر ہے کہ مسلمانوں گیارہ صوبوں کے منجملہ چار میں اکثریت حاصل ہے اور باقی رہے سات صوبے

تو ان میں ان کے تحفظات قائم رہیں گے۔

جب کہ پارسیوں، عیسائیوں اور دیگر اقوام کو جو اقل قلیل ہیں کسی قسم کا ڈر نہیں ہے اور وہ برابر باوجود اختلاف مذہب اور کلچر کے سیاست میں ہندؤں کے ساتھ اشتراک کر رہے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کو جن کی تعداد تمام اقلیتوں سے زیادہ ہے بلکہ ملک کی آبادی کی دوسری اکثریت ہیں۔ کیوں اس قدر ہراسان اور پریشان کیا جا رہا ہے کیا نو کروڑ نفوس اس قدر قوت اور طاقت نہیں رکھتے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں دنیا کی کونسی طاقت ہے جو ان کے حقوق کو پامال کر سکے کیا مسلمانوں کو آیت "لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو اور غمگین نہ ہو تم ہی برتر ہو اگر تم مومن ہو) پر اعتقاد نہیں رہا ہے میں اپنے آپ کو ان امور کی تفصیلات میں لے جانا نہیں چاہتا کہ ایسی حکومت کا کانسٹی ٹیوشن کیا ہوگا اور کیسا ہوگا۔ یہ مسئلہ قوم کے ماہرین سیاست طے کریں گے مجھ کو تو صرف اس موقع پر دونوں فرقوں کے اتحاد کے امکانات پر بحث کرنی ہے اور یہ بتانا ہے کہ ایسے اتحاد میں کوئی امر مانع نہیں ہے اور یہ اتحاد ہی ان کی تمام مشکلات کو حل کرنیوالا تھا اور جب تک وہ دونوں علیحدہ رہیں گے ان کا ملکی اور قومی مسئلہ کبھی طے نہیں ہو سکتا۔ ہندو مسلم اتحاد کیلئے درحقیقت ہم کو اس فرقہ وارانہ ذہنیت کا مقابلہ کرنا ہے جو کبھی ہندومت کے لباس میں نمایاں ہوتی ہے اور کبھی مسلم نقاب اوڑھ کر سامنے آتی ہے لیکن اگر واقعات کا استقصا کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب نفس کے دھوکے اور انسانی کمزوریوں کے کرشمے ہیں جنھوں نے مذہب کی آڑ پکڑ کر پھوٹ اور دشمنی اور عداوت کی تخم ریزی کرنا چاہی ہے اور عوام کو ہموار اور اپنی جانب مائل کرنے کے لئے اس کو مذہب پرستی کا نام دے رکھا ہے حالانکہ ابھی افراد کو اکثر مذہب کا غیر جانبدار اور مذہب کے اخلاقی اصول سے بے پرواہ اور اغراض ذاتی پر کاربند دیکھا گیا ہے ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اسٹیج پر اپنے آپ کو بہت آزاد اور قوم پرست ظاہر کرتے ہیں لیکن جب عمل کا موقع آتا ہے تو پرلے درجہ کے فرقہ پرست ثابت ہوتے ہیں ایسے اشخاص کا شمار منافقین [illegible] لیکن ایسے بدنام کنندہ نکو نامی چند کی وجہ سے اصل مقصد کو ملیامیٹ کرنا خلاف اصول ہوگا ہر ایک اچھی تحریک اور نیک مقصد میں اکثر اوقات بعض نمائشی اور نااہل اشخاص داخل ہو جاتے ہیں جس سے اس تحریک کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچ جاتا ہے لیکن سمجھدار اشخاص کو چاہیئے کہ اولوالعزمی کے ساتھ اس خرابی کو دور کریں اور حصول مقصد کے لئے جو قدم بڑھایا ہے پست ہمت ہو کر اس کو پیچھے نہ ہٹائیں کیونکہ یہ آزمائشیں ہیں جن کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے پر ہی ہماری کامیابی منحصر ہے۔

موقوف نہ کر منزل لیلیٰ ہے ابھی دور ناقہ تیرا محتاج ہے اے قیس حدی کا

اسباب اختلاف اور ان پر ایک نظر | اوپر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ مذہبی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کا ایک پہلو تھا لیکن ہماری بحث ناقص رہ جائے گی اگر ہم ان اسباب اختلاف سے بحث نہ کریں جو ان دونوں فرقوں کے تفریق و عناد کا باعث ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہی کو معلوم کرنے پر اتحاد کے امکانات روشنی میں آسکتے ہیں اور یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آیا درحقیقت ان اختلافات میں اس قدر اہمیت ہے جس کی بنا پر اتحاد سے مایوسی کا اظہار کیا جائے یا وہ باہمی سمجھوتہ اور گفت وشنید سے حل ہوسکتے ہیں۔

کانگریس اور مسلم لیگ | اس وقت ملک میں دو بڑی جماعتیں برسر پیکار ہیں اگر ان کا اختلاف سیاسیات کی حد تک محدود ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ اکثر ترقی یافتہ ممالک میں حزب الاختلاف کی موجودگی کسی مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرنے اور حکومت کی کل کو زیادہ قابلیت سے چلانے کے لئے ضروری سمجھی گئی ہے لیکن اس نے سیاسیات کے دائرہ سے بڑھکر قومی اور مذہبی منافرت کی شکل اختیار کرلی ہے یہ عنصر ملک میں پہلے سے کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا لیکن اس کا دائرہ مخصوص واقعات اور مقامی خلفشار کی حد تک محدود تھا اب اس نے ان دونوں جماعتوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھاکر ایک منظم اور باقاعدہ شکل اختیار کرلی ہے اور یہ امر کوئی شبہ نہیں کہ ملک کے امن وامان اور سیاسی ترقی کے لئے سم قاتل ہے۔

کانگریس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام ہندوستان کے لئے بلاتفریق مذہب وملت جمہوری طرز حکومت کی خواہاں اور آزادئ کامل کیلئے کوشاں ہے مسلم لیگ کا مطمح نظر بھی آزادی کامل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور ان کی قومی اور ملی مسائل کی نیابت کرتی ہے جب ہندو مسلمان ایک ملک میں رہتے اور بستے اور تمدنی ضروریات کو ایک دوسرے کی معاونت سے پورا کرتے ہیں تو ان کے درمیان مشترکہ سیاسی مسائل کا پیدا ہونا لازمی ہے اور اس کے لئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کے بغیر چارہ نہیں اسی طرح ان کے علیحدہ مذہبی اور ملی مسائل کے حل کرنے کے لئے ایک مخصوص جماعت کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا پس کانگریس اور مسلم لیگ کی ضرورت اپنی اپنی جگہ مسلم ہوجاتی ہے اور اگر ان کی ہینہ غرض وغائت صحیح طور پر ظاہر کیگئی ہے تو پھر بظاہر ان کو باہم دست وگریباں ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

لیکن ۱۹۳۵ء میں جب قانون وفاق ہندوستان کے لئے انگلستان کی پارلیمنٹ سے منظور ہوا اور صوبجات کی خود مختاری دیگئی اور کانگریس نے ان صوبجات میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے عنان حکومت ہاتھ میں لی اور مسلم لیگ کو حکومت میں کوئی حصہ نہیں دیا اور مسلم لیگ ان صوبجات میں بھی جہاں مسلم اکثریت ہے اپنی وزارت قایم نہ کرسکی اس وقت سے یہ نزاع بہت ترقی کرگئی ہے۔ کانگریس پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ہندو راج قائم کرنا اور مسلمانوں کے مذہب اور کلچر کو میٹ دینا چاہتی ہے حال میں صدر کانگریس نے خواہش کی تھی کہ ان شکایات کو معین کرکے ایک غیر جانبدار ٹربیونل

کے ذریعہ ان کی آزادانہ تحقیقات کرائی جائے لیکن مسلم لیگ کے صدر نے اس کو غیر آئینی قرار دے کر ہز ایکسلنسی وائسرائے بہادر کے سامنے اپنی شکایات پیش کرنے کو مناسب اور صحیح طریقہ کار روائی خیال کیا ہمارا اس موقع پر ان شکایات کی واجبیت یا ناواجبیت کے متعلق کسی قسم کا اظہار رائے کرنا قبل از وقت اور بے موقع اور ہمارے موضوع بحث سے خارج ہوگا لیکن ایک عجیب بات ہے کہ جس قدر مسلم لیگ کو کانگریس سے شکایت ہے، قریب قریب اسی قدر ہندو مہا سبھا جو مسلم لیگ کی طرح ہندوؤں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قائم کیگئی ہے۔ کانگریس سے ناراض اور بیزار ہے وہ اس کو ایک ایسی جماعت تصور کرتی ہے جو ہندوؤں کے خاص حقوق کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ مسلمانوں کی پاسداری اور بیجا رعائت اس کا شعار ہے اس طرح کانگریس کی حالت بعینہ اس شعر کی مصداق ہوجاتی ہے۔

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ ۔۔۔ تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھکو

مشترکہ پلیٹ فارم کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے دروازے ہر ایک مذہب اور فرقے کے لئے کھلے ہوں اگر ایسے پلیٹ فارم پر کسی فرقہ یا مذہب کا آدمی ملکی ترقی کی مشترکہ جد وجہد میں شریک ہوتا ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے مذہب یا فرقہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا اس پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے مذہب یا فرقہ کے لئے کچھ نہ کرے یا اگر کوئی شخص اپنے مذہب یا فرقہ کی بھلائی کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو اس سے یہ ضروری نہیں ہوجاتا کہ وہ اپنے ملکی بھائیوں یا انسانی برادری کی بھلائی کے کاموں میں شریک ہو الغرض اس عام وخاص کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر لوگ مسلم لیگ اور کانگریس کو آپس میں دو متضاد اور متبائن عناصر سمجھنے لگے ہیں حالانکہ نفس الامر میں یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔

اس فرق کو ایک ایسی سلطنت کی مثال سے ذہن نشین کیا جاسکتا ہے جس میں مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگ بستے ہوں وہ سب کا تحفظ اور امن اور بہبودی چاہتی اور ان کے شخصی اور سماجی حقوق کی حفاظت کرتی ہو درحقیقت ہندوستان جیسے ملک میں جس میں مختلف خیال اور مختلف طریقوں کے لوگ رہتے سہتے ہیں ایک ایسے آرگنائزیشن کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جو ان کو مشترکہ سیاسی امور میں متحد ومتفق کرکے ان میں رواداری اور مساوات اور اخوت کی اسپرٹ پیدا کرے مشترکہ قومیت کا یہی تصور ہے جو ایک جمہوری ریاست کے لئے لازمات سے ہے اس میں سے کسی فرقہ اور مذہب کے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ایسی مشترکہ قومیت ان کے خاص ملی اور مذہبی ترقی کی مانع اور مزاحم نہیں ہوسکتی مساحمت اور رواداری کے اصول پر وہ اپنی اپنی جگہ پھل پھول سکتے ہیں ہر ایک مذہب اور متمدن ملک کا یہی اصول ہے اور اس کی پیروی میں ہماری نجات ہے بغیر اس کے ہم متحد نہیں ہوسکتے اور بغیر اتحاد کے ہم کچھ حاصل نہیں کرسکتے۔

۱۹۳۷ء میں جبکہ کانگریس نے عہدوں کو قبول کرنے کی ذمہ داری لی تو حکمرانی اس کیلئے ایک نیا تجربہ تھا ہندوستانیوں کی

نظم و نسق چلانے کی قابلیت کو شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا ادھر ایلیکشن میں اس نے رعایا سے بہت سے وعدے کئے تھے جن کو ایفا کرنا اس کے پیش نظر تھا الغرض کانگریس کیلئے یہ ایک مشکل مرحلہ تھا اس کو کامیابی سے طے کرنے کے لئے سب سے پہلے اس امر کی ضرورت تھی کہ اس کی صفوں میں کامل نظم اور ضبط اور ارتباط ہو اس لئے انتخاب وزارت کے لئے اس نے اس امر کی شرط رکھی کہ اس کے پلیج (عہد) پر دستخط کئے جائیں اگر وہ ایسے اشخاص کو وزارت میں شامل کر لیتی جو اس کے نظم و ضبط کے پابند نہ ہوتے تو کامیابی کے ساتھ حکومت کی مشنری کو چلانا اس کے لئے دشوار ہو جاتا۔

جہاں تک باقاعدگی اور نظم و نسق کی خوبی کا تعلق ہے کانگریس نے اپنے کام کو قابل اطمینان ثابت کیا جس کا اعتراف برطانوی مدبرین کو بھی ہے لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اقلیت کو مطمئن نہ کر سکی جس کی ذمہ داری زیادہ تر قانون وفاق ۱۹۳۵ء کے نقائص پر ہے جس میں ایکطرف تو سابقہ مشنری پر صوبجات کی وزارتوں کو کوئی اقتدار نہیں دیا گیا اور دوسری طرف حکومت اکثریت کے حوالے کر دیگئی اور اقلیتوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا قانون مذکور کے ناقابل قبول ہونے کی متعلق نہ صرف مسلم لیگ اور کانگریس بلکہ ہندوستان کی اکثر سیاسی جماعتیں متفق اللفظ ہیں اور گورنمنٹ کے نزدیک بھی وہ قابل نظر ثانی ہے کانگریس کا یہ مطالبہ ہے کہ اس قانون کے بنانے کا اختیار خود ہندوستانیوں کو ملنا چاہیئے اور مسلم لیگ یہ چاہتی ہے کہ بہ حیثیت مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے کوئی ایسا قانون جو مسلمانوں پر اثر انداز ہو بغیر اس کے مشورے کے نہ بنے ان دونوں مطالبات کی معقولیت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا لیکن یہ اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں جبکہ یہ دونوں جماعتیں متفق و متحد ہو کر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں باوجودیکہ قانون وفاق کے ناقابل قبول ہونے کے متعلق کانگریس کے صاف و صریح ریزولیوشن موجود ہیں خود کانگریس کے اندر ایک جماعت کا یہ شبہ رہا کہ اس کا ہائی کمانڈ قانون مذکور کو قبول کرنے اور اس کو چلانے کے لئے حکومت کے ساتھ سازباز کر رہا ہے یہ شبہ اس سے بھی قوی ہوتا ہے کہ کانگریس نے اپنی حیثیت کو بجائے انقلابی . . . . . بنانے کے اصلاحی . . . . . بنا لیا اور خاموشی کے ساتھ صوبجات کی حکومت کو چلاتی رہی اور قانون مذکور کے مسترد کرنے کے لئے کوئی موثر اور پرزور کارروائی نہیں کی اس اختلاف کے داعی اور زعیم مسٹر سوباش بوس ہیں جنھوں نے کانگریس کے اندر ہی ایک پارٹی ایسی بنائی جو کانگریس کے موجودہ جمود کو توڑنے کے لئے کوشاں ہے لیکن جنگ کے شروع ہو جانے کے بعد کانگریس نے وزارتوں سے استعفا دیکر ایک بڑی حد تک ان شبہات کو رفع کر دیا اور اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے ایک ناگزیر صورت حال پیدا کر دی ہے ۱۹۳۷ء میں کانگریس کا وزارتوں کو قبول کرنا خود کانگریس مینوں کے درمیان ایک مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے بظاہر اس سے منزل مقصود کو پہنچنے تک تھوڑی دیر کے لئے اثنائے راہ میں سستانا مد نظر تھا

تاکہ متفرق قوتوں کو جمع کرکے اور تازہ دم ہوکر قدم آگے بڑھایا جائے اس کا ایک بڑا باعث ہندو مسلم اتحاد کا فقدان بھی تھا۔ اور جب تک یہ حاصل نہ ہو اس وقت تک آزادی کامل کے مقصد اعظم میں کامیابی دشوار تھی کیونکہ کوئی فرقہ خواہ وہ کتنا ہی منظم اور قوی ہوتنہا اس جنگ کو سر نہیں کرسکتا اس بارہ میں کانگریس کے سیدھے بازو نے ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ (اگر پورا نہیں ہوا ادھورا ہی سہی) کے اصول پر عمل کیا افسوس ہے کہ یہ اتحاد آج سے دو سال پہلے ہی ان دو بڑی جماعتوں میں پیدا ہو جاتا۔ اگر لیگ کی جانب سے یہ شرط پیش نہ کی جاتی کہ اس کو مسلمانوں کی "واحد" نمائندہ جماعت تسلیم کرکے گفتگو کا آغاز کیا جائے جس کی مخالفت کانگریسی مسلم جماعت اور جمعیت العلماء اور احرار گروہ نے بہ شدت کی جنہوں نے کانگریس کے پروگرام کو قبول کرکے اس کو اخلاقی اور مادی امداد پہنچائی اور بہت سی جانی اور مالی قربانیوں سے اس کے کار کو تقویت دی تھی اس میں شک نہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت نے اپنی سیاست کو مسلم لیگ کے سپرد کر رکھا ہے اگر اسی حیثیت سے گفتگوئے مصالحت کا آغاز ہو جاتا اور مسائل مختلف فیہ معرض بحث میں آکر کسی نقطہ پر پہنچنے کی کوشش کیجاتی اور کوئی سمجھوتہ ان دونوں جماعتوں میں ہو جاتا (الاکثر حکم الکل (اکثریت کے لئے جو تجویز ہو وہ کل کے لئے قابل پابندی ہے) کے اصول پر دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی آئندہ چل کر وہ قابل پیروی ہو جاتا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مسلم لیگ ایسے امور کو طے کرنے کی کوشش کرتی جو عام طور پر مسلم قوم کے لئے فائدہ مند ہوتے تو کسی مسلمان جماعت کو خواہ وہ مسلم لیگ کے طریقہ کار سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو اس کے قبول کرنے سے انکار نہ ہوتا لیکن نمائندگی کے مسئلہ ہی پر اس گفتگو کا خاتمہ ہو گیا اور نقاط اختلاف کو پیش کرنے اور ان کو معرض بحث میں لانے کی سرے سے نوبت ہی نہ آئی۔ آغاز جنگ یورپ کی وجہ سے حالات نے پھر ایک بار پلٹا کھایا ہے اور ان دونوں جماعتوں میں مصالحت اور سمجھوتہ کے مواقع از سر نو پیدا ہو گئے ہیں اور دونوں جماعتوں کے لیڈروں میں گفتگو ئیں ہو رہی ہیں اور چونکہ حکومت کا قدم بیچ میں ہے اس لئے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہے گا۔

جمہوریت | ان دونوں سیاسی انجمنوں کے اختلاف کی شدت نے بعض مسلمان لیڈروں کی ذہنیت پر یہ اثر ڈالا کہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں سرے سے نظام جمہوریت اور شورائی طرز حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے لگے حالانکہ خلافت راشدہ کی بنیاد جو مسلمانوں کے پاس مسلمہ طور پر اسلامی طرز کی بہترین حکومت سمجھی جاتی ہے جمہوریت پر قائم ہوئی ہے اور رسول کریم صلعم بلحاظ ارشاد خداوندی "وشاورھم فی الامر" بغیر رائے اور مشورے کے کوئی عمل نہیں فرماتے تھے قرآن مجید میں مسلمانوں کی اور خصوصیات کے منجملہ ایک خصوصیت یہ بیان کیگئی ہے کہ ان کے تمام کاروبار مشورہ پر چلتے ہیں (وامرھم شوریٰ بینھم) آج کل تمام اسلامی ممالک نے اس طرز حکومت کو اختیار کر لیا ہے اور موجودہ

جنگ اسی مدعا کے ساتھ لڑی جا رہی ہے کہ نظام جمہوریت کی حمایت کی جائے اور استبدادی قوتوں کو فنا کیا جائے جمہوریت کی مخالفت کے معنی بجز اس کے اور کیا لئے جا سکتے ہیں کہ نازیت اور فسطائیت یا دوسرے الفاظ میں غلامی کو اختیار کیا جائے جس کو کوئی سنجیدہ مسلمان پسند نہیں کر سکتا۔

اقلیت اور اکثریت | اگر یہ خیال محض اس وجہ سے ظاہر کیا جا رہا ہے کہ چند صوبوں میں ہندو اکثریت میں اور مسلمان اقلیت میں ہیں اور جمہوری طرز حکومت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثریت کو غلبہ ہو جائے گا اور اقلیت اس کی محکوم اور تابع رہے گی تو ہمارے نزدیک یہ خوف کسی طرح بجائے خود نہیں ہے یہ صورت حال موجودہ وفاقی قانون کے نقائص کی دین ہے پیدا ہوئی ہے جس کو ناقابل قبول ہونے کے متعلق جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے دونوں جماعتوں نے اتفاق کر لیا ہے آئندہ جو قانون بھی ہندوستان کا بنے گا اس میں اقلیتوں کو مناسب حصہ حکومت میں ملنا ضروری ہے اور ان کے مذہب اور ملی حقوق کا تحفظ بھی لازمی ہے درحقیقت جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی حکومت آزادی و مساوات اور عدل و انصاف پر مبنی ہو اور ہر فرقہ انفرادی اور اجتماعی طور پر جمہوریت کے ان ثمرات سے مساوی طور پر مستفید ہونے کا حق رکھتا ہو یہی عمل ان صوبجات میں مرعی رہے گا جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور مجموعی طور پر مسلمانوں کی تقریباً دو ثلث آبادی ان صوبجات میں پھیلی ہوئی ہے کیا جمہوریت کی مخالفت کر کے ہمارے نام نہاد لیڈر یہ چاہتے ہیں کہ یہ تمام مسلمان استبدادیت اور محکومیت کی زنجیروں میں جکڑے رہیں اور آزادی و حریت کی راہیں ان پر بند ہو جائیں تبریں عقل و دانش بباید گریست"۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بروئے دیدہ شد

ہندوستان کا آئندہ نظام حکومت کس قسم کا ہوگا آیا وہ نیشنل اسٹیٹ ہوگا یا دینوی اسٹیٹ یا کوئی اور اسٹیٹ ابھی یہ غیر تصفیہ شدہ امر ہے اس کے متعلق مختلف نظریے پیش کئے گئے ہیں اور مختلف اسکیمیں شخصی طور پر زیر غور ہیں جس کی نسبت ابھی تک نہ کانگریس نے کوئی فیصلہ کیا ہے اور نہ مسلم لیگ نے کوئی امر طے کیا ہے ایسی صورت میں کسی شخص کے ذاتی خیالات پر بحث کر کے ان کو کسی جماعت کیطرف منسوب کرنا اور عوام میں بددلی اور غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرنا ایک نہایت غیر مستحسن فعل ہے اس اظہار واقعہ کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ پچھلے دنوں بعض حضرات نے اس قسم کی تحریرات اور تقریروں سے عوام کی ذہنیت کو متاثر کرنے اور ان میں قومی منافرت و مخالفت کے جذبات مشتعل کرنے کی نامحمود سعی کی تھی۔

اقلیت کا مسئلہ کچھ ہندوستان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ اور ممالک کو بھی سیاسی ترقی کے وقت اس مسئلہ

دو چار ہونا پڑا ہے اور انہوں نے اس کو کامیابی کے ساتھ حل کیا ہے کینیڈا اور ساؤتھ افریقہ کو مثالاً پیش کیا جاسکتا ہے ہندو مسلمانوں میں ایسے اہل الرائے موجود ہیں جو باہمی مشورہ سے اس مسئلہ کو باآسانی حل کرسکتے ہیں درحقیقت مسلمانوں کو جن کی آبادی ہندوستان میں تقریباً (۹) کروڑ ہے اقلیت کہنا قابل غور ہے چار صوبوں میں وہ اکثریت میں ہیں مذہب اور کلچر کے مسائل ان کے درمیان باہم مشترک ہیں پنجاب اور بنگال یا سندھ اور مدراس کے مسلمانوں میں باہم کوئی امتیاز اور فرق اس اعتبار سے نہیں بلکہ وہ ایک ہی قوم کے افراد ہیں اگر کسی صوبہ کے مسلمانوں میں جہاں وہ اقلیت میں ہوں کلچر یا مذہب کے مسائل مابہ النزاع ہوں تو اس سے فطرتاً تمام (۹) کروڑ مسلمانوں کا تعلق قایم ہوجائے گا ان کا ایسا مشترکہ مسئلہ اکثریت کا مسئلہ نہیں کہا جاسکتا البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو من حیث القوم متحد کیا جائے اور ان کے آپس کے اختلاف کو دور کیا جائے ان میں تعلیم کی اشاعت کی جائے ان کو اپنے قومی اور ملکی مسائل کو سمجھنے کے قابل بنایا جائے اس طرح ان میں صحیح سیاسی شعور پیدا کیا جائے تاکہ وہ گندم نما جو فروش لیڈروں سے جو ان کو اپنی ذاتی وجاہت واقتدار کے لئے آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں آزادی حاصل کریں اور جرأت اور مردانگی اور اعتماد علی النفس کے ساتھ برادران وطن کے دوش بدوش اپنے ملکی اور قومی مسائل کو حل کرنے کے قابل ہوں اور اتحاد باہمی سے اپنے آپ کو ایسی بنیان مرصوص کر دکھائیں۔ جس کی صرف ایک متفقہ "نہیں" دوسروں کو ان کے حقوق پر دست اندازی سے بعض رکھنے کے لئے کافی ہو۔

اردو ہندی کا جھگڑا زبان کے مسئلہ نے بھی ان دونوں قوموں کے نفاق وافتراق کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ اگرچہ ہندی کی ترویج کا خیال کچھ آج کا نہیں ہے چالیس پچاس برس سے یہ تحریک ہے لیکن جب سے گاندھی جی نے ہندی کی سرپرستی قبول فرمائی اور اس کو ترقی دینے کی سعی وکوشش میں مشغول ہوئے اس جھگڑے نے شدت اختیار کرلی چونکہ گاندھی جی کی حیثیت کانگریس کے ڈکٹیٹر کی سی ہے اس لئے قدرتاً مسلمانوں کو کانگریس سے بدظنی پیدا ہوگئی کہ وہ ان کی زبان اور کلچر کو مٹانا چاہتی ہے ممکن ہے کہ گاندھی جی کو اردو پر اثر ڈالے بغیر ہندی کی ترویج کا خیال ہو اور جیسا کہ ان کی بعض تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے وہ اردو کے بھی بہی خواہ اور موئد ہوں مگر چونکہ ان کی جانب سے اس کے متعلق عملاً کچھ نہیں کیا گیا اس لئے مسلمانوں کی بدگمانی رفع نہ ہوسکی اور ادہر کانگریسی گورنمنٹوں کے ذمہ دار عہدہ دار اپنی سرکاری تقریروں اور تحریروں میں ایسی زبان استعمال کرنے لگے جس سے صاف ان کی ہندی پرستی ظاہر ہوتی تھی الغرض دانستہ یا نادانستہ یہ ایک سیاسی غلطی تھی جو ہندوستان کے اس شخص سے سرزد ہوئی کیونکہ حصول آزادی کیلئے ہندو مسلم اتحاد ایک نہایت اہم مسئلہ تھا جس کو تمام دوسرے مسائل پر فوقیت تھی اور جبکہ کانگریس کو اس امر کا ادعا ہے کہ وہ تمام فرقوں اور قوموں کی نمائندگی کرتی ہے تو اس کے عہدہ داروں اور کارکنوں کو کوئی ایسا طرز اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا

جس سے ترجیحی اسپرٹ کا اظہار ہوتا ہو اور اتحاد کے مواقع کمزور ہوتے ہوں یا دوسرے فرقوں میں بے اعتمادی یا بدظنی کا احساس پیدا ہوتا ہو اگرچہ کانگریس نے ہندوستانی زبان کی تائید میں رزولیوشن پاس کرکے اور یوپی اور بہار میں سرکاری طور پر ہندی اور اردو رسم الخط کو تسلیم کرکے بہت کچھ اپنی رواداری کا ثبوت دینا چاہا تھا لیکن عملی طور پر یہ کوششیں کچھ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوئیں میں ذاتی طور پر بیادران وطن کی ان کوششوں کو جو انھوں نے ہندی کی ترویج میں کی ہیں کسی بدنیتی یا شرانگیزی پر محمول نہیں کرتا کیونکہ اردو جیسا کہ مسلمانوں کی زبان ہے خود ان کی زبان ہے اور زبان کے مسئلہ کو مذہب سے مخلوط کرنا غلطی ہے البتہ اس کو اس سیاسی تحریک کا نتیجہ خیال کرتا ہوں جس کے جوش میں بسا اوقات قومیں ہر اس چیز سے جس کو وہ باہر کی سمجھتی ہیں بیجا طور پر نفرت کرنے اور تعصب سے کام لینے لگتی ہیں چند دنوں کے بعد جب یہ جوش کم ہو جاتا ہے تو حالت اعتدال پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ہمارے سامنے ترکی اور ایران کی مثالیں موجود ہیں ترکی میں تو قانوناً ترکی زبان سے عربی کو نکالا گیا ایران کی جگہ خالص ترکی لفظ داخل کئے گئے لیکن جہاں تک سنا گیا ہے وہاں بھی اب یہ شدت نہیں رہی ہے ہندوؤں میں بھی ایسے متعدد اشخاص ہیں جو اس تحریک کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور قومی نقطہ نظر سے اس کو برا سمجھتے ہیں [illegible] ترقی کے خواہاں ہیں جن میں سر تیج بہادر سپرو کا نام خصوصیت سے لئے جانے کے قابل ہے جو فی الوقت انجمن ترقی اردو کے صدر ہیں اس نزاع کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اردو کے حامیوں کو اس کی ترقی کا خیال پیدا ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے لگے ہندی کی ترویج سے میری رائے میں ان صوبجات میں جہاں اردو بحیثیت مقامی زبان کے بولی نہیں جاتی اردو کی اشاعت کے لئے زمین صاف ہو گئی۔ کیونکہ اردو و ہندی کی گرامر اور افعال میں کوئی فرق نہیں ہے اختلاف صرف اسما کا ہے چونکہ اردو کے اسماء عام فہم اور مستعمل ہیں اس لئے آئندہ چل کر وہ خود بخود غیر مستعمل اور ثقیل الفاظ کی جگہ لے لیں گے اور اس طرح "عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" کا مصداق پورا ہوگا۔ بہرحال اتحاد اور آزادی و استقلال کا مسئلہ زبان پر مقدم ہے عوام کی توجہ کو زائل کرنے کے لئے اس کو خواہ مخواہ مذہبی مسئلہ بنانا اور اس مسئلہ کو قومی تفریق کی بنیاد قرار دینا ملک کے لئے اور خود زبان کی [illegible] مفید نہ ہوگا [illegible] آزادی کی [illegible] زبان کو بھی تقویت بہم پہنچے گی اور اگر ہم متحد ہوں گے تو باہمی سمجھوتہ سے زبان کی ترقی کی راہ سے بہت سے موانعات کو دور کر سکیں گے اس خصوص میں اگر بعض ہندو افراد نے کوئی غلط طرز عمل اختیار کیا تو ہم کو ان کی پیروی کرکے اپنے مقصد اعظم کو پس پشت ڈالنا یا اس کے قطع نظر کر لینا صحیح نہ ہوگا۔ جہالت اور تعصب کا جواب جہالت اور تعصب سے دینا اسلام کی شان سے بعید ہے۔

وار دھا اسکیم | یہ ایک تعلیمی اسکیم ہے جس کو مولوی ذاکر حسین صاحب شیخ جامعہ دہلی نے مرتب کیا ہے جن کی قومی اور ملی خدمات ہندوستان بھر میں مسلم ہیں باایں ہمہ اس اسکیم کا تعلق چونکہ کانگریسی حکومتوں سے تھا اس لئے اس سے مسلمانوں کو کافی بدظنی کرنے کی کوشش کی گئی اس اسکیم کی بنیاد دو اصول پر رکھی گئی تھی ایک یہ کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں میں جو نفاق و شقاق ہے اس کو حتی الامکان دور کیا جائے اس لئے مذہبی تعلیم کو اسکیم سے خارج رکھا گیا جیسا کہ آج کل کے مدارس کا طریقہ ہے لیکن عام اصول اخلاق جو تمام مذاہب میں مشترک ہیں جن پر انسانی کیرکٹر کی بنیاد قائم ہوتی ہے ان کو داخل نصاب کیا گیا اور ہر قوم کے مشاہیر کی سوانح حیات کو بھی درس میں رکھا گیا تاکہ یہاں کے فرقے ایک دوسرے کی عزت کرنا اور دوسروں کے مذہبی جذبات کا پاس و لحاظ رکھنا سیکھیں دوسرا اصول جس پر اسکیم مبنی تھی وہ صنعت و حرفت کی تعلیم کا لزوم تھا اسکیم پر فنی اور تعلیمی نقطہ نگاہ سے بہت کچھ تنقید کی گئی ہے اس وقت ہم کو اسکیم کے اس پہلو سے کوئی بحث نہیں ہے ابھی اسکیم کو عمل و تجربہ کے معیار پر ترمیم و اصلاح کے بہت سے مدارج طے کرنے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے درحقیقت یہ ایسی ہی قابل اعتراض چیز تھی جس کی بنیاد پر قومی تفرقہ کی عمارت کھڑی کی گئی کہا جاتا ہے کہ اس تعلیم سے مسلمانوں کے کلچر پر اثر پڑیگا اور مذہبی تعلیم کو چونکہ نصاب سے خارج کر دیا گیا ہے اس لئے وہ بقول ایک مضمون نگار کے "شدھی" ہو جائیں گے یا دہریہ یا مادہ پرست بن کر رہ جائیں گے یوں تو اعتراض کرنے اور دل میں بدگمانی کو راہ دیکر کسی چیز میں برائی نکالنے کے لئے بہت وسیع میدان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصول مذکور الصدر کو ملحوظ رکھکر اسکیم میں وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے ہماری تعلیم کے گذشتہ پنجاہ سالہ دور نے جس طرح تفریق و عناد کا بیج دو بڑی قوموں میں بویا اور سرپھٹول جاری رکھی یہ اس کا صحیح ردعمل تھا جس کی ضرورت پر آج تمام ماہرین تعلیم اور مدبرین زور دے رہے ہیں اسی طرح صنعت و حرفت کی تعلیم بھی ملک سے بیکاری اور بے روزگاری کو دور کرنے کا موثر علاج تھا جس کی جانب اس اسکیم میں توجہ کیگئی ہے اور آج ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے پلیٹ فارم سے موجودہ تعلیم کے اس نقص کو رفع کرنے کے لئے زور دیا جا رہا ہے عکس ہے کہ اسکیم کے نصاب میں کمی بیشی کی گنجائش ہو لیکن نصاب مقررہ کوئی قطعی چیز نہیں ہے ہر وقت اس میں تبدیلی و ترمیم ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے اس کے علاوہ یہ اسکیم مذہبی تعلیم کے لئے مانع و مانع نہیں ہے اگر مسلمان کو اس اسکیم کے تحت تعلیم دلانا منظور نہ ہو تو وہ اپنی تعلیم کا انتظام علیحدہ کر سکتے ہیں اس سے ان کو کسی نے نہیں روکا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہبی نقطہ نظر سے بھی یہ اسکیم ایسی قابل اعتراض نہیں ہے جیسی کہ سمجھی جاتی ہے دوسرے فرقوں اور بزرگوں کی تعظیم و حرمت اسلامی تعلیم کا شعار ہے کیا معترضین نے اعتراض کرتے وقت "اکرموا کریم کل قوم" کے ارشاد گرامی اور "لا نفرق بین احد من رسلہ" کے فرمان خداوندی کو بھلا دیا۔ اسلام نے تو یہاں تک رواداری سکھائی اور تاکید کی ہے کہ بتوں کو بھی برا

کہنے سے مسلمان احتراز کریں جب مذہبی اخلاقی اصول کو بالتعرض کسی فرقہ یا گروہ کے داخل نصاب کیا گیا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس اسکیم سے بے دینی اور الحاد پھیلے گا اور جو لڑکا یہاں سے تعلیم پاکر نکلے گا وہ مادہ پرست ہوگا رہا صنعت و حرفت سکھانے کا انتظام تو یہ عین اسلامی طریقہ تعلیم کے مطابق ہے جب تک علمائے سلف طالب العلم کو مکتسب و محترف نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک اس کو عالم مذہبی نہیں بناتے تھے تاکہ وہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر یا ان کے دست نگر رہ کر یا علم کو ذریعہ معاش بنا کر اپنے آپ کو اور اپنے علم کو ذلیل و خوار نہ کرے میری رائے میں صنعت و حرفت کی تعلیم کو ہمارے تمام دینی مدارس میں لازمی کر دینا چاہئے علمائے سلف میں سے کوئی ایسا نہیں گذرا ہے جس نے کسی نہ کسی پیشہ کو اختیار نہ کیا ہو حتیٰ کہ موچی گری کو بھی وہ عار نہیں سمجھتے تھے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ آج مسلمانوں کی ذہنیت ہی بدل گئی ہے آج وہ مذہب کی جس طرح تعبیر کر رہے ہیں اور مسلمانیت کو جس رنگ میں پیش کر رہے ہیں سلف صالح کے زمانہ میں یہ کیفیت نہ تھی۔

گر مسلمانی ہمیں ست کہ واعظ دارد وائے گر در پس امروز بود فردائے

اس اسکیم میں ۷ سال کی عمر سے تعلیم شروع ہوتی اور چودہ سال کی عمر میں ختم ہو جاتی ہے کہ سات سال تک کی عمر تک لڑکا مذہبی تعلیم سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا مسلمانوں میں عام طور پر ۴ برس کی عمر بسم اللہ یا آغاز تعلیم مذہبی کی سمجھی جاتی ہے اس عمر سے مذہبی ابتدائی تعلیم ایسی دی جا سکتی ہے جو لڑکے کے دل پر پتھر کی لکیر ہو جائے اسلامی اصول بالکل سیدھے سادے اور عام فہم ہیں ان کو سات سال کی عمر تک کا لڑکا اچھی طرح ذہن نشین کر سکتا ہے بشرطیکہ ہمارے گھروں میں مذہبی تعلیم کا چرچا ہو اور مساجد کی تنظیم با قاعدہ اور عمارہ اصول پر ہو۔ سات سال سے چودہ سال تک اگر وہ مدرسہ میں کوئی باقاعدہ مذہبی تعلیم نہ بھی پائے تو پنجوقتہ نماز کی پابندی اور نماز جمعہ کی ادائی اور مجالس وعظ کی شرکت اور گھر کے مذہبی ماحول سے اس کے عقائد بخوبی پختہ ہو سکتے ہیں ان تمام امور کی تنظیم اور ان سہولتوں کا مہیا کرنا اسلامی انجمنوں اور سوسائٹیوں اور علما اور مشائخین کا کام ہے زکوۃ اور اوقاف کی آمدنی اور قومی چندوں سے یہ اور اسی قبیل کے دوسرے اسلامی کاموں کے لئے سرمایہ بہم پہنچایا جا سکتا ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس اسکیم سے اسلام کو تو کوئی ضرر نہیں ہے البتہ غیر مسلم اقوام اسلام سے ضرور قریب ہو جائیں گے آج کل بعض ہندو فرقوں نے مسلمانوں کے خلاف جو دل آزار طرز عمل اختیار کر رکھا ہے اور ملک میں فتنہ و فساد اور تفرق و انتشار کے باعث ہو رہے ہیں اس کا ایک بڑی حد تک انسداد ہو جائے گا اور اس کا رواج ان کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

ودیا مندر اسکیم کے متعلق بھی بہت ایجی ٹیشن پھیلایا گیا جس کے بعض پہلو ضرور قابل اعتراض تھے لیکن شکر ہے کہ باہمی مصالحت سے اس کا تصفیہ ہو گیا اور یہ نزاع زیادہ بڑھنے نہ پائی۔

بندے ماترم | اس گیت کو بطور ایک قومی ترانے کے ہندو تقریباً دو قرنوں سے گا رہے ہیں اور ان کے مذہبی اور قومی مجالس کا آغاز اسی سے ہوتا ہے گذشتہ تین سال پہلے تک مسلمانوں کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ تھا ان کے بڑے بڑے لیڈر جب اس کو سنتے تھے تو تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے کانگریس اور مسلم لیگ کی مخالفت ترقی کر گئی اس گیت کے گائے جانے پر مسلمانوں کی جانب سے اعتراض ہونے لگا۔ مسلمانوں کو یہ معلوم کرایا گیا کہ یہ گیت ایک بنگالی ناول سے ماخوذ ہے جس کا پلاٹ ہندو مسلمانوں کی جنگ جدال پر رکھا گیا ہے جس میں ہندو اس گیت کو گا کر مسلمانوں کو ملک سے باہر کرنے کا تہیہ کرتے ہیں اس میں کالی دیوی سے مدد مانگی جاتی ہے اور اس طرح ایک فریضہ کی طرح مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو ابھارا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پس منظر کو معلوم کرنے کے بعد کون مسلمان ہے جس کے جذبات قومی مشتعل نہ ہوں اور اس کی رگ حمیت جوش میں نہ آئے مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ جس شخص نے یہ ناول لکھا وہ ملک کا خیر خواہ نہیں سمجھا جا سکتا گو مسلمان ملک میں باہر سے آئے لیکن یہاں وہ ہندوستان کی دوسری آریائی قوموں کی طرح بس گئے اور انھوں نے اس کو اپنا وطن بنا لیا اور مسلمانوں کی حکومت نے اس ملک کی تہذیب اور مدنیت کو ترقی دینے میں شاندار خدمات انجام دی ہیں پس مسلمانوں کو باہر کی قوم نہیں کہا جا سکتا اور جو شخص یہاں کی قوموں کو لڑانے اور ان میں جذبات نفرت و عداوت پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اس طرح ملک کے امن و امان کو خطرہ میں ڈالے وہ ملک کا بہی خواہ نہیں ہو سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ اب جو گیت گایا جاتا ہے تو کیا اس کا صحیح مخاطب مسلمان ہو سکتے ہیں کیا اب مسلمان اس ملک کے حکمران ہیں جن کے نکالنے کی جانب اس گیت میں اشارہ کیا گیا ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں نہ گانے والوں کے ذہن میں اس گیت کے یہ معنی تھے اور نہ سننے والوں کا دماغ اس پس منظر کی طرف منتقل ہوتا تھا ورنہ مسلمانوں کے مسلمہ لیڈر کبھی اس کو گوارا نہ کرتے اور نہ انصاف پسند ہندو اس کو جائز رکھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب دو قوموں کے اختلافات ذاتی عناد اور مخالفت کی حد کو پہنچ جاتے ہیں تو ہر ایسی چیز باعث اشتعال و برافروختگی ہو جاتی ہے جو معمولی طور پر اہمیت نہیں رکھتی لیکن اس مخالفت کو دور کرنے کی کانگریس نے ایک بڑی حد تک مستحسن کوشش کی ہے کسی زمانہ میں برٹش گورنمنٹ کے عہدہ داروں کو بھی اس گیت سے بڑی چڑ اور ضد تھی اور قانوناً اس کا گانا ممنوع تھا اس کی خاطر ہندوؤں نے اتنی قربانیاں دیں اور قید و بند کی سزائیں بھگتیں کہ اس کو ان کی قومی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اس کا بالکلیہ

ترک کرنا بھی ناممکن تھا اس لئے کانگریس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس گیت میں جہاں کالی دیوی کا ذکر ہے اس کا گانا ممنوع قرار دیا جائے اور کسی مجلس یا محفل میں جہاں مسلمانوں کو اس کے گائے جانے پر اعتراض ہو اس کو ترک کردیا جائے حال ہی میں بہار گورنمنٹ سے اس کے متعلق تفصیلی ہدایتیں اسکول اور مدارس کے نام جاری کی گئی ہیں غالباً اسی قسم کی ہدایتیں دیگر صوبجات سے بھی جاری ہوچکی ہیں۔

مسجد کے آگے باجہ اور گائے کی قربانی | اوپر جن نزاعات کا ذکر کیا گیا وہ تعلیم یافتہ اشخاص کے ذہن کی پیداوار تھی لیکن مسجد کے آگے باجہ اور گائے کی قربانی عوام الناس اور جہلا کا دلچسپ مشغلہ ہے اور اپنی قدامت کے لحاظ سے ہندوستان کی روایتی نزاع ہوگئی ہے اگر ہندوستان کے باہر متمدن اور ترقی یافتہ قوموں کے سامنے ان نزاعات کو پیش کیا جائے تو ایک مضحکہ خیز چیز ہوگی اب تک اس قدر لکھا جاچکا ہے کہ مزید کچھ لکھنا بے ضرورت معلوم ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان ہی امور پر ہندوستان میں سب سے زیادہ سرپھٹول اور خون خرابے آئے دن ہوتے رہتے ہیں میری رائے میں آئندہ جو کانسٹی ٹیوشن وضع ہو اس میں ان نزاعات کا قطعی طور پر خاتمہ ہوجانا چاہیئے یہ دراصل ہندوستان کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ ہے۔

ملازمتیں | ملازمتوں کا مسئلہ درحقیقت اقتدار کا سوال ہے اس سے اقلیتوں کا معاشی مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہوسکتا لیکن عرصہ ہوا کہ بطور اصول موضوعہ کے تناسب آبادی کے لحاظ سے اقلیتوں کو ملازمتوں میں حصہ دینے کا اصول تسلیم کرلیا گیا ہے جس کی وجہ سے موجودہ نزاعات میں اس کو زیادہ اہمیت نہیں رہی۔

جداگانہ انتخاب | جداگانہ انتخاب کا طریقہ ان دونوں قوموں میں تفریق پیدا کرنے کا سب سے بڑا حقیقی اور مستقل باعث ہے یہ ظاہر ہے کہ کوئی جمہوریت بغیر باہمی یکجہتی اور کامل اتحاد کے سرسبز نہیں ہوسکتی اگر ہندوستان صحیح معنوں میں جمہوریت قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے طریقوں کو خیرباد کہنا پڑے گا جو باہم بداعتمادی اور تفریق پیدا کرتے ہیں گذشتہ طویل تجربہ بتاتا ہے کہ اس طریقہ انتخاب نے مسلمانوں کو من حیث القوم کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچایا البتہ فرقہ واریت اور ہندو مسلم تفریق وعناد کو خاصی ترقی دی اس بارے میں بجائے اس کے کہ ہم کچھ لکھیں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی طفیل احمد صاحب علیگ کی کتاب "روشن مستقبل" سے چند اقتباسات درج کریں جن کو صوبہ متحدہ کی کونسل کے ممبر رہنے اور سیاسیات میں عملی حصہ لینے کی وجہ سے اس مسئلہ پر کافی غور کرنے کا موقع ملا ہے اور انھوں نے اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر جو بےلاگ رائے اس کے متعلق ظاہر کی ہے وہ اس قابل ہے کہ تمام مسلمان اس کو غور سے پڑھیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"اس اختلاف کا بیج سب سے زیادہ جداگانہ انتخاب سے بویا گیا جو مسلمانوں کے اس وفد کی درخواست پر انہیں ملا اور اس کی مخالفت ہندو مہاسبھا نے کی اس کی مخالفت سے بدیہی طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ ہندوؤں کو اس بات کا قلق تھا کہ ممبریوں کی تعداد میں کمی آجائے گی کیونکہ مخلوط انتخاب کے زمانہ میں بہت کم مسلمان ممبری میں کامیاب ہوا کرتے تھے مگر خود مسلمان کے لئے جداگانہ انتخاب کا مضر پہلو یہ تھا کہ ملک میں [illegible] ہوگئیں ایک طرف [illegible] ہندوستان کی تمام دوسری [illegible] سیاسی پارٹی [illegible] ہوکر ایک علیحدہ قوم بنگئی اور ان میں اتحاد خیال و یگانگت ہوگئی حتی کہ عام ہندوؤں [illegible] کے درمیان رنجش اور عداوت جو صدیوں سے چلی آرہی تھی اب دور ہوگئی اور ہندو امیدواران ممبری کو اب مسلمان ووٹروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہی نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب مل کر کم تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے کاش اس وقت مسلمانوں کی تعلیم یافتہ ہستیوں کے سامنے مخلوط انتخاب جاری ہونا [illegible] ہندو امیدواران ممبری پر باقی رہتا اور جو تعصب اور منافرت کی آگ [illegible] تمام ملک میں پھیل گئی وہ نہ پھیلتی"(۱)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے :-

"اس کی تصدیق انگلستان کے ایک مشہور قابل شخص مسٹر لائنل کرٹس کی حسب ذیل تحریر سے ہوتی ہے۔ صاحب موصوف انگلستان کے مشہور سیاست داں ہیں اور ہندوستان [illegible] فرمایا "چند سال ہوئے جبکہ طریقہ انتخاب جاری کیا گیا اس وقت جداگانہ انتخاب کا دیا جانا انگریزی گورنمنٹ کی سب سے بڑی غلطی تھی جو اس سے ہندوستان میں سرزد ہوئی میں یقین کرتا ہوں کہ اگر جداگانہ انتخاب کا اصول مستقل طور پر قایم ہوگیا تو ہم ہندوستان میں ذات پات کا ایک نیا طریقہ جاری کرنے کے موجب ہونگے اور یہ وہ طریقہ ہوگا جو ہندوستان کی زندگی کو سال بہ سال گھن کی طرح کھاتا رہے گا جب تک یہ طریقہ جاری رہے گا ہندوستان کبھی قومیت کے لحاظ سے متحد نہ ہوسکیگا اور جتنے عرصہ تک وہ قایم رہے گا اتنی ہی مشکل اس کے استیصال کرنے میں پیش آئے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر کار اندرونی خانہ جنگی اس کا خاتمہ کرے گی" چنانچہ مسٹر کرٹس موصوف کی پیشین گوئی [illegible]

(۱) روشن مستقبل صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۶

مطابق ہر شخص کے دل میں ایک قسم کا گھن لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے تمام عیش مکدر رہیں گھن یہ ہے کہ نہ معلوم کس بات پر شہر میں کس وقت بلوہ ہو جائے اور فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور اس وقت نہ امیر محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ غریب " (۲)

ایک دوسری جگہ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں :۔

اس سے (یعنی جداگانہ انتخاب سے) بظاہر مسلمانوں کو بغیر زیادہ تکلیف اٹھائے ضرور مل جاتی ہیں مگر نقصان یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان دیوار قہقہہ قائم ہو گئی ہے جو اہل ہند کو کسی طرح متحد نہیں ہونے دیتی۔ . . . . " (۳)

ایک مشہور قانون داں سری نواس آئینگار نے بھی اپنے ایک حالیہ لکچر میں تقریب قریب ان ہی خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں :۔

بہر کیف انتخابی طریقہ جس میں حلقہائے انتخاب کے ساتھ مفادات کی جداگانہ نمائندگی لگی ہو ایک بُری تجویز ہے نظریہ کے لحاظ سے ناقابل توجہ ہے اور عمل کے لحاظ سے غیر مفید ہندوستان میں اس تجویز کو اقلیتوں کی جداگانہ نیابت کی خاطر یا اقتصادی مفادات کے لئے خواہ وہ قلیل جماعتوں کے ہوں یا اکثریت کے صوبجات کی آبادیوں میں اختیار کیا گیا ہے اس کی وجہ سے مختلف فرقوں میں باہم امتیاز اور عدم مساوات کی حالت پیدا ہو گئی ہے اور وہ کسی طرح صحیح جمہوری اصول کے مطابق نہیں وہ انصاف سے دور ڈال دیتا اور ایک روشن خیال ریاست کی پاکیزگی کو مکدر کر دیتا ہے۔ ذاتی اغراض اس نقاب کو اوڑھ کر سامنے آجاتے اور سیاسی مجموعہ کے توازن میں خلل انداز ہوتے ہیں اور جماعتی جنگ وجدال شدت اختیار کر لیتی ہے۔

ایک مشترکہ انتخاب جو متناسب نیابت کی بنیاد پر قائم ہو بظاہر واحد سہی طریقہ عمل ہے فرقہ واری نیابت اس خیال پر مبنی ہے کہ ایک فرقہ کے افراد دوسرے فرقہ کی نیابت نہیں کر سکتے یہ ایک ایسا خیال ہے جو حکومت کی مقبولیت کو ختم کرنیوالا ہے۔ بجائے اس کے کہ فرقے ریاست کے کاروبار چلانے میں اپنی فرقہ واری خصوصیت کو ترک کر دیں ناراضی کی فضا پیدا کر کے اور بے اعتمادی کے مواقع کو ابھار کر آپس کے لڑائی جھگڑوں میں مصروف ہو جاتے ہیں فرقہ واری انتخابات لوگوں کی توجہ مشترکہ کاروبار اور نقاط اختلاف کے مباحثہ سے ہٹا کر سیاسی اور پارلیمنٹری تصادم کے

(۲) روشن مستقبل صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۱　(۳) روشن مستقبل صفحہ ۲۲۲

غیر مختتم سلسلہ کو پیدا کردیتے ہیں اقلیت کے اغراض کیلئے راست اور خاص نیابت کا طریقہ اختیار کرنا خود اس کے مقصد کو فوت کردیتا ہے رائے کا اختلاف خود اس کے اندر اپنا کام کرنے لگتا ہے ایک عام انتخاب ہی بہرکیف تمام فرقوں کو اتحاد عمل پر مجبور کرسکتا ہے اور ایسے اشخاص کو جو فرقہ وارانہ اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اپنے اغراض پورا کرنے سے باز رکھتا ہے اکثریت کی جانب سے جو امیدوار کھڑا ہوگا وہ اپنے فرقے کے مدمقابل کو شکست دینے کے لئے اقلیت کے ووٹوں کا محتاج ہوگا اور زیادہ ہمدرد انسانیت طرز عمل ...... اختیار کرے گا .... فرقہ دارانہ نیابت کا اگرچہ آج کل دَور دَورہ ہے لیکن عام طور پر امید کیجاتی ہے کہ یہ اختلاف جو صرف عبوری دور کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں جلد ختم ہوجائیں گے اور جمہوریت کے طریقے آئندہ ان کو بالکل ملیا میٹ کردیں گے ؎

خاتمہ کلام | جن اختلافات کو مذکورہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے وہ ایسے نہیں ہیں جو ان دونوں قوموں کے دائمی افتراق اور علٰحدگی کا موجب ہوں ان میں بعض ..... ایسے ہیں جن کا تصفیہ تقریباً ہوچکا بعض ایسے ہیں جو زیر بحث ہیں اور زمانہ قریب میں ان کے تصفیہ کی امید کیجا سکتی ہے اور بعض ایسے ہیں جو بے ضرورت خود اپنے ہاتھوں پیدا کئے گئے ہیں جن کو اتحاد ہی کے ذریعہ بآسانی رفع کیا جاسکتا ہے ان میں سے کسی کی بنیاد مذہب پر نہیں قائم کیجا سکتی ان کی نوعیت ایسی ہی ہے جیسے ایک گھر کے چند افراد کے درمیان کسی شکایت کی ہوسکتی ہے جو آپس کے سمجھوتہ اور گفت و شنید ہی سے بہ آسانی رفع ہوسکتی ہے۔

ان دونوں قوموں کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ ان کے اتحاد سیاسی کا بیّن ثبوت ہے مسلمانوں کی ریاست میں ہندو اور ہندوؤں کی ریاست میں مسلمان امن وچین کی زندگی بسر کرتے رہے اور باہمی رواداری اعتماد کا ثبوت دیتے رہے اگر ان تاریخی شواہد اور نظائر کو پیش کیا جائے تو اس کیلئے ایک علٰحدہ مستقل کتاب کی ضرورت ہوگی۔

حال میں سر سرندر ناتھ سرکار نے میسور یونیورسٹی کے طلباء کو جلسہ تقسیم اسناد میں خطاب کرتے ہوئے کس قدر سچی اور واقعی بات کہی کہ ؎

یہ قسمت کی ستم ظریفی ہے کہ ایک ایسے ملک میں جو رواداری کے جذبہ کیلئے صدیوں سے مشہور تھا عدم رواداری کا دور دورہ ہے ہندوستان میں بیشمار فرقے اور عقیدے پیدا ہوئے اور ان کے

درمیان اکثر کشا چھنی رہی مگران کے پیرو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اچھے شہری اور نیک ہمسایہ کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ آج کل اگرچہ عدم رواداری کا اظہار اکثر مذہبی بنیاد پر کیا جاتا ہے لیکن در اصل نئے قانون کے تحت عہدے اور مراعات حاصل کرنے کے لئے یہ ساری بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہے "

ایک ملک کی دو قوموں کا معاشی اور سیاسی اتحاد و تعاون نہ صرف ملک کی ترقی اور بہبودی کیلئے ضروری ہے بلکہ وہ فطری بھی ہے چنانچہ ہم دیہات بلکہ شہروں تک میں دیکھتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات کاروبار میں قائم ہیں یہ اور بات ہے کہ غلط پروپگنڈے اور جذبات نفرت و عناد کو ابھار کر ان تعلقات میں عارضی کشیدگی پیدا کر دیگئی ہو جو ایک غیر فطری عمل ہے۔ گاؤں کا مسلمان گاؤں کے ساہوکار سے لین دین کرنے گاؤں کے حجام، دھوبی اور چمار سے جو عموماً غیر مسلم ہوتے ہیں کام لینے اور ان کے بلوتہ (حق خدمت) دینے پر مجبور رہے۔ یہی حال تقریباً شہروں کا ہے۔ کھیتوں اور گرنیوں اور کارخانوں میں ہندو مسلمان دوش بدوش کام کرتے ہیں بازاروں میں ایک دوسرے سے خرید و فروخت کرتے ہیں ایک دوسرے کے پاس ملازم اور خدمت گزار ہیں۔ ہندو جاگیردار کے پاس مسلمان رعایا اور مسلمان جاگیردار کے پاس ہندو رعایا کا حاکمانہ و محکومانہ تعلق قائم ہے۔ ہندو وکلا سے مسلمان موکل اور مسلمان وکلا سے ہندو موکل کام لیتے ہیں عدالت کا حاکم کبھی مسلمان ہوتا ہے اور کبھی ہندو۔ اور دونوں گروہوں کے اہل مقدمات کو اپنے نزاعات کا تصفیہ کرانے کے لئے اس کے پاس رجوع ہونا پڑتا ہے کیا ایک جگہ رہ کر ان تعلقات کو برخواست کر دینا اور توڑ دینا ممکن ہے اگر ممکن نہیں تو پھر منہ سے تفریق و عناد کا وعظ کرتے پھرنا اور عملاً تعلقات رکھنا یا عملاً تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور منہ سے اتحاد اتحاد پکارتے رہنا۔ منافقی نہیں تو اور کیا ہے۔ پس جو شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ان تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کرے وہ نہ صرف اپنی قوم کا بلکہ اپنے ملک اور اپنی حکومت کا دشمن اور بدخواہ ہے وہ ہیئت اجتماعی مدنیہ کو خراب کرنے کے درپے ہے جس کو مذہباً قتل سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔

اس موقع پر میں ہز ایکسلنسی وائسرائے بہادر کے ایک حالیہ بیان سے جو ۷ رنومبر ۱۹۳۹ء کو اخبارات میں شائع ہوا ہے ایک فقرہ نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس میں وہ فرماتے ہیں :-

ہندوستان کیلئے اتحاد کی ضرورت شاید ہمیشہ کی بہ نسبت اب کہیں زیادہ اہم ہے اتحاد کے

معنی یہی ہیں کہ ہندوستانی خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی پارٹی سے وابستہ ہوں
خواہ وہ برطانیہ ہند میں رہتے ہوں یا ہندوستانی ریاستوں میں ایک عام اسکیم کے تحت
باہم مل کر کام کریں۔ یہ تجویز اس قابل ہے کہ اس کو بروئے کار لانے کے لئے ہر طرح کی کوشش
ہو۔ اگرچہ ابتک مجھے اس میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ لیکن میں پھر کوشش کروں گا۔۔۔۔۔
ہر چند کہ مسائل پیچیدہ ہیں میں ان کے ناقابل حل ہونے کو تسلیم نہیں کرسکتا بلکہ اس
امر کے یقین رکھنے کو ترجیح دیتا ہوں کہ مثل اور انسانی مباحثہ کے صبر و تحمل اور نیک دلی سے
گفتگو کرکے ہم ان کو قابو میں لاسکیں گے ۔"

آخر میں اپنے ہموطن بھائیوں کی خدمت میں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان عرض کروں گا کہ وہ اس
مسئلہ کو شخصی یا کسی خاص واقعہ کی روشنی میں نہیں بلکہ عمومی حیثیت سے دیکھیں اور ایک دردمند دل سے
جو آواز ملک کے اضطراب اور بے چینی اور نفاق و عناد کو دیکھکر نکلی ہے اس پر کان دھریں۔ وہ الفاظ
کی ناموزونی یا عبارت کی بے ربطی کا خیال نہ فرمائیں بلکہ معنی اور حقیقت پر نظر رکھیں یہ نہ دیکھیں کہ کون
کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھیں کہ کیا کہہ رہا ہے اور اگر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مسئلہ کی صحیح تشریح ہے تو اصلاح
حال کی جانب متوجہ ہوں اگر ہر شخص اپنے اپنے حلقہ اثر میں انفرادی طور پر ان دو بڑی قوتوں میں اتحاد
پیدا کرانے کا عزم کرلے اور اپنی روزمرہ زندگی میں اس نصب العین پر عمل شروع کردے تو وہ ملک کی اول
وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرے گا کیونکہ عمل خواہ وہ کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو دریا کی موج کی طرح اپنا
دوررس اثر ڈالتا ہے اور جب بہت سی چھوٹی چھوٹی فوجیں جمع ہو جاتی ہیں تو طوفان برپا کر دیتی ہیں۔
مضمون کے خاتمہ پر میں اپنے مسلمان بھائیوں کو قرآن پاک کی ان آیات کی جانب خاص طور پر
توجہ دلاتا ہوں ۔ ۔

یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین — اے ایمان والو سب کے سب صلح کے راستہ کو اختیار کرو اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (بقرہ ۲۰۸)

(۲) ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا و تتقوا و تصلحوا بین الناس — اور اپنی قسموں سے تم اللہ کے نام کو اس بات کے لئے آڑ نہ بناؤ کہ تم نیکی کروگے اور پرہیزگار نہ ہوگے اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کراؤ گے۔ (بقرہ آیت ۲۲۴)

(۳) وقولوا للناس حسناً ۔ (بقرہ ۱۰) لوگوں کو اچھی بات کہو

(۴) و الصلح خیر (۴) صلح اچھی چیز ہے۔

(۵) من امر بصدقۃ او اصلاح بین الناس ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نوتیہ اجرا عظیما ۔ (الفرقان ایت ۱۰) (۵) جو شخص صدقہ دینے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے کہے اور اس میں اللہ کی خوشنودی کا خواہاں ہو تو اللہ اس کو اجر عظیم عطا کرے گا۔

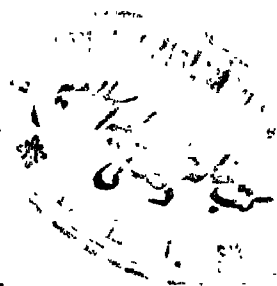
(۶ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما (الفرقان ایت ۷) (۶) اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ (فروتنی) سے چلتے ہیں (لڑائی جھگڑا نہیں کرتے) اور جب جاہل اشخاص ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ ان کو دور ہی سے سلام کرکے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

(۷) ادفع بالتی هی احسن السیئۃ (المومنون) برائی کو اچھے طرز سے دور کرو۔

(۸) لا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوۃ کانه ولی حمیم۔ وما یلقها الا الذین صبروا وما یلقها الا ذو حظ عظیم (السجدہ) بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہو سکتے برائی کا دفعیہ ایسے طریقہ سے کرو جو پسندیدہ ہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا وہ شخص جس کے ساتھ تم کو دشمنی ہے وہ تمہارا گہرا دوست بن جائیگا اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جنہوں نے صبر اختیار کیا اور ان لوگوں کو جو بڑی قسمت والے ہیں۔ (۹) وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدہ) مدد کرو ایک دوسرے کی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں اور گناہ اور جبر و زیادتی میں ایک دوسرے کو مدد نہ دو۔

(۱۰) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (سورہ نحل) اللہ عدل اور احسان اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کا حکم دیتا ہے اور فحش اور برائی اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔ وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اس کو یاد رکھو۔

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔



ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ترجمان

مجلۂ نظامیہ

مرتبۂ

ابوالخیر کنج نشین (نظامیہ)

معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

۱۳۵۹ھ

تذکار خود مختاری دولت آصفیہ

سنہ ۲۱۷ آصفی

حضرت [illegible]

سلام مسنون

[illegible] جامعہ [illegible] ہے۔ علم دین [illegible] کی
ترقی [illegible] میں نظامیہ اور جامعہ باہم [illegible]
صورت ہے جامعہ کا [illegible] نظامیہ کے لیے ضرور [illegible]
[illegible]
[illegible] نہیں ہوتی ہے۔

خادم

[illegible]

۵ [illegible]

۳/

شاہا اساس ملک بتو استوار باد　　عمر تو ہمچو دور فلک بیشمار باد
شاہا مدام کار جہانت بکام باد　　گردوں ترا مطابع و اجسام رام باد

فہرس

جلد عدد (۱۰ - ۱۱)　　شہریور و مہر ۱۳۴۹ ف

خود مختار دولت کا آزاد تعلیمی ادارہ

ایک خود مختار دولت کے خصوصیات میں آزاد قومی تعلیمی اداروں کا وجود بھی ہے جو باعتبار تعلیم و تربیت سرکاری جکڑ بندیوں سے آزاد رہ کر افراد ملک میں صحیح تعلیم اور ملک و مذہب کی صحیح خدمتگزاری کا ذوق پیدا کرلے۔

الحمد اللہ جامعہ نظامیہ آج (۶۵) سال سے ملک میں دینی اور اسلامی تعلیم کو پھیلانے کی فکروں میں مصروف عمل ہے اور اس مدت میں جامعہ نے جو ترقی علوم و فنون میں حاصل کی۔ وہ اہل نظر پوشیدہ نہیں۔ اس جامعہ کا سب سے اہم نصب العین یہ ہے کہ اہل السنت والجماعت جن کی آبادی اس کرہ زمین میں پھیلی ہوئی ہے اور تمام عالم اسلامی کا سرکاری مذہب فقہ حنفی رہا ہے اس کے طریقہ پر علوم عربیہ دینیہ کی اعلیٰ تعلیم دینا اور علماء باعمل کی ایسی جماعت تیار کرنا جو علم دین اور اسلامی ضروریات کی سرانجامی و رہبری کرسکے۔

آزاد ممالک کی تاریخ میں اس قسم کے بیسیوں مدارس کا وجود ملیگا جو ہر وقت استحکام سلطنت کیلئے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں نواب بہادر یار جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے اسی امر کیطرف اشارہ فرمایا ہے کہ "جامعہ نظامیہ کے وجود سے سلطنت آصفیہ کی تعاون و استحکام کی توقع ہے۔ یقین ہے کہ نواب صاحب کی یہ توقع ایک نہ ایک روز پوری ہو کر رہیگی بالعموم مذہبی مدارس اور جامعات ملک کے استقلال اور ترقی میں ہر طرح معاون اور مفید ثابت ہوئی ہیں علاوہ ازیں از جملہ جہاں آمیں باہم متر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خود مختاری دولت اسلامیہ آصفیہ

اساس سلطنت چوں او بنا کرد — چہ حق عدل آصفجاہ ادا کرد

بہ گلزار دکن عثماں نگہ کن — کہ غنچہ را گل خنداں صبا کرد

خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم دولت آصفیہ کے خود مختاری کی دو سو سترھویں سال گرہ اعلان استقلال منا رہے ہیں اس موقع پر ہم تمام حیدرآبادیوں کی کوششیں قابل اطمینان ہی ہیں کہ ان کے تعاون عمل سے ہمارا ملک آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہوا ہے۔

آج جبکہ دنیا میں ملک گیری کی ہوس میں انسانی خون بہایا جارہا ہے خود مختار اور جزءً آزاد سلطنتوں کی خود مختاری سلب کیجارہی ہے ایسے پُرآشوب زمانہ میں ہندوستان جیسے براعظم میں حیدرآباد کی آزادی کا قایم رہنا ہم سب کیلئے فضل یزدانی کے سبب سے ہے۔

جلالت مآب حضرت آصف سابع کے احسانات سے ملک میں احساس خودداری اور شعور خود مختاری کے جذبات روز افزوں وسعت پذیر ہوتے جارہے ہیں تو ایسی صورت میں اہل ملک کا فرض ہے کہ امر عظیم بابرکت واقعہ آزادی کی یاد کو دواماً تازہ رکھیں اور حیات ملی کے اظہار کے لئے متحدہ عملی کوششوں کا آغاز کریں جس سے ہمارے ملک کے ہر شعبے حیات کو کمال حاصل ہو۔

مجلۂ نظامیہ اس عید استقلال کی تقریب میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ حضرت آصفجاہ سابع کے ظل عاطفت میں ہمیں ہر سال یہ عید منانی نصیب ہو اور ہمیں توقع ہے کہ ہم سب حیدرآبادی آپس میں اتحاد و اتفاق سے مقصد زندگی کے حصول میں کامیاب و بامراد رہیں گے۔

خادم العلم

ابو الخیر کنج نشیں

جریدۂ غیر معمولی
دو صد سالہ جشن خود مختاری سلطنت آصفیہ میں تقریر شاہی

حضار دربار کو غالباً معلوم ہوگا کہ ہمارے آج یہاں جمع ہونے کی غرض یہ ہے کہ ہم ایک ایسے عظیم الشان اور دلچسپ تاریخی واقعہ کی دوسری صدی کی یادگار منائیں جو میرے خاندان نیز اس ملک کے متعلق ہے جس پر سلاطین آصفیہ نے دوسو سال تک حکمرانی کی ہے۔ نواب نظام الملک اول کو اللہ تعالیٰ نے عجیب اوصاف ودیعت کئے تھے یعنی ان میں ذاتی شجاعت اور اعلیٰ تدبر کے جو ہر موجود تھے اس کے سوا انھوں نے فن سپہ سالاری میں درجہ کمال حاصل کیا تھا۔ انہیں اوصاف کی وجہ سے ان کی پُر رعب شخصیت اٹھارویں صدی عیسوی میں نمایاں تھی۔ اس زمانہ میں مغلیہ سلطنت دہلی سرعت کے ساتھ رُو بہ زوال تھی لیکن یہ سمجھا جاتا تھا کہ اگر کوئی قوت اس کے زوال کو روکنے اور سلطنت میں از سر نو استحکام پیدا کرنے کی قدرت رکھتی ہے تو وہ نظام الملک اول کی قوت ہے، ہندوستان اور دکن میں دور دراز کے صوبہ جات نے ان کے زور شمشیر کو مان لیا تھا اور وہاں ان کی شجاعت اور سخاوت کی شہرت پھیل گئی تھی جہاں کہیں وہ گئے وہاں فساد و بغاوت کی کالی گھٹائیں منتشر ہوگئیں اور سلطنت کا کوئی ایسا حصہ نہیں تھا جس نے ان کی اطاعت اور فرماں برداری میں سر تسلیم خم نہ کیا ہو۔ مگر باوجود ان باتوں کے ان کا دل دکن نے لبھالیا تھا۔ کیونکہ وہ اس ملک سے اپنے پیارے بچے کیطرح محبت کرتے تھے، ان کی حکومت بہمہ وجوہ مطلق العنان اور خود مختارانہ تھی، تاہم اونھوں نے کل ذاتی اغراض کو بالائے طاق رکھکر اس وقت تک تخت دہلی سے قطع تعلق نہیں کیا۔ جب تک کہ شہنشاہ اکبر کے عہد اور اُن کے خاندان کی اصلی شان و شوکت کے از سر نو قایم ہونے کی موہوم سی امید باقی تھی اس مقصد کی

تکمیل میں ایسے منہمک ہوئے کہ انھوں نے بڑے ایثار نفس سے کام لیکر دکن کو ایک عرصہ کے لئے خیر باد کہا اور دہلی کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں کے مہام سلطنت کو اپنے قوی ہاتھوں میں لیں۔ وہ شرافت اور شجاعت کی روح رواں تھے لیکن وفاداری کے ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی ہوتے ہیں ان کو جلد معلوم ہوگیا کہ سلطنت کا مرکز عمل کمزور ہوگیا ہے اور بابر و تیمور کی نسل کی حالت اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ ان میں وفاداری کی قدر کرنے کا مادہ زائل ہوگیا ہے اور وہ اپنی وقعت کھو بیٹھے ہیں۔ شاہی دربار میں اپنی حالت کو مایوس کن پاکر انھوں نے پھر جنوب کا رخ کیا اور دکن کو جس سے انہیں پہلے ہی انس تھا واپس آئے ان کی خود مختاری میں کسی کو کلام نہیں تھا مگر جب تک استحکام سلطنت کی امید تھی وہ اپنے تعلق کو منقطع کرنا نہیں چاہتے تھے اس دفعہ جب وہ دکن کو واپس آئے تو ان کو خیال ہوا کہ خاندان مغلیہ معدوم ہوگیا ہے اور شاہی شجر جس کی ڈالیاں ہندوستان پر ابتک سایہ افگن تھیں وہ جڑ تک پژمردہ اور خشک ہوگیا ہے۔ تاریخ ہم کو تبلاتی ہے کہ ان کا یہ اندازہ کس قدر صحیح تھا۔ تخت دہلی پر یکے بعد دیگرے بادشاہ تخت نشین ہوتے گئے اور غیر وفادار فریقوں کی باہمی سازشوں نے ان کو اپنی خواہش پر معزول بھی کردیا۔ ذاتی وقعت اور خودداری اس امر کو روا نہیں رکھ سکتی تھی کہ ایک ایسے تخت و تاج کے ساتھ تعلق قایم رکھے جو قعر مذلت میں گر چکا تھا اور آصفجاہ اول کے لئے مقتضائے شرافت یہی تھا کہ وہ اپنے خاندان اور ملک کے مفاد کی غرض سے جس پر حکمرانی کر رہے تھے خود مختاری کا اعلان کردیں انھوں نے اس کام کو خلوص نیت کے ساتھ کیا کوئی اتحاد یکطرفہ ہو نہیں سکتا اور استحکام صرف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ باہمی فرائض اور ذمہ داریوں کا طرفین سے اعتراف کیا جائے تاریخی واقعات نے ان کو اس منصب پر پہنچایا تھا لیکن مشیت ایزدی نے اس کی تکمیل کردی۔ دکن کی خود مختاری کے اعلان کے ساتھ گورنمنٹ بھی مستحکم بن گئی جس میں دہلی کی سی سازشوں کا شائبہ نہیں تھا اور نظام الملک کی رعایا کے لئے دوامی طور پر فلاح و بہبودی کی صورت پیدا ہوگئی اس وقت سے اب تک دو صدیاں گذر چکیں اور دکن کی بادشاہت پر میرے خاندان کا اقتدار قایم ہوتے ہوئے اب

تیسری صدی آغاز ہو رہی ہے یہ بات میرے لئے کچھ کم باعث فخر و مباہات نہیں ہے کہ سلاطین آصفجاہی نے صرف اس خیال سے حکمرانی کی ہے کہ اس ملک کی رعایا کو خوشحالی اور قناعت حاصل ہو۔ آصفجاہ اول کے اعلان خود مختاری سے وفاداری کی زنجیر میں اور کڑیوں کا اضافہ ہوگیا ہے جنھوں نے حاکم اور محکوم دونوں کو یکساں حب الوطنی میں جکڑ دیا ہے مجھے معلوم ہے کہ میری عزیز رعایا کو اس اعلان کے متعلق ایسا ہی فخر و ناز ہے جیسا کہ مجھے ہے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد ہم سب کو عزیز ہے کیونکہ وہ حب الوطنی کی علامت اور نشانی ہے۔

ممالک محروسہ کی سرسبزی اور تہذیب کو درجہ کمال پر پہنچانے کے لئے ہم سب کا ایک ہی نصب العین ہے اگر ہم اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوں تو ہم کو نظام الملک اول کا ممنون ہونا چاہیئے جنھوں نے اپنی اعلیٰ فراست سے اپنے خاندان اور رعایا کو بیرونی مداخلتوں سے محفوظ و مامون کرکے خود مختار بنایا۔

اس عظیم الشان واقعہ کی یاد اس قابل ہے کہ اس کو دائماً تازہ رکھیں اور قومی زندگی کے اظہار کیلئے مزید کوششیں عمل میں لائیں چونکہ مملکت سرکار عالی بیرونی دراز دستیوں سے محفوظ ہے اس کو زرین موقع حاصل ہے کہ رعایا کو خوشحال اور مطمئن بنائے۔

مجھے اپنی عزیز رعایا پر کامل اعتماد ہے اور یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ ان کی عقیدت فرمانروا کے تخت اور اس کی ذات کے ساتھ پختہ اور غیر متزلزل ہے لہذا اس موقع کی جتنی زیادہ قدر و قیمت کیجائے کم ہے کیونکہ حب الوطنی حاکم اور محکوم کے لئے ایک عام ورثہ ہے، باہر کے اجنبی بدخواہ خواہ کتنا ہی یہاں کے نظم و نسق پر نکتہ چینی کریں، مگر جب تک ہم اپنے مسلک پر ثابت قدم ہیں اور شاہ راہ ترقی پر گامزن ہیں ان کی خردہ گیری ہم پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ بقول

قطعہ

منزا دار محبت بوالہوس نیست — کہ ہم رنگ گل تر خار و خس نیست
بود پروانہ ہمسر عشق ورنہ — بر آتش سوختن کار مگس نیست

آخر میں میری دعا ہے کہ خدا اس ریاست کو دنیا کے شر و فساد سے محفوظ رکھے اور اس کو

روز افزوں ترقی و سربلندی نصیب ہو۔
اور دوست شاد و سرخ رو رہے۔ بدخواہ ناشاد و روسیاہ۔ آمین بجاہ طٰہٰ یٰسین۔ فقط

شرحِ دستخط مبارک
اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی
مورخہ پنجم شعبان ۱۳۵۹ھ ہجری

روئے زمین کی بادشاہت خلافت

شریعت ایک مکمل قانون ہے جو ہماری دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا تا قیام قیامت ضامن ہے۔ اس سلسلہ میں جو ارشادات نبوی ہیں ان کو ذیل میں لکھا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ حقیقی مومنین کیلئے دنیا کی بادشاہت و خلافت کا خدا نے وعدہ کیا ہے ۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو قابل وقعت و عظمت سمجھنے لگیگی تو اسلام کی وقعت و ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائیگی۔ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایکدوسرے کو سب و شتم کرنا اختیار کریگی تو اللہ جل شانہ کی نگاہ سے گر جائے گی ۔

۲۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت اوس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیجدیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ "یعنی عنقریب میں ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائیگا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے"

حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ" امت محمدیہ کے آخر میں آنیوالے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہوسکتی جتبک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتدا میں اصلاح کی۔

مومنوں کی نصرت اور مدد اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہمیشہ سربلند اور سرفراز رہیں گے جیسا کہ خدا کا وعدہ ہے" اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مومن رہے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔

تاریخ کے ہر دور میں حیدرآباد کا آزاد مرتبہ

حیدرآباد اپنی تاریخ کے ہر دور میں ایک آزاد سلطنت رہا ہے اور آئندہ بھی ایک آزاد سلطنت رہے گا اور سلطنت برطانیہ کے ساتھ اس کے دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات ایسے نہیں ہیں جو ایک سے دوسرے کے ہاتھوں فروخت یا منتقل کئے جائیں۔

اگر تاج برطانیہ ہندوستان کی سیاست میں کسی ایسی تبدیلی (مقبوضاتی) کو گوارا کر لیتا ہے جو ہندوستان میں اس کے اقتدار کی قلت کا باعث ہو اور وہ اپنے حلیف یعنی حیدرآباد کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کی تکمیل کے قابل نہ رہے تو اس کا پہلا فریضہ ہوگا کہ وہ ساری ذمہ داریاں جو حیدرآباد کی طرف سے اس نے اپنے اوپر لی تھیں حیدرآباد کو واپس کردے اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہوں گے کہ ایک طرف حیدرآباد کے جغرافیائی حدود میں برار۔ شمالی سرکار۔ اور مچھلی پٹن داخل ہوں گے اور دوسری طرف حیدرآباد ایک آزاد اسلامی سلطنت کی حیثیت سے آزاد ہندوستان اور ان کے دوسرے آزاد ممالک سے اپنے سیاسی تعلقات قایم کرنے کا مجاز ہوگا۔

آزادی ہند میں حیدرآباد کا حصہ

حیدرآبادی مسلمانوں کو یقین ہے کہ ہندوستان کا جو بھی دستور آئندہ مرتب ہوگا اس میں حیدرآباد اپنی تاریخی حیثیت اور معاہداتی مرتبے کے لحاظ سے اس طرح آزادانہ اور خود مختارانہ حصہ لیگا جو اس کی انفرادی حیثیت کو اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ برقرار رکھے۔

حیدرآباد کا آزاد مسلمان

میں حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ حیدرآباد کا ہر ایک مسلمان حیدرآباد کی عظمت و وقار کو اب پوری شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگا ہے وہ حیدرآباد کو صحیح معنی میں ایک خود مختار ہر قسم کی مداخلتوں سے پاک اور آزاد بادشاہت و سلطنت دیکھنا چاہتا ہے جو اپنے دوستوں کا آڑے وقت میں ہاتھ بٹا رہی ہو اور دستگیری کر رہی ہو۔

از نواب بہادر یار جنگ بہادر

شاہ عثمان زندہ باد **حیدرآباد پائندہ باد**

آزاد قوموں کی صورتیں

مولانا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب۔ استاذ قانون جامعۂ عثمانیہ

"تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" (یعنی تاریخ اپنے کو بار بار دہراتی ہے) ایک ایسا کلیہ قاعدہ ہے کہ خود قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ جو قومیں تاریخ سے سبق نہ لیں اور سلف کے تجربوں سے فائدہ نہ اٹھائیں وہ اگر آزاد ہیں تو مصیبت میں آجائیں گی اور اگر محکوم ہیں تو ان کی رستگاری کا کوئی امکان نہ ہوگا۔

قوموں کی آزادی یا محکومی چند اخلاقی خصوصیات پر مبنی ہوتی ہے جس قوم میں یہ خصوصیتیں آجائیں وہ ترقی کرنے لگتی اور بام عروج پر پہنچ جاتی ہے اور اگر مغلوب وما تحت بھی ہے تو جلدی ہی اس ذلت سے نجات پالیتی ہے اور جس قوم میں یہ خصوصیتیں کم ہوتی جائیں تو وہ اپنے عروج سے زوال کی طرف رواں دواں ہو جاتی ہے اور بعض وقت حیرت ناک تیزی سے انقلاب وقوع میں آجاتا ہے۔

ممکن ہے قدیم اقوام کو جن کے پاس غیروں کی تو کیا خود اپنی بھی تاریخ مطالعے کے لئے نہ تھی یہ سہولت نہ ہو کہ ان حقائق اور اصول عروج و زوال کو آسانی سے معلوم کرسکیں لیکن اب ہمارے پاس ڈیڑھ دو ہزار کے زمانہ کی تاریخ انسانیت کافی مکمل طور پر موجود ہے اور ہم ان استنباط کردہ قواعد وکلیات کے متعلق بہ آسانی سے معلوم کرسکتے ہیں کہ آیا ان کا اطلاق ہمہ گیر ہے یا محض اتفاقی اور مقامی وجوہ سے ان کا تعلق ہے۔

یہ بظاہر ایک پامال چیز معلوم ہوگی کہ آزادی کی چاہت اور اس کی قیمت دینے کے لئے آمادگی اس سلسلہ میں سب سے مقدم امر ہے لیکن یہ چیز جو بہت معمولی اور پامال معلوم ہوتی ہے، غور کرنے پر سب سے مشکل بھی نظر آجاتی ہے۔ آزادی کی چاہت سے شاید دنیا کا کوئی فرد خالی نہ ہوگا لیکن اس کی قیمت ادا کرنے پر آمادگی صرف زندہ قوموں میں پائی جاتی ہے انحطاط پذیر یا زوال رسیدہ قوم کے افراد میں ایثار گم ہو جاتا ہے اور ہر شخص یا تو یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ میں ایک اگر فلاں کام کرلوں تو کیا حرج ہے باقی سب تو ایسا نہیں کریں گے۔ یا یہ

یا ورکرنے لگ جاتا ہے کہ اور تمام لوگ نہیں کررہے ہیں، صرف میں کیوں یہ ایثار کروں اور کیوں نہ میں بھی ناجائز ہی سہی اوروں کی طرح اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے ہی منہمک رہوں خواہ کسی کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔

اصل میں یہی وہ نازک معیار ہے جس سے معلوم کیا جاسکتا ہے قوم ترقی کررہی ہے یا تنزل دوسروں کے معاملے میں انصاف کرنا غیروں کو اچھے کام کی نصیحت کرنا اچھا تو ہے لیکن بہت آسان ہے اور اسے اتنی خاص اہمیت حاصل نہیں یہ کام ہر شخص کرسکتا ہے اس سے کہیں زیادہ اہم اور کہیں زیادہ مشکل اپنے ذات کے خلاف انصاف کرنا ہے اور اس نظریئے پر عمل کرنا ہے کہ چاہے تمام دنیا اس کے خلاف ہو، اور چاہے اس کام کی وجہ سے مجھے بڑا نقصان ہی کیوں نہ پہنچے لیکن چونکہ ضمیر کا تقاضا ہے کہ یہ کام یوں ہی کیا جائے اس لئے میں اس پر عمل کروں گا۔

یہ چیز کہنے کو آسان معلوم ہوگی لیکن اس سے زیادہ کوئی شئی مشکل نہیں اور آزادی کی اصلی قیمت حقیقت میں صرف یہی خصلت ہے۔ اگر یہ خصلت افراد قوم میں خاص کر ملک کے ارباب انتظام وحکومت میں پائی جائے تو ملک کی خوش نصیبی میں کلام نہیں اور جتنے زیادہ افراد قوم میں یہ خصلت پائی جائینگی اتنا ہی قوم کو عروج ہوگا۔

ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ خصلت انفرادی اور ذاتی نہیں ہے بلکہ اضافی اور متعدی ہے۔ اگر میں اپنے اقتداری معاملوں میں انصاف کرنے لگوں تو مجھ سے ناانصافی کی خواہش کرنے والے جلدی ہی مایوس ہوجائیں گے اور ان کا میرے پاس آنا خود ہی بند ہوجائے گا اور اس طرح ظلم سے نہ صرف میں بچوں گا بلکہ تمام غرضمندوں کو بھی بچاؤں گا۔

یہ انصاف ——— ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ——— صرف بڑے معاملات ہی سے متعلق نہیں ہے۔ چپراسی اور اہلکار اپنے "حق الخدمت" (یعنی رشوت اور انعام) کے بغیر اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہیں تو وہ کوئی چھوٹا کام نہیں کررہے ہیں بلکہ قوم کی تعمیر وترقی کا سب سے اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں اور ان کا یہ کام اتنا ہی اہم ہے جتنا صدر اعظم اور بادشاہ کا ——— اپنے اپنے دائرہ عمل میں ——— انصاف کرنا اور ذاتی

مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دینا ضروری اور قابل تعریف ہے۔ یہ چپراسی بھی یہ خیال نہ کریں کہ میں غریب آدمی ہوں میں رشوت لیلوں یا انعام لے لئے اصرار کروں تو کیا حرج ہے اس سے ملک کو کیا نقصان پہنچ جائے گا۔

غرض فرض شناسی اور فرض کی ادائی وہ جامع اصطلاح ہے جسے ہم آزادی کی قیمت قرار دے سکتے ہیں اور یہ صرف اسی قوم پر آسان ہو سکتی ہے جو دنیا کو ایک امتحان گاہ اور مزرعہ آخرت سمجھے جو قوم دنیا کو مقصود اور مطلوب سمجھے تو پھر اس سے یہ توقع کرنی فضول ہے کہ وہ لذات دنیوی سے ایثار کرکے اور تکلیف اٹھا کر باز رہے گی۔ الحمد للہ ہم مسلمان آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

کسی قوم کو اپنی آزادی کے مظاہرے کے لئے کسی علاقے اور زمین کا مالک ہونا ضرور ہوتا ہے اور اب تک ایسی کوئی مملکت تاریخ نے پیش نہیں کی ہے جو صرف کشتی یا لنگر انداز کشتیوں یا اڑتے طیاروں پر مشتمل ہو۔ وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی ابتدائی ضرورتیں کھانے پینے پہننے کے متعلق اور دیگر آسائشیں زمین ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اگر کسی علاقے میں کوئی انسانی آبادی ہو تو آزاد اور خود مختار مملکت بنانے کے لئے ان میں ایک نظام اور ایک حکومت کی بھی ضرورت ہے۔ مرکز گریز خانہ بدوش قبائل سے آزادی کی مدافعت اور حفاظت ممکن نہیں خاص کر جب کہ ان کے بہت سے دشمن ہوں۔

کسی علاقہ میں مملکت کے قائم ہو جانے کے بعد جہاں تک خارجی آزادی کا تعلق ہے اسے ایک تو کافی قوت کی فراہمی ضروری ہے کہ ممکنہ اجنبی حملے کا مقابلہ کیا جا سکے اور دوسرے اس قوت کی برقراری کے لئے بہت سے اندرونی انتظامات ضروری ہیں مثلاً سپاہیوں کی صحت، سپاہیوں کے اسلحہ کی ملک میں کافی مقدار میں تیاری اور دوسروں سے عدم احتیاج، سپاہیوں اور عام ابنائے ملک کی تعلیمی اور اخلاقی درستگی اور اسراف وغیرہ برائیوں سے بچنا۔

ان میں سے اکثر چیزیں انفرادی کہی جا سکتی ہیں۔ ورزش کرنا، صفائی اور نظافت سے بیماریوں سے بچنا۔ لکھنا پڑھنا سیکھ کر اپنے معلومات میں اضافہ کرنا اور اپنی ضرورتوں کو

سمجھ سکنا وغیرہ لکھنے پڑھنے کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول امیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلی وحی جو بھیجی گئی وہ پڑھنے کے حکم اور قلم یعنی لکھنے کی تعریف پر مشتمل تھی۔

بعض چیزیں نیم انفرادی اور نیم سرکاری ہیں مثلاً صنعت و حرفت کی ترقی تاکہ اپنے فوجی اور دیگر ضروریات آزادی کو فراہم کرنے میں غیروں کی احتیاج کم سے کم ہو جائے بعض چیزیں صرف سرکاری ہیں مثلاً داخلہ اور خارجہ ریاست۔

ملک کی معاشی ترقی یا خود آزادی کے لئے کھلے سمندر سے اتصال اور کسی بندرگاہ کی ملکیت خاص طور پر ضروری نہیں ہے لیکن وہ بہت مفید ہوتی ہے اور بندرگاہ کی مدد سے باقی دنیا سے اتصال جتنا آسان ہے محض خشکی کی راہ ممکن نہیں۔ دنیا کے بڑے حصے پر پانی ہے اور مختلف ممالک کے مابین سمندر حائل ہے یوں بھی اب تک خشکی کے حمل و نقل کے مقابل آبی حمل و نقل آسان تر اور زیادہ سستا ہے۔

ان تفصیلوں میں مزید وقت صرف کئے بغیر ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارے مقتدا اور رہبر اعظم حضرت سرور کائنات صلعم کا کیا اسوۂ حسنہ رہا ہے کیونکہ دیگر تمام انبیاء اور رسولوں کے برخلاف آپ کی تعلیم تاریخ نے زیادہ مکمل طور پر محفوظ کی ہے اور آپ کی زندگی بھی دوروں سے کامیاب تر رہی ہے اور آپ کی تعلیم مسلمہ طور پر افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال کے باعث ہر کسی اوسط شخص کے لئے قابل عمل ہے۔

رسول کریم صلعم جس وقت مبعوث ہوئے عرب میں چھوٹے چھوٹے قبائل خود سرانہ برابر رہتے تھے۔ ساحلی اور زرخیز علاقوں میں اجنبی ممالک نے تسلط جما رکھا تھا۔ کہیں ایرانی تو کہیں رومی۔ ملک میں کوئی مرکزی حکومت تھی اور نہ تعلیم و تربیت۔

تیئیس سال کی شبانہ روز کوشش نے ایک ایسا نظام زندگی مدون کرا دیا جسے آج بھی تیرہ سو سال سے زیادہ گزرنے کے باوجود نہ صرف کروڑوں لوگ قابل عمل سمجھتے ہیں بلکہ ان گرویدگان محمدی کی تعداد روز افزوں ہی ہے تعلیم محمدی پر عمل کرنے سے انھوں نے جو نتایج حاصل کئے وہ دشمن کو بھی تسلیم ہے کہ حیرت انگیز ہیں۔ وسائل کی کمی کے

باوجود نہتے اور بے سروسامان عربوں نے اس تیزی سے دنیا کے تین براعظموں پر قبضہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو اس مکمل طور سے اپنا لیا کہ پھر ان کو آج تک کوئی اس رنگ کے چھوڑنے پر آمادہ نہ کر سکا۔

رسول کریم صلعم نے اپنی دس سالہ سیاسی زندگی میں دارالحکومت مدینہ سے جو کام انجام دیا۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ مرکز گریز عربوں میں یکجہتی اور مرکز کشی پیدا کی۔ ان میں ایمان اور عمل کا جذبہ بھر دیا اور افراد ملک میں سے ہر ایک بلا نگرانی و مطالبہ اپنے فرائض انجام دینے لگا۔ نتیجہ بھی ظاہر ہے کہ چند مربع میل کے شہر مدینہ سے پھیلتے پھیلتے یہ مملکت دس ہی سال میں دس لاکھ مربع میل علاقے پر حاوی ہوگئی اور جناب رسالتماب صلعم کی وفات کے بعد بھی یہ ابر رحمت رکے بغیر اپنا سایہ وسیع ہی کرتا چلا گیا اور اس وقت تک یہ ہوتا رہا جب تک تعلیم نبوی کے اثرات زیادہ سے زیادہ افراد میں باقی رہے۔

سیرت پاک صلعم کے ناپیدا کنار سمندر کی شناوری یہاں تو کیا ضخیم سے ضخیم کتابوں کی صورت میں بھی ناممکن ہے یہاں اس کے تذکرے سے منشاء صرف یہ ہے کہ جب لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کا ربانی حکم صادر ہوا تو اس میں ضمناً اس کی بھی خوشخبری دیگئی ہے کہ سیرت پاک اوسط عامیوں کے لئے بھی ممکن العمل ہے اور اس پر عمل انھیں نتائج کا یقینی پیش خیمہ ہے جو جناب رسالتماب صلعم کو دس سالہ مدنی زندگی میں میسر آئے۔ یہ موضوع ایسا ہے جس پر ساڑھے تیرہ سو سال سے لاکھوں ہی تالیفیں دنیا کے ہر حصے میں لکھی گئی ہیں۔ دوستوں نے بھی دشمنوں نے بھی۔ اور فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ مجھے بھی اپنی عمر کے کافی بڑے حصے میں اس موضوع سے تعلق کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور جتنا زیادہ اس کا مطالعہ کرتے جاؤ اس کی اہمیت اور اس کی ناپیدا کناری اور اس میں شناوری کی خواہش اور چسکا بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ چونکہ یہاں تفصیل سے سیرت نبوی صلعم سے اس موضوع سے متعلق اصول لکھے نہیں جاسکتے۔ اس لئے صرف چند مضامین کے عنوانوں کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔

۱۔ سرور کائنات صلعم کی حکومت، قیام و انصرام (جامعہ۔ دہلی مارچ و اپریل ۱۹۳۱ء)

۲۔ عدل گستری ابتدائے اسلام میں (مجلہ عثمانیہ حیدرآباد جلد ۱۳۴۷ھ)

۳۔ آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کا تعلق تجارت سے (تجلی۔ حیدرآباد ماہ اردی بہشت ۱۳۳۶ف)

۴- آنحضرتؐ کی سیاست خارجہ - تالیف قلبی (مجلہ نظامیہ - حیدرآباد - ربیع الاول ۱۳۵۵ء)
۵- عہد نبویؐ کی سیاست کاری کے اصول (سیاست - حیدرآباد - جنوری ۱۹۴۰ء)
۶- ہجرت - یعنی نوآبادکاری و توطن ابتدائے اسلام میں (سیاست حیدرآباد جولائی ۱۹۳۸ء)
۷- فتح مکہ جنگی اور سیاسیاتی پہلو - باتصویر (رہبر دکن حیدرآباد ۲۲ رمضان ۱۳۵۸ھ)
۸- دستور مملکت نبویؐ - دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (مجلہ طیلسانین حیدرآباد جولائی ۱۹۳۹ء)
عہد نبویؐ کے نظام تعلیم، تصور مملکت، ایران، روم اور حبشہ سے سیاسی تعلقات کی تشریح وغیرہ یا تو انگریزی میں ہیں یا اس وقت غیر متعلق -

اس اسوہ حسنہ سے ہمارے لئے بڑے سبق ملتے ہیں خاص کر "اولاً استحکام پھر توسیع" کا جو زبردست اصول تبادلہ آبادی اور ہجرت اور توطن و نوآبادکاری کے سلسلے میں رسول کریمؐ نے قایم فرمایا تھا (اور جس کی تشریح مذکورہ بالا مضمون "ہجرت" میں کیگئی ہے) ہمارے وطن کے لئے بڑی قابل غور چیز ہے -

الحمد اللہ ہمارے پاس مملکت کے جملہ ضروریات پائے جاتے ہیں اور شمالی سرکار کا وسیع ساحلی علاقہ بھی اب اپنا کام کرچکنے کے باعث ہم جلد واپس حاصل کرلیں تو پھر ہمارے لئے استحکام و ترقی کے وسیع امکانات ہیں - ملک میں کوئلہ بہت ہے - لوہا بھی دریافت ہوچکا ہے میوے اور گنے سے پٹرول بھی بننے کا انتظام ہورہا ہے اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ جلالتماب حضرت خسرو دکن کے اقبال سے اہل ملک میں آزادی کی لگن اور اس کی قیمت کی ادائی پر آمادگی روز افزوں ہے اور دس سال قبل کی حالت سے اب جو مقابلہ کرتا ہے وہ مسرت آمیز طور سے حیرت زدہ ہوجاتا ہے ارباب حکومت کو اس میں شک نہیں کہ ہماری ادبار رسیدہ قوم ہی کے فرزندوں سے ہونے کے باعث معیاری اور مطمح نہیں ہوسکتے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ باوجود اپنی خامیوں کے ان سے بہتر اشخاص بھی فی الوقت ہمارے پاس نہیں ہیں - ان کی کارکردگی میں قوم کی بیداری کے ساتھ برابر اضافہ اور اصلاح ہورہی ہے - رائے عامہ کی چوکسی سے ان میں مستعدی اور فرض شناسی بھی بڑھ رہی ہے لیکن جیساکہ اوپر بیان ہوا صرف حقوق طلبی سے کام نہیں چلتا - فرائض کی انجام دہی مقدم ہے اور جب قوم کا ہر فرد حقوق طلبی پر فرائض کی انجام دہی کو مقدم کرنے لگیگا

تو حقوق خود بخود مل جائیں گے کیونکہ ایک کا حق دوسرے کا فریضہ ہوتا ہے اور فرائض کی انجام دہی حقوق کی ادائی ہی ہوتی ہے اور یہ یاد رہنا چاہیئے کہ فرائض ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہیں۔ خدا کے فرائض، ابنائے جنس کے فرائض، اپنے ملازمین کے فرائض اگر کچھ اقتدار ہاتھ میں ہے تو اہل معاملہ کے فرائض ——— غرض ہر وقت ہمیں فرائض کی گرانباری ہے اور ان کی ادائی ہی وہ واحد قیمت ہے جسے ادا کرکے آزادی حاصل کی جا سکتی ہے اور برقرار رکھی جا سکتی ہے۔

خطاب بہ مسلمانان

مولوی محمد عبد الرحمٰن خاں صاحب (حیدرآباد)
از معارف

اے مسلم خوابیدہ از آوازِ اذاں خیز
دنیا ہمہ بیدار و تو در خواب گراں خیز

از نالۂ نومیدی دل سوختگاں خیز
از شورش سرگرم عمل ہم نفساں خیز

مشرق ز شفق سرخ چو یک چشمہ خوں است
در پیش شیاطین سر انسان نگوں است

آفاق پر از فتنہ و آشوب جنوں است
تکبیر زدل گوے و بتائید اماں خیز

"تہذیب" طرفدار تعدی شدہ اجبار
در صورت انساں شدہ ابلیس نمودار

ہر قوم بقوم دگر آمادۂ پے کار
اخلاص بدست آر و بتالیف دلاں خیز

عالم ز تعصب شدہ است احمق و اعمیٰ
تلقین مذاہب ہمہ بے مطلب و معنیٰ

ایمان متزلزل ز سراب زر دنیا
قرآں بہ بغل گیر و بہ تعلیم جہاں خیز

تو وارث گنجینۂ ایمان و یقینی
تعبیر رواداری و دانائی و دینی

پیغام ازل را تو مبلغ بزمینی
بر مسلک توحید ز سودائے بتاں خیز

در جسم ہوا لرزہ ز طیارۂ جنگ است
بر طفل و زن و پیر بسر بارش سنگ است

شرمندہ ز افعال بشر خرس پلنگ است
از ہند و عرب ترک و عجم نعرہ زناں خیز

فریاد ز "تہذیب" و سیہ کاری "تہذیب"
فریاد ز بے دینی و غداری "تہذیب"

دنیا ہمہ در نزع ز خونخواری "تہذیب"
اے مسلم خوابیدہ بیا حیاے جہاں خیز

خود مختار فرمانرو ا کے درخشاں کارنامے

دکن ٹائمز سالگرہ نمبر میں مسٹر آر۔ اے۔ ایس۔ پکلے کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا ملخص ترجمہ شائع کیا جاتا ہے —— مدیر

ریاست حیدر آباد کا رقبہ (۸۳ لاکھ مربع میل) انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے مجموعی رقبہ سے زیادہ ہے۔ ریاست کی موجودہ آبادی اس آبادی سے زیادہ ہے جو جنگ عظیم سے سویڈن و ناروے اور ڈنمارک کی تھی۔ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے حیدر آباد ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے۔ نظم و نسق کی خوش اسلوبی کے لحاظ سے بھی حیدر آباد کو ہندوستان کی ریاستوں پر فوقیت حاصل ہے اپنے خدا ترس بادشاہ کے ظل عاطفت میں حیدر آباد ہر جہتی ترقی کر رہا ہے ریاست کے اندرونی نظم و نسق سے واقفیت پیدا کئے بغیر پنڈت جواہر لال کے جیسے اشخاص اس ریاست کو قرون وسطیٰ کی یادگار تصور کر سکتے ہیں لیکن اس کو حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے وہ لوگ جنھوں نے حیدر آباد میں کچھ عرصہ تک قیام کیا ہے بخوبی واقف ہیں کہ یہ تخیل ناواقف اشخاص کے ذہن کی پیداوار ہے۔ سنین حالیہ میں بیرونی شر انگیزوں کی منگھڑت داستانوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو متاثر کیا ہے۔ لیکن حکومت نظام کی مصالحت پسندانہ روش نے ان غلط بیانیوں کو بے نقاب کر دیا ہے اور اب کوئی سنجیدہ شخص ان کو صحیح باور نہیں کرتا۔

ایسا شخص جو ان اصول سے واقفیت رکھتا ہو جن پر فرماں روایان حیدر آباد سختی سے پابند رہے ہیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ انھوں نے ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ پر ترجیح دینے کی کوشش کی ہے۔ خاندان آصفجاہی کے بانی نے نہایت ہی موثر اور مختصر الفاظ میں اپنے جانشینوں کو وصیت کی ہے کہ وہ شبانہ روز خالق کی اطاعت اور مخلوق کی آسائش اور خدمت میں منہمک رہیں۔ کسی شخص کی حق تلفی نہ کریں اور نفس انسانی کی حرمت ملحوظ رکھیں فرماں روایان حیدر آباد نے اس وصیت کی لفظاً اور معناً پابندی کی ہے۔ انھوں نے مندروں کی

نگہداشت کے لئے فراخ دلی سے زمینات اور عطایا دیے۔ موجودہ والیٔ دکن نے اس میں معتد بہ
اضافہ کیا ہے۔ ایسے ہندو مندروں اور مذہبی اداروں کو بھی بیش بہا رقمی امداد دی گئی جو ممالک
محروسہ سے باہر واقع ہیں۔ ریاست کے مندروں کو جاگیرات اور دیگر ذرائع سے جو آمدنی وصول
ہوتی ہے اس کی مقدار پانچ لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ ہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی اور بھنڈارکر
ریسرچ انسٹیٹوٹ کو جو شاہانہ عطیہ دیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس سے فرمانروائے
دکن کی فراخدلی اور بے تعصبی کا اندازہ ہوگا۔

۱۹۱۱ء میں شاہ عثمان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور اپنی رعایا کی ہر جہتی فلاح
کی تدابیر بروئے کار لانے میں مسلسل منہمک ہیں۔ ان کی زندگی نہایت سادہ اور مناہی اور ملاعب
سے پاک ہے وہ امور مملکت کی نہایت معمولی تفاصیل میں بھی ذاتی دلچسپی لیتے ہیں ان کے
ملاحظہ میں جو کاغذات پیش ہوتے ہیں ان پر عام طور پر وہ خود اپنے قلم مبارک سے حاشیہ پر
اعتراضات اور استفسارات درج فرماتے ہیں اور جوابدہی کے لئے اپنے وزراء کے پاس روانہ
فرماتے ہیں۔ ان کا لباس اور ان کا طرز بود و ماند سادگی کا مرقع ہے وہ اپنی رعایا سے تزک و
احتشام کے بغیر بلا تکلف ایک معمولی انسان کی طرح گفتگو فرماتے ہیں اور ریاست کا غریب سے غریب
آدمی بھی ان سے گفتگو کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اندرون و بیرون ملک ہارون الرشید
ثانی کہا جاتا ہے۔

تیس سال سے کم مدت میں ریاست حیدرآباد نے جو معاشرتی، معاشی، تعلیمی اور مادی
ترقی کی ہے وہ ترقی یافتہ برطانوی صوبہ جات کے مقابلہ میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ شہر کے گنجان
حصوں میں جو کثیف اور غیر صحت بخش مکانات تھے ان کو منہدم کر کے جدید وضع کے صحت
بخش مکانات آرائش بلدہ کی نگرانی میں تعمیر کئے گئے ہیں کثیر صرفہ سے کارہائے آبپاشی
تعمیر کئے گئے ہیں جن سے سینکڑوں ایکڑ زمین جو بالکلیہ ہندوؤں کے قبضہ میں ہے سیراب ہوتی
ہے۔ نظام ساگر ہندوستان کا سب سے بڑا مصنوعی تالاب ہے۔ دیہات سدھار کی تحریک
ایک سرکاری محکمہ کی نگرانی میں روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور سرکاری امداد سے مصنوعات
ملکی کا احیاء کیا گیا ہے جس سے سینکڑوں بیروزگار مرفع الحال ہو گئے ہیں ایک کروڑ کا ایک

صنعتی فنڈ قایم کیا گیا ہے جس سے ہندوؤں اور دیگر فرقوں کو ایک آزاد معاشی زندگی بسر کرنے کی سہولتیں مہیا کیجاتی ہیں اس فنڈ سے صنعتی اغراض کیلئے ایسے اشخاص کو جو اپنا ذاتی سرمایہ نہیں رکھتے اور سرمایہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے کوئی نفع آور کام نہیں کرسکتے۔ رقم مہیا کیجاتی ہے۔

اسٹیٹ ریلوے نے اپنی جدید حکمت عملی کے تحت تجارت کو فروغ دیا ہے اور ملکی صنعتوں کے احیا میں قابل لحاظ حصہ لیا ہے۔ شکر سازی کے کارخانہ کا قیام حال ہی میں عمل میں آیا ہے جس میں ہزاروں اشخاص دلبصورت دیگر روزگار کی تلاش میں ملک سے باہر جانے پر مجبور رہوتے کام کرتے ہیں ممالک محروسہ میں بہت سے خانگی کارخانے بھی ہیں جن کو حکومت کی جانب سے حسب ضرورت مشنری اور فنی اور مالی امداد دیجاتی ہے۔ سگریٹ کے کارخانے ملک کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ حال ہی میں ملکی سگریٹ برطانوی ہند میں درآمد کئے گئے ہیں جہاں ان کی کافی کھپت ہو رہی ہے۔

ریاست کی جملہ آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے اس میں سے ایک کروڑ بیس لاکھ اشخاص زراعت پیشہ ہیں حکومت نے اس سر زمین کی آبادی کی مرفہ الحالی کیلئے بیش بہا کارہائے آبپاشی تعمیر کئے ہیں اور زرعی زمین کو سیراب کرنے کے لئے نہریں بنائی ہیں۔ مزارعین عموماً قرض کا شکار ہوتے ہیں اور ان کی جملہ آمدنی ساہوکاروں اور مہاجنوں کے نذر ہوجاتی ہے قانون معافت قرضہ اور قانون قرضہ دہندگان کو نافذ کرکے حکومت نے اس بارے میں ایک نہایت مبارک اقدام کیا ہے۔

سلالہ۱۹ء میں حیدرآباد میں صرف ۱۰۰ مدارس تھے اور متعلمین کی تعداد ۰۰۰،۶۶ تھی۔ س وقت چار ہزار سے زائد مدارس ہیں جن میں تین لاکھ سے زیادہ طالبعلم زیر تعلیم ہیں۔ ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ممکنہ سہولتیں مہیا کیگئی ہیں۔ جدید اسکیم کے تحت جس کا ایک سال قبل اعلان کیا گیا ملک کے ہر حصہ میں جبری ابتدائی تعلیم کا مفت انتظام کیا جائے گا۔ یہ اسکیم اس مقصد سے پیش نظر وضع کیگئی ہے کہ ملک میں کوئی شخص ناخواندہ نہ رہے۔ ایسی اسکیم برطانوی ہند میں بلدی حدود میں بھی بروئے کار نہیں لائی جاسکی اس سے اس امر کا اندازہ ہوگا کہ حکومت حیدرآباد نے اس بارے میں کس قدر قابل ستائش جرات سے کام لیا ہے تعلیم کے

بارے میں حکومت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ نئی پود کو صنعتی اور دستکارانہ مشاغل کی جانب راغب کیا جائے تاکہ وہ مکتفی بالذات ہوسکیں اور نفع آور کاموں میں حصہ لیکر ملک کے مادی وسائل میں اضافہ کرسکیں۔ موجودہ تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ فارغ التحصیل طالبعلموں میں کسب معیشت کے لئے اہلکاری کے علاوہ اور کوئی کام کرنے کی قابلیت نہیں پائی جاتی۔ ملک کو اہلکاروں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انجنیروں۔ بافندوں۔ تاجروں اور اسی قبیل کے فن دانوں کی ضرورت ہے۔ اسی غرض کیلئے حکومت نے ملک میں صنعتی تعلیم کے لئے بہت سے ادارے قائم کئے ہیں۔ اعلیٰ علمی تعلیم کے لئے عثمانیہ یونیورسٹی قایم کیگئی ہے۔ ہندوستانی جو عام طور پر ہندوستان کی قومی زبان تسلیم کیجاتی ہے ذریعہ تعلیم بنائی گئی ہے۔ ماہرین تعلیم ایک عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کر رہے تھے اور اس کی تکمیل کا طرۂ امتیاز حیدرآباد ہی کو حاصل ہے۔

(بقیہ صد ۱۰۸) تجارتی معاہدہ کے ذریعہ دی گئی تھی اس معاہدہ کے ذریعہ نظام دکن کے جہازات کے ساتھ سارے برطانوی سمندروں میں عزیز ترین قوم کے جہازات کا سا برتاؤ حاصل ہوا تھا۔

دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ برطانوی ہند کے اہم بندرگاہوں میں حکومت حیدرآباد کو اپنے دفاتر کروڑگیری قایم کرنے کا حق دیا جائے تاکہ برطانوی شرح پر حیدرآباد جانے والے سامان پر محصول لگایا جائے اور اس طرح جو آمدنی ہو وہ سرکار عالی کے خزانے میں داخل ہو۔ برطانوی ہند سے ریاست سرکار عالی کے علاقے میں۔

خلاصہ یہ کہ ملکی تجارت اور ملکی زراعت اور دیگر حرفتی کاروبار کو ترقی دینے کیلئے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ حق تامین کے تحت بیرونی مال پر کثرت سے ٹیکس عائد کیا جائے اور ملک میں متعدد گرنیوں اور کارخانوں کے ذریعہ ملک کی ضروریات کو پورا کیا جائے تو راز سلطنت کی تجارت اور اس کی صنعت وحرفت کو کمال اور عروج حاصل ہونے کی قطعی صورت ہوسکیگی۔ اور ملک میں کوئی بروزگار نظر نہیں آئے گا۔

جاپان کی طرح حیدرآباد کا مال بھی یورپ میں فروخت ہونا شروع ہوگا۔ اس کام کے لئے حکومت اور عوام ہردو کے تعاون عمل کی ضرورت ہے تاکہ حیدرآباد جس طرح آزاد اور مختار رہے اس طرح اس کی خارجی اور داخلی تجارت بھی آزاد رہے ؛

آزادی ہند میں خود مختار حیدرآباد کی شرکت

آزادی ہند کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں باضابطہ طور پر کوششیں کر رہی ہیں کہ کسی طرح ہندوستان کو آزادی نصیب ہو یا آزادی کے بلند ترین مرتبہ پر پہنچ جائے اس کشمکش دور میں ہندوستان کا سیاسی ترقی میں ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچنا وہ حقیقت میں مقبوضاتی مرتبہ میں مضمر ہے جیسا کہ وائسرائے بہادر کا وعدہ ہے کہ

ہر مجسٹی کی حکومت نے مجھے مجاز گردانا ہے کہ ہندوستانی نمائندوں کی ایک تعداد کو اپنی اکزیکٹیو کونسل میں شرکت کی دعوت دوں اس نے مجھے ایک جنگی مشاورتی مجلس کے قیام کا بھی مجاز گردانا ہے جو ہندوستانی ریاستوں اور بحیثیت مجموعی ہندوستانی قومی زندگی کے دوسرے مفادات کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی اور ساتھ ہی وائسرائے بہادر کا یہ وعدہ کہ

جنگ کے اختتام پر بعجلت ممکنہ ہندوستان کی حیات قومی کے اہم عناصر کے نمائندوں کی ایک جماعت بنائی جائے گی جو ایک ایسا نیا دستور تشکیل دیگی جس کا سرچشمہ ہندوستانی زندگی کی سماجی، معاشی و سیاسی ساخت کا ہندوستانی تصور ہوگا اور جو ہندوستان کے لئے ایک مقبوضاتی مرتبہ اور برطانوی دولت مشترکہ میں ایک آزاد اور مساوی شراکت کا ضامن ہوگا۔

وزیر ہند کا بیان وائسرائے کے مندرجہ بالا بیان پر وزیر ہند نے دار العوام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

" وائسرائے کے بیان میں جو فوری پیشکش وعدہ تھا وہ اپنی کونسل کی توسیع کا تھا تاکہ تمام سیاسی جماعتوں کے سربرآوردہ اراکین کو شامل کیا جائے ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں رکھی گئی سوائے اس کے کہ وہ ہندوستان کے فائدہ اور اس مشترک مقصد کے لئے جس پر وہ اعتقاد رکھتے ہیں موجودہ مفاجاتی صورت میں مل کر کام کریں۔

وائسرائے کے پیشکش میں مقبوضاتی مرتبہ کی منزل مقصود کے عاجلانہ حصول کا راستہ صاف کرنا ہے بہت سی آزاد اقوام اپنی زندگی حسب مرضی بسر کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں ان پر زیادہ طاقت ور ہمسایوں نے قبضہ کرلیا۔ یا انھیں پارہ پارہ کردیا۔

برطانیہ کی تاریخ میں سب سے پرفخر وہ دن ہوگا جب وہ ہندوستان کو برطانوی باشندوں کی برادری میں ایک آزاد رضامند شریک کی حیثیت سے شامل ہوتا دیکھیگا۔

اگر برطانیہ جنگ سے بالکلیہ کامیاب نہ نکل سکے تو ہندوستان کی آزادی کی ساری توقع جاتی رہے گی ہم کو ہندوستان سے اپنا حصہ ذمہ داری قبول کرنے کو کہنے کا حق حاصل ہے"[1]

مقبوضاتی ہند میں خود مختار حیدرآباد کی اہمیت وائسرائے بہادر کا بیان دو دستوری مسائل پر مشتمل ہے ایک کا تعلق زمانہ جنگ کے انصرام سے ہے اور دوسرے کا مابعد جنگ کے انتظام سے ہے۔ زمانہ جنگ کے انصرام میں اولاً وائسرائے کی موجودہ اگزیکٹیو کونسل کی توسیع اور ثانیاً ایک مشاورتی کونسل کی تشکیل شامل ہے جو برطانوی ہند اور نیز دیسی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

ان دو امور میں سے پہلی چیز یعنی اگزیکٹیو کونسل کی توسیع کا حیدرآباد سے براہ راست کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ مسئلہ حیدرآباد کے لئے خاص اہمیت رکھنے والا ہے البتہ حیدرآباد کے لئے حقیقی اہمیت کی جو چیز ہے وہ وائسرائے کا یہ وعدہ کہ جنگ کے اختتام پر حیات قومی کے اہم عناصر کے نمائندوں کی ایک ایسی جماعت جو ہندوستان کے لئے ایک نیا دستور تشکیل دے اور یہ دستور ہندوستان کے لئے ایک مقبوضاتی مرتبہ اور برطانوی دولت مشترکہ میں ایک آزاد اور مساوی شراکت کا ضامن ہوگا ایسی صورت میں آزاد حیدرآباد کے مستقبل کے لئے یہ غور کرنا ہوگا کہ:۔

"خود مختار حیدرآباد کل ہند وفاقی مقبوضہ میں ایک خود مختارانہ نظم و نسق رکھنے والی وحدت کی حیثیت رکھیگا[2] یا ایک متحدہ مقبوضہ میں اس کی حیثیت ایک مقتدر اور آزاد ریاست کی ہوگی یا[3] پھر برطانوی دولت مشترکہ کے دیگر ارکان کی طرح خود بھی ایک آزاد رکن کی حیثیت سے ایک مقتدر اعلیٰ ریاست رکھنے کا مدعی ہوگا۔ یہ بیان ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اخبارات میں

(۱) اخبار رہبر دکن ۱۱ رمہر ۱۳۴۹ف

شائع کرکے اہل ملک سے خواہش کی ہے کہ وہ وقت کو ضائع کئے بغیر اپنے تمام داخلی اختلافات کو بھلا کر اس مسئلہ پر ابھی سے غور کریں سرکاری اور غیر سرکاری اصحاب کی ایک کمیٹی اس غرض کیلئے تشکیل ہو تو زیادہ اچھا ہوگا تاکہ صحیح طریقہ سے فائدہ اٹھانے کا ملک کو کامل موقع نصیب ہو سکے۔

تاریخ کے ہر دور میں حیدرآباد کی خود مختار حیثیت | تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں بیشمار انقلابات آئے اور مختلف قوموں نے حکمرانی کی مگر دکن ہی ایک ایسی سرزمین ہے جس نے ہمیشہ اپنی علیحدہ سلطنت اور اپنے وجود کو باعزت طور پر علیحدہ رکھا - اور کسی سیاسی نظام میں جزءً یا کلاً کبھی بھی شریک و منسلک نہیں رہا اس لحاظ سے ایسے زمانہ میں جب کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ مل رہا ہے تو وہ خود مختارانہ نظم و نسق رکھنے والی وحدت کی حیثیت سے ہندوستان کے آئندہ نظام سیاسی میں شریک ہوگا - تاج برطانیہ کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ جب وہ ہندوستان کی سیاست میں کسی ایسی تبدیلی (مقبوضاتی مرتبہ) پر آمادہ ہو تو وہ اپنے حلیف یعنی حیدرآباد کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کی بنا پر وہ تمام ذمہ داریاں جو حیدرآباد کی طرف سے اس نے اپنے اوپر لی تھیں حیدرآباد کو واپس کر دے ایسی صورت میں خود مختار حیدرآباد مقبوضاتی ہندوستان اور دنیا کے دیگر آزاد ممالک سے اپنے سیاسی اقتصادی تعلقات کو علیحدگی سے قایم رکھ سکیگا -

یہ ایک خاص موقع ہے جو شائد ہماری زندگی میں پھر نہ آئے اس لئے تمام اہل وطن کا فرض ہے کہ سرزمین دکن جس نے ابتداء سے اپنا علیحدہ وجود رکھا ہے اس کے قابل سپوت آپس کے تمام داخلی اور خارجی اختلافات کو بھلادیں حکومت اور رعایا سب ہم آواز ہو کر ایک عظیم تر سیاسی آزادی کے موقع سے کما حقہ فائدہ اٹھائیں ایسا نہ ہو کہ دکن اپنی پچھلی خصوصیات کو کھو بیٹھے -

امید ہے کہ تمام حیدرآبادی ان مسائل پر غور کرکے ایک صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے - وما علینا الا البلاغ -

---

خود مختار حیدرآباد کا حال و مستقبل

مجلس عاملہ اتحاد المسلمین کی جانب سے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے نواب صدر اعظم بہادر باب حکومت کی خدمت میں بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ایک طویل یادداشت روانہ کی ہے اس یادداشت کے ابتدائی حصے میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ ہٹلریت کیخلاف برطانیہ کی جو کشمکش نہ صرف اس کی اپنی حریت کی بقا کی خاطر بلکہ اس کے ہر اتحادی اور حلیف کے تحفظ کے لئے جاری ہے ہمیں اس امر کا اطمینان اور اس پر سرور ہے کہ حیدرآباد کے فوجی اور دیگر وسائل اپنے حلیف کی اعانت کیلئے وقف کر دئے گئے ہیں لیکن قلق اس امر کا ہے کہ اس کی یہ اعانت مملکت کے وقار کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اس لئے حسب ذیل نقاط نظر کی طرف حکومت سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر فرمائے تو مناسب ہوگا

۱۔ معاہدات کے لحاظ سے حیدرآباد کی حربی طاقت اور حق اسلحہ سازی پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں اسلئے حیدرآباد میں آلات حرب کے کارخانے کثیر تعداد میں قایم کئے جائیں تاکہ جدید حربی ضروریات کے مطابق مملکتی افواج کیلئے آلات حرب مہیا ہو سکیں اور وقت پر مملکت کے وقار کے اعتبار سے اپنے حلیف کی اعانت کر سکے۔

۲۔ زائد فوج اور حربی کارخانوں کیلئے اشخاص کی فراہمی کے علاوہ ضرورت کے مطابق رضا کاروں کی مناسب تعداد مہیا کرنے پر مجلس اتحاد المسلمین آمادہ ہے تاکہ ایک طرف اپنے حلیف کی پورے ساز و سامان کے ساتھ اعانت کر سکے تو دوسری طرف محفوظ دستہ کا کام انجام دے سکے جو ملک کی بدامنی کی صورت میں قیام امن کے فرائض بجالائیں۔

۳۔ اعلان آزادی ۱۷۲۴ء سے حیدرآباد کی آزادی اور اس کی خود مختارانہ حیثیت ایک مسلمہ حقیقت ہے اسی آزادانہ حیثیت سے سلاطین حیدرآباد نے ضرورت کے وقت برطانیہ کی مدد کی اور ان دونوں حکومتوں کے درمیان جو معاہدات طے پائے ان کی کوئی دفعہ ایسی نہیں جو حیدرآباد کو اس کی موجودہ حیثیت تک گھٹا دے اس لئے حیدرآباد بلا مزاحمت استبدادی عملدرآمد کے نتیجے سے آزاد رہ کر حیات نو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۴۔ حالات کی رفتار سے برطانوی ہند کا سیاسی مرتبہ شدید انقلابی دور سے گذر رہا ہے اسلئے حیدرآباد اپنے حلیف سے اس امر کا متوقع ہے کہ وہ اس کو اپنی قسمت کی تعمیر اور اپنے ہمسایہ یعنی ہندوستان کی آئندہ مقبوضاتی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلق قایم رکھنے کے لئے تنہا اور آزاد چھوڑدے۔

۵۔ برطانوی ہند سے حیدرآباد کے تعلقات معین معاہدات کی بنیاد پر قایم ہیں اور یہ تمام دفاعی اور تجارتی ہیں جب حکومت برطانیہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دے تو ایسی صورت میں ہر اعتبار سے حیدرآباد کی اپنی سابقہ خود مختارانہ حیثیت خود بخود عود کر آئیگی اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد رہے گا اور ایسی صورت میں وہ تمام مفوضہ علاقے جو برطانوی حکومت کو ان امدادی افواج کے مصارف کیلئے دیئگئے تھیں ان سب کا استرداد حیدرآباد کے حق میں ضروری ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مجلس اتحاد المسلمین حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے سے پہلے حسب ذیل مسائل کی نسبت کارروائی آغاز کرکے اطمینان بخش نتائج کے حصول کی سعی فرمائیگی۔

۱۔ حکومتی افواج میں توسیع ۲۔ حربی اسلحہ سازی کے کارخانوں کا قیام۔ ۳۔ امدادی افواج کی برخواستگی اور نتیجۃً مفوضہ علاقہ جات کا استرداد۔ ۴۔ برطانیہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات کی اس طرح تجدید کہ جس کے ذریعہ حیدرآباد کی داخلی اور خارجہ آزادی اور انفرادیت کا تیقن حاصل ہوجائے۔

آخر میں اس امر کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ حیدرآباد اور مسلمانان ہند حیدرآباد کے تخت وتاج کو اپنی سیاسی برتری کا مظہر تصور کرتے ہیں اور اس کی حریت وانفرادیت کی بقا کیلئے ہر قسم کی قربانی کیلئے آمادہ ہیں اس لئے حکومت حیدرآباد کا مقدس فریضہ ہے کہ حیدرآباد کی آئینی حیثیت کے دوبارہ حصول میں متذکرہ صدر طریقے کے مطابق کسی کوشش اور کسی ایثار سے دریغ نہ فرمایئے (۱)

ہندوستان اور آزاد حیدرآباد کی تجارت خارجہ

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی تجارت اس کے ہر دور میں دور دراز ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی مغرب میں فارس۔ عراق۔ عرب۔ مصر۔ شام۔ روم اور یونان تک۔ مشرق میں چین وجاپان تک۔

(۱) اخبار رہبر دکن ۱۱ر مہر ۱۳۴۹ف م ۱۷ر اگست ۱۹۴۰ء

ہندوستان کا تجارتی سامان آتا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے عہد میں تجارت کی ترقی | گیارھویں صدی عیسوی سے ہندوستان میں مسلمانوں کا دور شروع ہوتا ہے اور تقریباً اٹھارھویں صدی عیسوی کے شروع تک قایم رہتا ہے اس عہد میں صنعت اور تجارت کی بڑی ترقی ہوئی اور عوام کا عام پیشہ زراعت کے ساتھ صنعت و حرفت رہا اس عہد میں پارچہ بافی کی صنعت کا بہت رواج تھا اور اس فن میں لوگوں کو کمال حاصل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کہ ملک میں عام طور پر خوشحالی نظر آتی تھی چودھویں صدی تک ہندوستان کا تجارتی مال بحری اور بری دونوں راستوں سے یورپ جاتا رہا مگر جب اہل یورپ اور مسلمانوں میں جنگ چھڑی تو یورپ میں ہندوستان کے مال کی درآمد بند ہو گئی جس کی وجہ سے یوروپین تاجر پریشان ہوئے۔

تجارت کے لئے یوروپین اقوام کی آمد | پرتگیز جو جہاز رانی میں بڑے ماہر تھے انھوں نے ۱۴۹۸ء میں ساحل افریقہ کے جنوب میں ہندوستان کے مغربی ساحل پر کالی کٹ کے بندرگاہ کا پتہ لگایا اور اس راستہ سے پرتگال اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات قایم کرنے کی گفتگو شروع ہوئی اور اس طریقہ عمل سے ہندوستان میں یوروپین اقوام کو تجارت شروع کرنے کا موقع ملا۔

اس مقصد کے تحت ہندوستان میں ہالینڈ، انگلستان، فرانس، ڈنمارک، جرمنی اور سویڈن کے تاجروں نے اپنے اپنے جہاز ہندوستان کی طرف روانہ کئے مگر کامیابی صرف ہالینڈ، انگلستان اور فرانس والوں کو نصیب ہوئی اور ان میں بھی ہر وقت جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر انگلستان کو تمام یوروپین اقوام پر کامیابی ہوئی۔

کمپنی کے عہد میں تجارت کا فروغ | ۱۶۰۰ء میں انگریزوں نے متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ ہندوستان میں نہ صرف تجارتی کاروبار کو فروغ دینے کی سعی کی بلکہ ملکی معاملات میں بھی دلچسپی لی۔ چندرنگر۔ بمبئی اور کلکتہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان کے تجارت خارجہ پر اپنا پورا تسلط جما لیا۔

یہ لوگ ہندوستان سے سیاہ مرچ۔ لونگ۔ الائچی۔ نیل خام پیداوار اور شکر وغیرہ کے علاوہ سوت اور ریشم کا کپڑا کثرت سے انگلستان اور دوسرے ملکوں میں لیجاتے اور وہاں سے تلبنے۔ پارے۔ تھپے اور فولاد کے سامان لایا کرتے اور باقی رقم سونے چاندی کی شکل میں ادا کرتے تھے۔

سترھویں صدی کے آخر تک انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کا گھر گھر رواج تھا امیر سے غریب تک سب لوگ یہی کپڑا پہنتے تھے کیونکہ ہندوستانی پارچہ خوش وضع خوش رنگ ہونے کے علاوہ مضبوط اور سستا ہوتا تھا جس کی وجہ سے یورپ کے پارچہ باف اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوگئے تھے چنانچہ اس سے انگلستان کی پارچہ بافی کو سخت نقصان پہنچا اور لوگوں میں بےچینی پیدا ہوئی اور مخالفت پیدا ہونی شروع ہوئی بالآخر اٹھارویں صدی سے کمپنی نے یہ کوشش کی کہ ہندوستانی مصنوعات کے بجائے انگلستان کی بنی ہوئی چیزوں کو رواج دیا جائے چنانچہ بنگال میں ریشم بننے والوں کو کمپنی کے سوا اور کہیں کام کرنے کی قانوناً ممانعت کردیگئی انگلستان میں ہندوستانی اشیاء پر بڑے بڑے محصول لگادئے گئے اور ہندوستانی ریشمی کپڑا پہننا جرم قرار دیدیا گیا اس طرح انگلستان میں ہندوستانی سامان کی درآمد رک گئی اور اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں جو مال انگلستان سے آتا تھا اس پر ہر قسم کا محصول معاف کردیا گیا اس بارے میں مشہور مورخ مسٹر ولسن لکھتے ہیں کہ

"۱۸۱۳ء میں جو شہادت پیش ہوئی اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس زمانہ تک ہندوستان کا سوتی اور ریشمی کپڑا اس قدر ارزاں تھا کہ برطانیہ کے بازاروں میں برطانوی کپڑے کے مقابلہ میں ۵۰ اور ۶۰ فیصدی کم قیمت پر بھی کافی منافع سے فروخت ہوتا تھا اس لئے کہ برطانیہ نے اپنی صنعت پارچہ بافی کی حفاظت کی خاطر ہندوستانی کپڑے کی درآمد پر ۷۰ اور ۸۰ فیصدی محصول لگائے اگر یہ تدبیر نہ کیجاتی تو لنکا شائر اور مانچسٹر کے کارخانے شروع ہی سے بیکار پڑے رہتے کسی طرح نہ چل سکتے خواہ دخانی انجن کتنا ہی زور لگاتے ۔"

انگلستان کی طرح دوسرے ملکوں نے بھی اپنی اپنی صنعت کو ترقی دینے کی خاطر ہندوستانی مصنوعات پر بڑے بڑے محصول عائد کرکے ہندوستانی مال کی درآمد روک دی۔ ۱۸۳۴ء سے ۱۸۵۸ء تک کمپنی بحیثیت حکمران کے ہندوستان میں رہی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کمپنی حکومت سے دست بردار ہوگئی اور تاج برطانیہ نے سلطنت ہند کو اپنی کفالت میں لیلیا اور اس کے معاوضہ میں کمپنی کا جو روپیہ ہندوستان میں صرف ہوتا تھا وہ قرض لیکر ادا کردیا اور یہ قرض ہندوستان کے نام لکھدیا جس کا سود ابتک ہندوستانی محاصل سے ادا کیا جاتا ہے تاریخ عالم میں ایسی خرید و فروخت کی یہ پہلی اور آخری مثال ہے۔

سلطنت برطانیہ کے عہد میں تجارت کی ترقی | کمپنی کی حکومت ختم ہونے کے بعد برطانوی حکومت میں ہندوستانی تجارت کی ترقی میں جو کوششیں ہوئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۸۵۵ء میں برطانوی مصنوعات کی درآمد پر پانچ فیصدی اور دیگر ممالک کی مصنوعات پر دس فیصدی
محصول مقرر کیا گیا۔ ۱۸۵۹ء میں برطانوی اور غیر برطانوی کی تفریق اٹھا دی گئی صرف تعیشات پر ۲۰ فیصدی اور
باقی پر دس فیصدی محصول درآمد میں جانے لگا۔ ۱۸۶۰ء میں بلا کسی تفریق کے سوت اور کپڑے پر دس فیصدی کے
بجائے ۳½ اور ۵ فیصدی محصول مقرر ہوا تاکہ ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا برطانوی کپڑے کے مقابلہ نہ کر سکے۔ ۱۸۶۵ء
میں عام محصول کی شرح ۱۰ فیصدی سے گھٹ کر ۵ فیصدی رہ گئی لیکن ان کا مصنوعات پر محصول حسب سابق رہا۔ ۱۸۷۲ء
میں بمبئی میں پارچہ بافی کے چند کارخانے کھلے اور ہندوستان میں سوتی کپڑا تیار ہونے لگا یہ دیکھ کر انگلستان کے
کارخانوں نے شور مچایا جس کی وجہ سے ۱۸۸۲ء میں ولائتی کپڑے پر سرے سے محصول معاف ہو گیا صرف شراب اور
نمک پر تھوڑا سا محصول قایم ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں ہر دو ولایتی اور دیسی سوت محصول سے بری کر دیا گیا اور دیسی ولایتی
کپڑے پر ۳½ فیصدی محصول مقرر ہوا۔ ۱۹۱۶ء تک ولایتی کپڑے درآمد پر بھی محصول رہا۔ ۱۹۲۲ء میں
بدیسی کپڑے کی درآمد پر بجائے ۷½ فیصدی کے ۱۱ فیصدی اور بدیسی سوت پر ۵ فیصدی بھی لگا دیا گیا جس کی وجہ سے
ہندوستان میں روئی کی مصنوعات کو بہت ترقی حاصل ہوئی اور اس سال بہت سے جدید کارخانے کھلنا شروع ہوئے۔

۱۹۲۶ء میں حکومت سوتی کپڑے پر جو ۳½ فیصدی محصول چنگی وصول کرتی تھی وہ معاف کر دی گئی اور
ہر قسم کے بدیسی اونی اور ریشمی کپڑے پر ۱۵ سے ۳۰ فیصدی محصول مقرر کر دیا۔ ۱۹۳۰ء میں حکومت نے بدیسی کپڑے پر
۵ فیصدی محصول عائد کر کے ہندوستانی پارچہ بافی صنعت کو تامین دی لیکن برطانیہ کو ۵ فیصدی شاہی
ترجیح حاصل رہی۔

غرض اس رعایت سے ملک میں کافی کپڑا تیار ہونے لگا۔ اب اگر اور چند سال تک روئی کی صنعت میں جو تامین
دی جا رہی ہے وہ بحال رکھی گئی تو ہندوستان اپنی ضرورت کا کپڑا خود تیار کر لیگا اور دوسروں کا محتاج نہیں رہیگا
اور اس کے ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہوگی کہ روئی کی پیداوار کی ترقی کے مناسب تدابیر اختیار کئے جائیں نیز
ملک کی صنعتوں کو فروغ دینے کیلئے نئی ایجادات اور سائنس کی تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے
اور ساتھ ساتھ ملک میں صنعتی مراکز قایم کر کے ان کو فروغ دینے کی بھی ضرورت ہوگی۔ (۱)

حیدرآباد اور آزاد تجارت | ہندوستان کے تجارتی حالات کے تحت حیدرآباد کی آزاد تجارت کا تحفظ
اہل حیدرآباد اور حیدرآبادیوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حیدرآباد ایک خود مختار سلطنت ہے اور اس کو ہر قسم کی آزاد تجارت کا ہر وقت حق حاصل

(۱) جامعہ جلد ۳۰ صفحہ ۲ تا ۹۴

رہا ہے۔معاہدہ ۱۸۰۲ء کی رو سے حیدر آباد کو حسب ذیل حقوق حاصل ہیں۔

۱۔مسولی پٹم میں تجارتی کارخانے اور جہاز رانی کے قیام کا حق ہے۔

۲۔جہازوں پر دولت آصفیہ کا جھنڈا نصب ہوگا اور اس کی حفاظت انگریزی کمپنی کے تفویض رہیگی۔

۳۔جو سامان دولت آصفیہ کے علاقہ میں داخل ہوگا اس پر ۵ فیصدی محصول لیا جائے گا۔

۴۔جو سامان علاقہ حیدر آباد سے باہر جائیگا اس پر بھی ۵ فیصدی محصول لینے کا حق رہیگا۔

۵۔انریبل انگریزی کمپنی علاقہ حیدر آباد کے تاجرین کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کریگی اور ناجائز محصول بھی عائد نہیں کرے گی بلکہ ان کے آمد و رفت میں آسانیاں پیدا کریگی۔

جس طرح حیدر آباد داخلی معاملات میں آزاد ہے اسی طرح وہ تجارتی کاروبار میں بھی خود مختار ہے ایک آزاد سلطنت کو جس طرح درآمد اور برآمد پر محصول عائد کرنے کا حق ہوگا اسی طرح حیدر آباد کو بھی حق حاصل رہا ہے یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں حیدر آباد کی صنعتی اشیا باعتبار صفائی اور خوبی کے اندرون ممالک محروسہ بلکہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان تک مشہور تھیں اور ان کی کافی نکاسی ہوتی رہتی تھی۔

معاہدہ ۱۸۰۲ء کی رو سے ملکی زراعت اور صنعت و حرفت کے مفاد کی خاطر اپنی محاصل عائد کرنے کا بھی حق ہے اور اس سے منشا یہی ہے کہ ملک کی خاصی پیداوار اور اس کے صنعت و حرفت کے استحکام اور ترقی میں مدد ملے یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۸ء میں حکومت حیدر آباد نے بٹلر کمیٹی کو ایک میمورنڈم روانہ کیا تھا جس میں گورنمنٹ کے نقطہ نظر کی توضیح کیگئی تھی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ میمورنڈم نواب حیدر نواز جنگ بہادر کی انتھک محنت کا نتیجہ تھا۔اس میمورنڈم میں بتایا گیا تھا کہ حیدر آباد اور برٹش گورنمنٹ کے مابین سیاسی اقتصادی اور مالی تعلقات ان عام اصول اور پالیسی پر قایم ہونے چاہئیں جیسا کہ برٹش گورنمنٹ اور حکومت ہائے ایران، افغانستان و مصر کے مابین قایم کئے گئے ہیں نہ کہ ان بہت سے چھوٹے چھوٹے رؤسائے ہند سے جو ایوان رؤسا میں شریک ہیں از روئے معاہدہ ہز اکزالٹیڈ ہائی نس کو بحیثیت نظام جو حقوق، امتیازات اور اقتدار و اختیارات حاصل ہیں اس مطالبہ کی تائید میں ان کو پیش کیا گیا ہے - اس میمورنڈم میں عام پالیسی کے علاوہ اقتصادی نوعیت کے دو مطالبات بھی پیش کئے گئے ہیں کہا جاتا ہے کہ اولین مطالبہ یہ ہے کہ سرکار عالی کو مسولی پٹم کی راہ سے ہندوستانی سواحل کو اور اس کے باہر بھی آزادانہ رسائی حاصل ہو۔ سمندروں کے استعمال کی کامل آزادی سرکار عالی کو دیجائے جس کی ضمانت نظام دکن کو ۱۸۰۲ء کے

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ (۹۹)

امیران جامعۂ نظامیہ | جامعہ نظامیہ کی خدمت میر مجلسی پر حسب ذیل اصحاب مامور رہے ۔

۱۔ حجۃ الاسلام مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ از ۱۲۹۲ھ تا آخر جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

۲۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب نواب صدر یار جنگ بہادر از جمادی الثانیہ ۱۳۳۶ھ تا ربیع الاول ۱۳۴۰ھ (۱)

۳۔ جناب حافظ مولوی مفتی محمد احمد صاحب دیوبندی از ربیع الاول ۱۳۴۰ھ تا

۴۔ جناب غلام احمد صاحب محاسب جنگ (۵) نواب فخر یار جنگ بہادر از

۶ ۔ مولوی محمد عبد القدیر صاحب قادری بدایونی

معتمدین جامعہ | جامعہ نظامیہ کے سب سے پہلے معتمد مولانا محمد مظفر الدین صاحب معلیؒ تھے جن کا سلسلہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ سے ۲۵ شوال ۱۳۲۵ھ تک رہا آپ کے بعد حسب ذیل اصحاب جامعہ کی خدمت معتمدی پر مامور رہے ۔

۱۔ مولانا محمد عبد اللطیف صاحب (۲) مولانا سرفراز الدین صاحب (۳) مولوی اکرام علی صاحب حال وظیفہ یاب (۴) تعلقدار دیجل جامعہ (۴) مولوی محمد نقی صاحب سابق مددگار صدارت العالیہ (۵) مولوی صفی الدین صاحب ناظر دار الترجمہ (۶) نواب محاسب جنگ صدر محاسب صرف خاص مبارک (۷) مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب ناظم طبابت یونانی سرکار عالی (۸) مولوی غلام محمد صاحب المخاطب نواب محمد یار جنگ بہادر

جامعہ نظامیہ کے نظماء | جناب حافظ محمد احمد صاحب کے عہد میں مہتمم کے علاوہ ایک اور خدمت نظامت یعنی پرنسپل کی قائم کیگئی اس خدمت پر سب سے پہلے مولانا علامہ مفتی محمد رکن الدین صاحب (نظامیہ) استاذ حضرت والاشان شہزادگان بلند اقبال اطال اللہ عمرہما مامور ہوئے جن کا سلسلہ از شوال ۱۳۴۰ھ تک رہا۔

(۲) دوسرے ناظم مولانا مفتی سید محمود صاحب جو ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۲ھ تک رہے۔

---

(۱) حسب فرمان خسروی مورخہ ۶ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ یہ ارشاد مبارک شرف صدور لایا کہ مدرسہ نظامیہ اور اشاعت علوم و فنون (مجلس اشاعۃ العلوم) کی صدر نگرانی مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی سے متعلق رہے گی اور ان کی رائے سے ایک کمیٹی مقرر ہوگی جس کے توسط سے کام جاری رہے گا اور جس کے میر مجلس وہ خود رہیں گے علاوہ اس کے سرکاری کتب خانہ آصفیہ بھی ان کی نگرانی میں رہے گا ۔ از جریدہ غلامیہ ۱۴ اردی بہشت ۱۳۲۷ف ج ۴۹

(۳) تیسرے ناظم حافظ محمد ولی صاحب سابق مہتمم جبال گلبرگہ مامور ہوئے جو یکم اسفندار ۱۳۳۶ف تا ۲۰ آذر ۱۳۴۲ف تک رہے۔

(۴) چوتھے ناظم مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ من ابتدا ۲۵ تیر ۱۳۴۲ف لغایۃ ۲ اسفندار ۱۳۴۹ف

(۵) پانچویں ناظم مولوی اکرام علی صاحب سابق معتمد جامعہ از ۳ اسفندار تا ۲۰ فروردی ۱۳۴۹ف

(۶) چھٹے ناظم جناب محمد عبدالباری صاحب بدایونی فرزند مولوی عبدالقدیر صاحب بدایونی ممبر مجلس جو ۲۰ فروردی ۱۳۴۹ف م ۲۲ محرم ۱۳۵۹ھ سے مامور ہیں۔

جامعہ نظامیہ کے صدر الاساتذہ جامعہ نظامیہ کے سب سے پہلے صدر مدرس حجۃ الاسلام مولانا حافظ قاری محمد انوار اللہ خاں علامہ فضیلت جنگ مرحوم و مغفور تھے اور جب آپ کا تقرر ۱۳۰۵ھ میں جلالت مآب شمس الملت والدین شاہ دکن وبرار خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی تعلیم کے لئے عمل میں آیا تو آپ نے صدارت جامعہ پر دوسرے عالم شخص کا انتخاب فرمایا اور خود بنفس نفیس روزانہ تعلیم کی نگرانی فرماتے اور وقتاً فوقتاً عام انتظامات میں مشورے دیا کرتے تھے اس لحاظ سے جامعہ کی خدمت صدر الاساتذہ پر حسب ذیل اصحاب مامور رہے۔

(۱) مولانا محمد عبدالوہاب صاحب بہاری (جن کا عہد چند سال تک رہا)

(۲) مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب　　از ۱۳۰۷ھ م ۱۳۱۵ھ

(۳) مولانا محمد یعقوب صاحب محدث　　از ــــ تا ــــ

(۴) مولانا شاہ سید محمد شطاری صاحب حال صدر جامعہ

جامعہ نظامیہ کے مفتی ابتداء قیام جامعہ ہی سے "افتاء" کا شعبہ قایم تھا لیکن غرہ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ م یکم آبان ۱۳۱۶ف سے شعبہ دارالافتاء مستقل طور پر قایم کیا گیا۔

(۱) سب سے پہلے مفتی مولانا محمد رکن الدین صاحب (نظامیہ) تھے جو غرہ رمضان ۱۳۲۶ھ سے ۲۵ شعبان ۱۳۴۷ھ م ۲۰ تیر ۱۳۳۸ف تک رہے۔

(۲) دوسرے مفتی مولانا سید عبدالکریم صاحب صدر الاساتذہ جامعہ تھے۔

(۳) تیسرے مفتی مولانا محمد یعقوب صاحب صدر الاساتذہ جامعہ تھے۔

(۴) چوتھے مفتی مولانا سید مخدوم حسینی صاحب (نظامیہ) شیخ الفقہ جامعہ ہیں جن کی مسلمہ قابلیت شہرۂ آفاق ہے عدالت العالیہ سرکار عالی کی خدمت افتاء کو ۱۴ سال تک نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے مسئلہ جنابات سے متعلق جو کتاب حکومت کی جانب سے ترتیب دیجا رہی ہے اس میں مولانا موصوف کی مساعی خاص طور پر شامل ہیں اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اصل مرتب کا اعزاز مولانا موصوف کو ہی حاصل رہا ہے۔

جامعہ نظامیہ کے نائب مفتی | دار الافتاء جامعہ کے سب سے پہلے نائب مفتی مولانا محمد رحیم الدین صاحب سنہ ــــــ تک رہتے۔

(۲) دوسرے نائب مفتی مولانا ابو الوفا صاحب صدر مجلس علمی احیاء المعارف النعمانیہ

(۳) تیسرے نائب مفتی مولانا سید احمد صاحب رضوی

(۴) چوتھے نائب مفتی مولانا محمد عبد القادر صاحب

عہدہ داران اقامت خانہ | جامعہ نظامیہ میں ابتداء سے اقامت خانہ کا نظم بھی ہے جس میں غیر مستطیع اور شوقین طلبہ کے لئے طعام و لباس اور ان کی رہائش کا مناسب انتظام کیا جاتا ہے اس شعبہ کے انتظامات کے لئے جو اصحاب مامور ہوئے وہ سب دادا وغیرہ (منتظم طعام خانہ) مطبخ کے نام سے موسوم رہے اور وہ یہ ہیں :-

(۱) مولوی محمد عبد القادر صاحب (۲) مولوی نذیر احمد صاحب (۳) مولوی محمد عثمان صاحب بلگرامی (۴) مولوی شیخ عثمان صاحب بیلری (۵) مولوی محمد یٰسین صاحب (۶) مولوی محمد عبد الرحمٰن صاحب (۷) مولوی قاری محمد عبد الرزاق صاحب (۸) مولوی سید محی الدین صاحب (۹) مولوی محمد عبد الرشید صاحب (۱۰) مولوی سید زین العابدین صاحب (۱۱) مولوی محمد ابراہیم صاحب اور اس وقت یہ مطبخ کے انتظامات کو عمدگی سے انجام دے رہے ہیں جو طلبہ اور اساتذہ میں "دادا" کے نام سے موسوم اور ہر دلعزیز ہیں۔

دواخانہ | چونکہ جامعہ نظامیہ میں شب و روز طلبہ کی رہائش کا انتظام ہے اور ان کے جملہ ضروریات کا تعلق جامعہ ہی سے ہے اس لئے ان کی صحت کی حفاظت اور صحت سے متعلق مشورے دینے کی غرض سے ایک طبیب بھی مامور ہے جن کے نام پچاس ماہوار کی امداد سرکار سے اجرا ہوئی ہے (۱)

---

(۱) احکام محکمۂ سرکار صیغہ طبابت یونانی ۲۵ یکم ربیع الاول ۱۳۳۱ھ م ۷ فروردی ۱۳۲۲ ف

(۱) سب سے پہلے طبیب مولوی حکیم محمد حسین صاحب شاہنوری (نظامیہ)

(۲) دوسرے طبیب مولانا حکیم ابوالفدا محمود احمد صاحب (نظامیہ)

(۳) تیسرے طبیب جناب حکیم امام بخش صاحب کامل (نظامیہ) جو اس وقت اپنی خدمت کو اعلیٰ قابلیت اور نہایت خوبی سے بلا شکایت انجام دے رہے ہیں

تیسرے دور کے بعض حالات | مولوی حافظ محمد احمد صاحب کی میر مجلسی کے ساتھ حسب فرمان خسروی مزینہ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ مجلس شوریٰ کے حسب ذیل اراکین مقرر ہوئے۔

۱۔ مولانا محمد رکن الدین صاحب استاذ حضرت ولیعہد بہادر رکن و ناظم جامعہ

۲۔ مولوی غلام احمد صاحب (نواب محاسب جنگ مرحوم) صدر محاسب صرفخاص مبارک رکن

۳۔ مولوی محمد عبد الحی صاحب فرزند مولوی محمد عبد الرحمن صاحب سہارنپوری رکن

۴۔ مولوی صفی الدین صاحب ناظر دار الترجمہ سرکار عالی رکن و معتمد (۱)

مولوی حافظ محمد احمد صاحب نے تجاویز اصلاح جامعہ نظامیہ سے متعلق بارگاہ خسروی میں ایک یادداشت پیش فرمائی جس کے بموجب حکم ہوا کہ۔

۱۔ مدرسہ میں دو شاخیں قایم کی جائیں۔

الف۔ ایک میں مولانا مرحوم کے منشا کے مطابق علوم عربیہ دینیہ کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی دیجائے اس شاخ کا انتظام و خرچہ الگ رہے گا۔

(ب) اور دوسری شاخ میں الخدمات شرعیہ کے لڑکوں کو معمولی فقہ و عقائد کی تعلیم دیجائے گی جس کا انتظام جداگانہ ہوگا۔ محکمہ صدارت العالیہ کے ذریعہ خرچہ ادا ہوگا ان دونوں شاخوں کا انتظام ایک ہی ناظم (پرنسپل) کے ماتحت رہے گا جو کمیٹی انتظامی کے پاس ذمہ دار رہیگا۔

۲۔ میری منظوری کے بعد جو دستور العمل نصاب نافذ ہوگا اس میں کوئی کمی بیشی تغیر و تبدل میری منظوری کے بغیر نہ ہو سکیگا۔

۳۔ مدرسہ کیلئے پرنسپال یعنی ناظم کا انتخاب و مستقل تقرر خود میں متعاقب کروں گا۔ اس وقت تاحکم ثانی مولوی رکن الدین صاحب منصرمانہ حیثیت سے ناظم کی خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ (۲)

۱۔ فرمان مبارک ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ (۲) ملاحظہ ہو فرمان مبارک ۲ر جمادی الاول ۱۳۴۹ھ

مولوی خلیل الرحمن صاحب اور مولوی مظہر الحق صاحب وکلا، ہائیکورٹ کا مدرسہ نظامیہ کی رکنیت پر تقرر عمل میں آیا۔

ضابطہ مدرسہ نظامیہ کی منظوری | حضرت حافظ صاحب کے عہد میں جامعہ نظامیہ کیلئے ایک ضابطہ منظور ہوا جس میں ناظم جامعہ کے لئے یہ فرمان شرف صدور پایا کہ

ناظم مدرسہ کے لئے لازم ہے کہ وہ عالم با استعداد۔ ذی اثر۔ باوجاہت اور قوت انتظامی رکھنے والا ہو اور ناظم تعلیم کا قیام شب و روز احاطہ مدرسہ میں لازم ہوگا۔

(نوٹ) کامل دو تین سال تک ضابطہ کے موافق مدرسہ میں تقررات عمل میں آتے رہے اور بعد میں کمیٹی نے غور کیا کہ اگر مدرسہ نظامیہ کو ترقی ہوئی تو یقیناً حیدرآباد میں دارالعلوم دیوبند کی قدر و عظمت نہیں رہے گی۔ اس لحاظ سے مدرسہ نظامیہ کی ترقی کے تمام تدابیر جس کے وقوع کی توقع تھی وہ جاتے رہے اور خلاف ضابطہ مدرسۂ نظامیہ میں ایسے ذرائع پیدا کردئے گئے جس کے سبب بتدریج مدرسہ نظامیہ کی ترقی میں گھٹاؤ پیدا ہوا۔

چونکہ مجلس انتظامی میں ایسے تشدد پسند اور فرقہ پرست افراد کی کثرت تھی جن کو مدرسہ سے کسی قسم کی کوئی محبت نہیں تھی ایک کمیٹی میں بعض تشدد پسند ممبروں نے یہاں تک کہدیا کہ مدرسہ نظامیہ کا نصاب "گھٹیا" قسم کا بنایا جائے اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ جناب مفتی صاحب کے وجود سے مدرسہ نظامیہ کو کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ پہنچنے کی توقع تھی بلکہ مدرسہ نے جو کچھ ترقی عہد ماضی میں حاصل کی تھی اور اس کے جو کچھ آثار موجود تھے وہ بھی جاتے رہے۔ عملہ انتظامی میں اضافہ ہوا۔ مدرسہ کی رقم پانی کی طرح خرچ میں لائی گئی۔ مدرسہ کے حقیقی اور بہی خواہ اشخاص کو علیحدہ کرایا گیا اور ان کی جگہ پر ایک غیر عالم کو مامور فرمایا۔ غرض ایک غیر عالم کی ماموری سے مدرسہ نظامیہ کی علمی و مذہبی فضا سخت متاثر ہوئی۔ مدرسۂ نظامیہ کو ملکی اور غیر ملکی کا اکھاڑہ بنایا گیا۔ محض دارالعلوم دیوبند کو ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچانے کی غرض سے مدرسہ نظامیہ کو نقصان پہنچایا گیا۔ اگر موصوف کا ایسا مقصد نہ ہوتا تو ایک غیر عالم شخص کا انتخاب جامعہ نظامیہ کی نظامت پر ہرگز عمل میں نہیں آتا اس شخص کی کامل (۱۴) سال تک مدرسہ پر حکمرانی رہی ہے۔ غرض بقول صاحب مطلع انوار کے ؎۔

(۱) از رپورٹ خورشید علی کمیٹی

" مولانا کے وصال کے بعد اسلامی اخوت تو رہی ایک طرف جذبۂ دینی ایک طرف ملکی اور "
" غیر ملکی کے تباہ کن احساسات نے مدرسہ کو اس حال پر پہنچا دیا کہ اس کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب ہے "
" خدا اپنے حبیب کے تصدق سے اس کو اعداء کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے" مطلع الانوار ص

تغیرات اور انحطاطی دور کا آغاز جناب مفتی صاحب موصوف کے عہد میں بعض اہم تغیرات کا سلسلہ رہا۔ مولانا مولوی محمد رکن الدین صاحب نظامت مدرسہ اور مولوی صفی الدین صاحب معتمدی مدرسہ سے سبکدوش کردیئے گئے ان کی جگہ مولوی مفتی سید محمود صاحب ناظم اور غلام احمد صاحب محاسب جنگ معتمد مقرر ہوئے مولوی حکیم محمد وحید الدین صاحب عالی مفتی محمد عبد اللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ اور مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب کا انتخاب رکنیت انتظامی کی خدمت پر عمل میں آیا اس عہد سے مدرسہ نظامیہ کی ترقی میں سرعت پذیر تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی اور اسی زمانہ سے جامعہ نظامیہ کے ہمدرد اور علم دوست علماء (ناظم، مہتمم) یکے بعد دیگرے علیحدہ ہوتے گئے۔ آخر مولوی مفتی سید محمود صاحب اور مولوی حکیم محمود احمد صاحب جو اس مدرسہ کے حقیقی بہی خواہ اور ہمدرد تھے وہ بھی علیحدہ ہوئے ان دونوں کی خدمت پر میر مجلس صاحب مدرسہ نے حافظ محمد ولی صاحب سابق مہتمم جیل گلبرگہ کا جامعہ نظامیہ جیسے عالیشان درسگاہ کے خدمت نظامت پر انتخاب فرمایا۔ سچ پوچھو تو اس عہد سے مخالفین کو مخالفت کا موقع ملا۔ اور مدرسہ نظامیہ کی علمی شہرت و ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے سنہ ۱۳۴۳ھ میں جناب مفتی صاحب مستعفی ہوگئے تو اس کا تعلق نواب محاسب جنگ معتمد جامعہ کے تفویض ہوا۔

جامعہ نظامیہ کا چوتھا دور چونکہ جناب مفتی صاحب کے عہد میں مولوی محمد ولی صاحب کا تقرر خدمت نظامت پر ہوچکا تھا اس لئے معتمد صاحب جامعہ نے اس خدمت پر کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ علی حالہ محمد ولی صاحب ہی فائز رہے مولوی محمد ولی صاحب ایک دفتری شخص تھے انھیں تعلیم سے متعلق کوئی تجربہ نہ تھا کیونکہ ان کی عمر کا انتہائی حصہ سرکار عالی میں دفتری خدمت پر صرف ہوا۔ افسوس ہے کہ ان کی ماموری سے مدرسہ نظامیہ کو بیحد نقصان پہنچا اور پہنچایا گیا۔ معتمد صاحب موصوف کے عہد میں اقامت خانہ اور امتحانات کے قواعد مرتب و نافذ ہوئے۔ عملہ دفتر کی زیادتی ہوئی مدرسہ کو کوئی ترقی نہیں ہوئی اس عہد میں مجلس شوریٰ کے حسب ذیل ارکان تھے :-

۱- مولوی غلام احمد محاسب جنگ بہادر معتمد

۲- مولانا محمد عبد القدیر صاحب صدیقی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ رکن

۳- مولوی سید وحید باد شاہ صاحب قادری رکن

۴- مولوی سید پیراں قادری صاحب بی- اے-

محاسب جنگ بہادر کے عہد میں مدرسہ نظامیہ کی اصلاح و ترقی سے متعلق متعدد تحریکات اخبارات میں شائع ہوتے رہے ایڈیٹر صاحب رہبر دکن نے کئی مرتبہ ایڈیٹوریل اوٹ لکھے ملک کے تمام نظامئین ایک مرکز پر جمع ہوئے- اس طرح ۱۳۳۶ف میں انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کی تنظیم عدید عمل میں آئی یہ انجمن کسی ذاتی اغراض کے تحت قائم نہیں کیگئی بلکہ اس کے مقاصد میں اصلاح و ترقی جامعہ نظامیہ کا عنصر غالب تھا و نیز اصلاح مسلمانان اس کا اہم نصب العین تھا جس کی اس وقت ملک میں سب سے زیادہ ضرورت ہے- چنانچہ اس تاریخ سے ملک میں اس تحریک کو عام مقبولیت نصیب ہوئی اور انجمن نے اس تھوڑے سے وقت میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ملک میں احساس اور افراد ملک کے پژمردہ جذبات میں اشتعال پیدا کرادیا جس کا نتیجہ ہے کہ آج ملک کا ہر فرد جامعہ نظامیہ سے ہمدردی اور تعاون کو اپنا فرض تصور کرتا ہے- نواب محاسب جنگ مرحوم کا بتاریخ ۱۳۳۹ف انتقال ہوا ہمدردان جامعہ نظامیہ اور اراکین جامعہ کے مشوروں سے نواب فخر یار جنگ بہادر کی میر مجلسی اور نواب محمد یار جنگ کی معتمدی کیلئے سرپرست جامعہ حضرت اقدس و اعلیٰ کے ملاحظہ میں معروضہ پیش کیا گیا جس کو منظوری کا شرف حاصل ہوا- چنانچہ اس روز سے جامعہ نظامیہ کی زندگی میں ایک نئی روح پیدا ہوئی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ میر مجلس انتظامی جامعہ میں بالالتزام فارغین نظامیہ کی شرکت اور ان کی نمائندگی لازمی اور ضروری قرار دیگئی-

جامعہ نظامیہ کا پانچواں دور | حسب فرمان خسروی جامعہ نظامیہ کی خدمت میر مجلسی پر نواب فخر یار جنگ بہادر صدر المہام فنیانس کا تقرر عمل میں آیا- آپ کے عہد میں حسب ذیل انتظامی ارکان منتخب ہوئے-

۱- مولانا محمد عبد القدیر صاحب صدیقی (۲) مولانا سید وحید باد شاہ صاحب قادری
مولوی (۳) نظامئین کی جانب سے مولانا مفتی محمد رحیم الدین صاحب (۴) مولانا سید محمد باد شاہ صاحب

قادری (۵) مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب (۶) نواب محمدؐ یار جنگ بہادر معتمد مدرسہ۔

اس عہد میں بھی ایک طویل عرصہ تک محمد ولی صاحب ہی نظامت کی خدمت پر رہے۔ مدرسہ کے نصاب میں تبدیلی ہوئی۔ قواعد امتحانات کی ترتیب عمل میں آئی۔ اسناد نظامیہ کا ایک حد تک مناسب تصفیہ عمل میں آیا ملازمین مدرسہ کے وظیفہ حسن خدمت کی کارروائی طے کیگئی لیکن مدرسہ نظامیہ میں جو روح پیدا ہونی تھی وہ نہیں ہوسکی اور نہ مدرسہ کی سابقہ شہرت علمی واپس آئی۔ غرض یہ عہد بھی ایسا کامیاب نہیں رہا جیسی توقع تھی۔

اس میں شک نہیں ہمارے نواب فخر یار جنگ بہادر نہایت محتاط اور دوراندیش بزرگ ہیں۔ اور ہر وقت موصوف کو مدرسۂ نظامیہ کی ترقی کا خیال رہا لیکن فنیانس کے کاروبار سے اتنی فرصت نہیں ملی کہ جس کے سبب وہ مدرسہ کے کاروبار میں زیادہ حصہ نہیں لے سکے۔ دوسری وجہ یہ بھی کہ نواب صاحب موصوف کی صحت اچھی نہیں رہی غرض چند ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ جس کی وجہ سے مدرسہ نظامیہ کے مقاصد واغراض میں وسعت نہیں ہوئی۔ آپ کے مبارک عہد میں بضمن سلور جوبلی جامعہ نظامیہ کی جانب سے حضرت جلالت مآب شاہ دکن و برار کے ملاحظہ میں "شمس الملت والدین" جیسے الفاظ کے اضافہ کی خواہش کیگئی جو منظور ہوئی۔ آخر اوائل سال ۱۳۴۹ف میں خدمت مجلسی سے مستعفی ہوگئے۔

کتب خانہ | حضرت بانی علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۲ھ م ـــــ میں اساتذہ اور طلبہ کی ضروریات کے لئے ایک کتب خانہ قایم فرمایا اور اس کا نام امداد المعارف تجویز فرمایا جس میں علوم وفنون کے بہت سے نوادر وذخائر علمی فراہم و جمع کیئے گئے ہیں جو اپنی نوعیت میں انمول ہیں اسی کتب خانہ میں مجالس[1] طلبہ کے کتب خانے بھی ضم کردئے گئے اس کے علاوہ درسیات کا بھی کتب خانہ ہے۔ جہاں سے طلبہ کو درسی کتابیں پڑھنے کے لئے دی جاتی ہیں جس میں ہر فن کے متعدد نسخے موجود ہیں

کتب خانہ دارالافتاء | اس کتب خانہ میں فقہ مذاہب اربعہ کے مستند اور معتبر فتاوے موجود ہیں جن سے حضرت مفتی صاحب کو ترتیب فتاوی میں مدد ملا کرتی ہے یا وہ طلبہ جو تحقیقاتی کام انجام دیتے ہیں ان کے لئے اس کتب خانہ کی کتابیں کارآمد اور مفید ہوتے ہیں۔

جامعہ نظامیہ کی آمدنی | جامعہ نظامیہ کی ابتدا ہی توکل علی اللہ پر ہوئی۔ اس لئے ایک عرصہ تک

(باقی آئندہ)

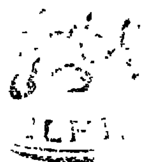
۱۔ انجمن معراج الاسلام۔ انجمن مخزن الانوار

شعبان ۵۹ھ

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ترجمان

مجلۂ نظامیہ

۶(۱۲)



مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین (نظامیہ)

معتمد انجمن طلبۂ قدیم جامعہ نظامیہ

۱۳۵۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلہ نظامیہ

سالانہ چندہ ۔ ۴ر سے

رعایتی ۴ر عہ

مقام اشاعت ۔ حسینی علم حیدرآباد دکن

فہرس

جلد (۴) آبان ۱۳۴۹ف م شعبان ۱۳۵۹ھ عدد (۱۲)

داغ جگر

یہی حسن و عشق کا راز ہے کوئی راز اس کے سوا نہیں
کہ خدا نہیں تو خودی نہیں جو خودی نہیں تو خدا نہیں

جو مسرتوں میں خلش نہیں جو اذیتوں میں مزا نہیں
ترے حسن کا بھی قصور ہے مرے عشق ہی کی خطا نہیں

مرے جذبِ عشق پہ تہمتیں مجھے بے بسی کا گلہ نہیں
ترے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں

مرا ذوق بھی مرا شوق بھی ہے بلند سطحِ عوام سے
ترا ہجر بھی ترا وصل بھی مرے دردِ دل کی دوا نہیں

جسے میں بھی خود نہ بتا سکوں مرا راز دل ہے وہ راز دل
جسے غیر دوست سمجھ سکے مرے ساز میں وہ صدا نہیں

یہ طریقِ جہد ہے خوب تر، مگر آہ واعظِ بے خبر
اُسے سازگار ہو زہد کیا جسے معصیت بھی روا نہیں

وہی ربطِ عشق و جمال ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہے
یہ سمجھ تجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہیں

وہی بزم ہے، وہی اہل بزم مگر آج ہے مرا حال کیا
یہ گمان ہے کہ حقیقتہً کوئی اور تیرے سوا نہیں

مرے درد میں یہ خلش کہاں مرے سوز میں یہ تپش کہاں
کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں

وہ ہزار دشمن جاں سہی، مجھے پھر بھی غیر عزیز ہے
جسے خاکِ پا تری چھو گئی وہ برا بھی ہو تو برا نہیں

مرے شعر میں بھی نزاکتیں مری نظم میں بھی لطافتیں
مری فکر میں کہیں اے جگر ادبِ لطیف کی جا نہیں

(معارف) از حضرت جگر۔

متحدہ قومیت

آجکل کانگریس اور مسلم لیگ کے باہمی نزاع کی وجہ سے متحدہ قومیت اور مشترکہ پلیٹ فارم کا مفہوم غلط طور پر لیا جارہا ہے اور بعض خود غرض اصحاب اس تصور میں ہیں کہ کسی طرح ہندوستان میں متحدہ قومیت کا تصوّر قایم نہ ہو۔

ایک مرتبہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے دہلی کے ایک جلسہ میں متحدہ قومیت کا ذکر کیا تھا۔ اخبار میں غلط سلط رپورٹ شائع ہونے پر ملک میں ناراضگی کا ہنگامہ پیدا ہوا، مولانا نے متعدد مرتبہ متحدہ قومیت کے مفہوم کو واضح طور پر بیان کرنے کی سعی کی جو طبقہ سنجیدہ اور شائستہ تھا وہ اس مفہوم سے واقف ہوگیا۔

جونپور کے اجلاس جمعیتہ العلماء میں مولانا نے جو خطبہ صدارت پڑھا ہے اس کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ متکلم کے بیان سے اس کا مطلب متعین کیا جائے تو یہ سب سے بہتر ہوگا۔

ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونیکے ایک اشتراک رکھتے ہیں جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلافات ذاتوں اور صفتوں کے تباین، رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا، اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اس کیلئے جد وجہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا اس کیلئے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے اگر آگ لگنے کے وقت تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائینگے سیلاب آنے کے وقت تمام گاؤں کے بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام گاؤں برباد ہو جائیگا اور سبھی کیلئے زندگی وبال ہو جائیگی اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اوس کو دور کرنے کی جد وجہد کریں۔ اس اشتراک وطنی کے سب پر یکساں فرائض عائد ہوتے ہیں مذاہب کے اختلاف سے اس میں

کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی ہر ایک مذہب پر پوری طرح قایم رہ کر اپنے فرائض انجام دیسکتا ہے، یہی اشتراک میونسپل بورڈوں کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے اور مختلف ملتوں کے ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ "متحدہ قومیت" کے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں یوروپین لوگ قومیت متحدہ کے جو معنی مراد لیتے ہیں اور جو کانگریسی اشخاص انفرادی طور پر معانی بیان کرتے ہوں ان سے یقیناً جمعیۃ العلماء بیزار اور تبری کرنیوالی ہے (۱)

متحدہ قومیت کے اس تصور کے بعد کوئی اور سوال ایسا باقی نہیں رہتا جو اس کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کرے۔

جس طرح ہر شخص کو اپنا فائدہ اور نقصان پر غور کرنے کا حق ہے اسی طرح ہر جماعت کو بلکہ ہر قوم کو اپنی تہذیب و تمدن کی حفاظت اور اس کی ترقی کا حق حاصل ہے مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ہندو مسلمانوں کے تہذیب کی حفاظت کریں یا ہندوؤں کا یہ کہنا کہ مسلمان ان کے تہذیب کی حفاظت کریں یہ دوسرے سوالات ہیں جو آپس کے اتحاد و اتفاق پر منحصر ہیں لیکن جہانتک متحدہ قومیت کا تصور ہے یا متحدہ قومیت کی قوت سے وطن کی حفاظت اور اس کی ترقی کا سوال ہے ہندوستان میں بسنے والے تمام قوموں کا اس میں اشتراک اتفاق اور اتحاد کا ان میں پایا جانا از بس ضروری ہے بلا اشتراک کے کوئی ملک ترقی نہیں پاسکتا۔

جو صورت حال اس وقت ملک میں ہندو اور مسلمانوں کی پیدا ہو گئی ہے وہ کسی طرح اطمینان بخش نہیں اس باہمی ہنگامہ کی وجہ سے دونوں کے تعلقات باہمی میں ایک قسم کی بدعنوانی پیدا ہو رہی ہے جو ہر حال میں دونوں کیلئے خالی از ہلاکت نہیں۔

ان اسباب پر جو ان دونوں کے باہمی اختلافات سے متعلق ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں کے رہبران قوم جو اتفاق سے طبقہ وکلاء سے ہو گئے ہیں ان کی خود غرضانہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ملک میں اس قسم کی صورتیں پیدا ہو گئیں، اگر آج قوم کی قیادت کا بار ان کے کندھوں پر نہ ہوتا تو کبھی بھی ملک میں قوموں، جماعتوں، خاندانوں، میں اس قسم کی تباہیاں نہیں پیدا ہوتیں آج کتنے خاندان اور کتنے گھر ایسے ہیں جو ان ناخدایان قوم کے ہاتھ مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں، فاعتبروا یا اولی الابصار

آزاد حیدر آباد

مولوی مظفر بیگ صاحب مالک مطبع ابراہیمیہ حیدر آباد دکن ایک پر جوش اور با عمل بزرگ ہیں، موصوف کا ہمیشہ خیال مسلمانوں کی ترقی کے ساتھ ملک و مالک کی ترقی کا بھی رہا ہے اور ہر تعمیری کام میں باعتبار عمل دوسروں سے آگے رہنے کی ہر وقت کوشش آپ کے خصوصیات سے ہے آزاد حیدر آباد کی اشاعت آپ کے نیک ارادوں کو تبلا رہی ہے کہ مادر وطن کا مخلص ملک کی آزادی اور اس کی خوشحالی کا آرزومند ہے۔

زیر بحث کتاب میں دکن کی سیاست داخلہ اور خارجہ سے متعلق کم از کم (۲۰) اہم مسائل پر نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے ہوئے مفید اور کار آمد مضامین کو جمع کیا گیا ہے۔

جو اصحاب وکہنی سیاست یا حیدر آبادی سلطنت کو بیرونی دراز دستیوں سے مصئون اور محفوظ رکھنے کا خیال رکھتے ہیں یا وہ اصحاب جو حیدر آباد کو ہر حیثیت سے خود مختار دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

عصر جدید کے انقلاب انگیز دور میں ہر حیدر آبادی کیلئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ملک کی سیاسیات سے ہر وقت واقف رہے تاکہ مستقبل کے خطرات سے محفوظ رہ سکے اس حیثیت سے آزاد حیدر آباد کا مطالعہ ہر محبّ وطن کیلئے نہایت ضروری ہے امید ہے کہ ملک اس کتاب کا خاطر خواہ خیر مقدم کریگا، ہر گھر اور کتب خانہ ان نایاب مضامین سے خالی نہ رہے گا۔ قیمت ۱۲ر ہر کتاب فروش سے یا مکتبہ نظامیہ حسینی علم سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

دفتر دیوانی و مال و ملکی سرکار عالی حیدر آباد دکن } شائع کردہ دفتر مذکور۔ تقطیع متوسط صفحے ۲۸۱ کاغذ نفیس آرٹ پیپر قیمت پانچ روپیہ۔

دکن کی تاریخ میں ۱۱۳۲ھ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس سال دکن کو خود مختاری نصیب ہوئی اور ہندوستان میں دکن کی حیثیت ایک مطلق العنان حکمرانی کی قرار پاتی ہے۔

اعلان آزادی کے بعد حضرت آصفجاہ اول علیہ الرحمہ نے دکن کا نظم و نسق وہی رکھا جو سلطنت مغلیہ میں رائج تھا اور سلطنت مغلیہ کے نمونے پر دفتر دیوان بھی رکھا اس وقت ملک

دفتر دیوانی اور مال کے نام سے دو شعبوں میں منقسم کیا گیا تھا، پہلا شعبہ صوبہ اورنگ آباد۔ برار بیجاپور۔ اور برہان پور سے متعلق تھا، ان ہر دو شعبوں میں فوجی اور مالی انتظامات کے پائے جاتے تھے بعد میں ذیلی امور کی تکمیل کے لئے اور دفاتر بھی قایم ہوئے اور یہ سب دفتر دیوانی کے ماتحت تھے۔

بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ اس دفتر کی ابتدائی تنظیم عمل میں آئی اور اس کا تعلق رائے رایان کے خاندان سے رہا اور نواب سالار جنگ بہادر کے عہد وزارت میں اس دفتر سے انتظامی کاروبار کا تعلق منقطع ہوگیا صرف اس دفتر سے عطایائے جاگیر وانعام اور اجرائی اسناد و تصدیق اسناد وغیرہ کا تعلق رہا اور حسب الحکم سرکار ۱۳۱۱ف میں یہ دفتر فینانس میں منتقل ہوگیا اور مستقل طور پر ایک علیحدہ دفتر بنام دفتر دیوانی ومال وملکی قایم کیا گیا اور حسب ذیل شعبوں کو اسی دفتر میں ضم کردیا گیا۔ دفتر دیوانی۔ دفتر مال۔ دفتر ملکی۔ دفتر دارالانشاء۔ دفتر استفتاء۔ دفتر مناصب وخطابات۔ دفتر مواہیر۔ دفتر سلاطین مغلیہ۔ غرض اس وقت دفتر دیوانی ومال ان (۸) دفاتر کے مجموعہ کا نام ہے اس دفتر کی جانب سے زیر تذکرہ کتاب شائع ہوئی ہے جو اس دفتر کے مطبوعات کی پہلی کتاب ہے۔

زیر بحث کتاب کے ابتدائی حصے میں اس امر کو بھی تبلایا گیا ہے کہ "اس دفتر کو نہ صرف اسناد ہی ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے بلکہ ان میں تاریخی خزائن علوم کے ذخیرے بھی ہیں جو اپنی قدامت اور نوعیت کے لحاظ سے بے نظیر ہیں دفتر کی ان اقسام وعنوانات کے متعلق ایک مفصل فہرست اور مکمل کتاب زیر ترتیب ہونا تبلایا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں قسم کی فہرستیں چھپ جائیں تو تاریخ دکن اور تاریخ ہند کے محققین کیلئے زیادہ بیش قیمت ہوں گے، اور یقین ہے کہ ان کی اشاعت سے ایک جدید تاریخ کے لکھوائی کی بنیاد قایم ہوجائے گی۔

زیر بحث کتاب میں جتنے اقسام کے کاغذات ہیں ان کی تعداد ۸۲ تک پہنچی ہے، ان ۸۲ کاغذات میں بعض کاغذات کے بلاک بھی چھاپے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ ہمارے اسلاف باوجودیکہ دنیا کے انتہائی عروج وکمال پر پہنچے ہوئے تھے لیکن ملک اور ملت کے تمام احوال سے واقف اور باخبر رہا کرتے تھے یہاں تک کے گھر کے اخراجات کی جب کبھی

فہرست پیش ہوتی اس کو ملاحظہ کرتے اور اس پر شرحیں لکھا کرتے تھے زیر بحث کتاب میں سلاطین وقت اور ارباب حکومت کے خطوط کے بلاک بھی نفاست کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں جس سے اس عہد کے کمال فن خطاطی کا مظاہرہ بھی ہوسکتا ہے ونیز وقائع نگاری اور اخبارات سے متعلق بھی اس وقت سے لیکر شاہجہاں کے زمانہ تک بتلائے گئے ہیں ان تمام روزنامچوں میں ملک کے عام حالات انتظامی اور سیاسی معاملات سے متعلق سب امور شریک ہیں جس کے دیکھنے سے یہ اندازہ قایم ہوسکتا ہے کہ عہد قدیم میں بھی خفیہ معاملات کی تلاش اور جستجو کو زیادہ اہمیت رہی ہے اور سلطنت کے انصرام میں خفیہ جستجو کا زیادہ حصہ رہا ہے۔ غرض زیر تذکرہ کتاب جس کو مولوی خورشید علی صاحب کی ہدایت اور نگرانی میں چھپی ہے اپنے اندر گراں مایہ علمی وتاریخی مواد رکھتی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی نگرانی میں یہ سررشتہ خاطرخواہ ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچ کر وہ تمام تاریخی اور علمی جواہر ریزوں کو دنیا کے سامنے پیش کریگا جس کا وہ مستحق ہے۔ بلحاظ طباعت واہتمام جو قیمت اس کتاب کی رکھی گئی ہے وہ زیادہ نہیں ہے لیکن کاغذ کے متعلق اس قدر لکھا جاتا ہے کہ گو کاغذ آرٹ پیپر ہے شکن پڑنے کا اندیشہ ہے پائیداری میں قوی نہیں۔ جس طرح یہ محکمہ تاریخ میں قدیم اور یادگاری ہے اگر اسی طرح اس کے تمام مطبوعات پائدار کاغذ (دیسی کاغذ) پر چھپنے کا نظم ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آخر میں مولوی سید خورشید علی صاحب کی اس محنت وجانفشانی پر مبارک باد دیجاتی ہے کہ موصوف کی انتھک کوششوں کی وجہ سے زیر بحث کتاب کا ظہور ہوا، اور توقع ہے کہ قریب میں تشنگان تحقیق کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے وعدوں کی تکمیل جلد سے جلد ضرور کیجائیگی

ترانۂ دکن

خدا کا شکر ہے یکجا یہاں ہندو مسلماں ہے!
یہ وہ صحن گلستان ہے جو رشک باغ رضواں ہے

رہیں گرم عمل سیوا میں اپنی دیس ماتا کی
جئیں باہم، مریں باہم یہی ہر اک کا ارماں ہے

بقاء زندگی کا راز ہے پوشیدہ ایکے میں
کتاب زندگی کا ورنہ شیرازہ پریشاں ہے

تو ہی ہے خالق عالم تو ہی ہے سب کا ان داتا
ہمیشہ سر جھکانا تیرے آگے فرض انساں ہے

ملادے مقصد واحد کی خاطر اے خدا ہم کو!
ہمارے درد کا یارب امید افزا ئیدماں ہے

رہے اونچا ہمارے ہاتھ میں یہ آصفی پرچم
دکن میں جس کے زیر سایہ ہر ہندو مسلماں ہے

ہماری کوششوں کو بامراد وکارگر کردے
خدایا دامنوں کو گوہر مقصود سے بھردے
(خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ)

محمد عبد السلام زکی بی۔ اے (عثمانیہ)

اسلام اور نسوانی حقوق

اسلام نے جس وسعت سے نسوانی حقوق کی حفاظت کی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی اور مذہب اور مکاتب میں نہیں مل سکتی۔ شہریور ۱۳۴۷ف سے اس خصوص میں ایک وسیع معلومات کا تحقیقی مضمون شائع کیا جا رہا ہے جو ہر حیثیت سے مفید اور کار آمد ہے۔ (مدیر)

معاملات میں مجہول شئی کا اقرار اور اس کی اہمیت | جس طرح معاملات میں مجہول شئی کا اقرار صحیح نہیں اسی طرح نکاح اور طلاق میں بھی صحیح نہیں۔ ذیل میں اس قسم کی چند صورتیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی عورت یہ کہے کہ میں نے فلاں سے نکاح کی اور اس نے مجھ کو طلاق دیدیا۔ یا یہ کہے وہ وفات پا گیا ہے ایسی صورت میں عورت کا قول اسلئے صحیح سمجھا جائیگا کہ اس نے مجہول شئی کا اقرار کیا ہے لیکن اس کے قول کی بناء پر کوئی احکام اجرا نہیں کئے جائیں گے۔

۲۔ اسی طرح اگر ایک شخص ایک لونڈی خریدے، اور لونڈی کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ صاحب شوہر ہے لیکن بائع نے کہا اس کا شوہر تو تھا مگر اس نے اس کو طلاق دیدی ہے ایسی صورت میں مجہول شئی کے اقرار کی وجہ سے مشتری (خریدار) لونڈی کو واپس کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

۳۔ ایک شخص نے کہا کہ میری ایک منکوحہ عورت ہے مگر میں نے اس کو طلاق دیدیا ہے جواب میں اس کی عورت نے کہا کہ اس کو میرے سوا کوئی اور عورت نہیں ایسی صورت میں بھی اس کی موجودہ بیوی پر طلاق کا قاعدہ جاری نہ ہوگا۔

۴۔ ایک عورت عدالت میں درخواست پیش کی کہ میں نے (فلاں سے) نکاح کی اور اس نے مجھ کو طلاق دیدیا، ایسی صورت میں عورت کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے واقعہ صحیحہ (نکاح) کا اقرار کر دی ہے۔

۵۔ بعض اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص حاضر ہوتا ہے اور عدالت میں عورت کے اقرار (نکاح) کی تصدیق کرتا ہے، ان دونوں کے اقرار سے نفس نکاح تو ثابت ہو جاتا ہے اور عورت اس حق کو باطل کرنے کی نیت سے حصول طلاق کی کوشش کرتی ہے مگر اس کا دعویٰ بلا شہادت

قابل قبول نہ ہوگا۔

بچہ کی پرورش سے ماں کا انکار کرنا اور اس کا انتظام | اوس کے اوپر بیان کردیا گیا ہے کہ بچوں پر ماں کو حق حضانت حاصل ہے اگر وہ اپنے اس حق سے انکار کرے تو وہ مجبور بھی نہیں کیجائیگی انکار کی حالت میں یہ دیکھا جائیگا کہ بچہ کی نانی ہے یا نہیں اگر نانی ہو تو بچہ نانی کے زیر پرورش رہیگا کیونکہ ماں کے عدم موجودگی یا وفات پانے کی صورت میں نانی کو حق حضانت حاصل ہے اور اگر نانی کی موجودگی میں دادی بھی ہو تو نانی کو بوجہ قرابت قریبہ (ماں) ترجیح حاصل ہوگی۔ باوجود اس کے کہ بعض اوقات میراث میں دادی اور نانی دونوں مساوی ہوں لیکن دادی کو نانی کی موجودگی میں حق حضانت حاصل نہیں۔

باپ کے بعد بچوں کا نفقہ کس پر ہوگا | باپ کے وفات کی وجہ سے چھوٹے بچہ کا نفقہ ماں اور محارم پر ہوگا۔ مثلاً چھوٹے بچہ کا حقیقی بھائی اور ماں موجود ہو تو ایک ثلث ماں پر اور دو ثلث بھائی پر ہوگا یہ تقسیم جو قایم کیگئی ہے وہ بچہ کی وراثت پر ہے اگر بچہ فوت ہوجائے تو اس کا متروکہ اسی قاعدہ پر تقسیم کیا جائیگا۔

اور ماں بچہ کی زیر نگران اور زیر پرورش رہیگا اسلئے اس کا حصہ ساقط ہوگا اور باقی دو حصے بڑے بیٹے سے حاصل کرے گی اس سلسلہ میں فقہا کی یہ بھی رائے ہے کہ بچے کے بھائی پر جو نفقہ مقرر کیا گیا ہے وہ خوراک اور لباس کے حد تک ہے۔ دودھ اور رضاعت کی اجرت کا جملہ بار ماں پر ہوگا کیونکہ وہ اس امر میں مختار ہے اور اس کا بڑا بچہ مفلس کے مانند ہے۔

نفقہ کی واپسی | باپ کا یہ کہنا کہ بچہ کی ماں نفقہ حاصل کرتی ہے لیکن وہ بچہ پر خرچ نہیں کرتی واپس دلایا جائے۔

اسلام میں ماں کی حیثیت بچہ اور اس کے نفقہ کی حد تک امین کی ہے پہلے امین پر خیانت کا دعویٰ بلا شہادت نہیں ہو سکتا اسلئے مدعی کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا۔

مدعی کا دوبارہ عدالت سے اس طرح درخواست کرنا کہ وہ اس کے ہمسایوں سے اس کے حالات دریافت کرے۔ تب عدالت عورت کے ایسے پڑوسیوں سے جو اس کے مکان میں آمد و رفت کرتے ہیں، اون سے دریافت کرے گی اور قاضی کو اس قسم کا نہ صرف اختیار حاصل ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے جان و مال اور اموال کا ناظر بھی ہے اس لحاظ سے دریافت میں دعویٰ کی تصدیق ہوجائے تو قاضی مدعی علیہ کے اس عمل کو روکنے کا مجاز ہوگا۔ اگر نفقہ کے متعلق میاں بیوی میں جھگڑا پیدا ہوجائے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ خود روزانہ مقررہ نفقہ شوہر سے حاصل کرکے اس کی بیوی کو دیا کرے یا ایک معتبر شخص کے (باقی)

قومی تائید سے چلتا رہا۔ ۴ ۲ جمادی الاول ۱۳۰۹ھ میں سرکار عالی کی جانب سے پچاس ماہوار جاری ہوئی [1] اسی طرح ۱۳۱۰ھ میں ایکسو اور ۱۳۱۲ھ میں اور ایکسو جملہ دوسو ماہوار کی امداد جاری ہوئی اور ۱۳۱۵ھ میں مزید پانچسو جملہ سات سو کی امداد جاری ہوئی اور ۱۳۲۱ھ میں جبکہ اعلیحضرت جلالتمآب شمس الملت والدین کی فیاضانہ نظر پڑی تو اسکی ماہوار امداد دوہزار تک کردی گئی حضرت بانی علیہ الرحمہ کی آخری تحریک اضافہ بھی بعہد میر مجلسی نواب صدر یار جنگ بہادر منظور فرمائی جاکر جملہ ڈھائی ہزار امداد ماہوار قرار دیگئی جس کی وجہ سے اس دینی جامعہ کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔

چونکہ ڈھائی ہزار کی امداد اس جامعہ کی ضروریات کیلئے غیر مکتفی ہورہی تھی۔ مولوی محمد احمد صاحب کے میر مجلسی کے عہد میں اضافہ کے متعلق ذریعہ فرمان مبارک مزینہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ یہ فرمان شرف صدور لایا کہ صیغہ فینانس کی رائے پیش ہو جس کی بناء پر سررشتہ فینانس نے مولوی خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی ومال کو مدرسہ نظامیہ کی تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا اور بعد تحقیقات صاحب

خورشید علی کمیٹی | موصوف نے اپنی رپورٹ میں اس امر کو ظاہر کیا کہ مدرسہ نظامیہ کی انتظامی حالت ضروری اصلاحات اور توجہ کے قابل ہے۔ عملہ تدریس سرکار کی توجہ کا مستحق ہے اس مدرسہ کو سرکاری کردینا اس کی حفاظت اور استحکام کا موجب ہوگا اس یادداشت پر محکمہ فینانس نے ذریعہ عرضداشت ۹ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ بارگاہ جہاں پناہی میں عرض کیا کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں مذہبی تعلیم کی گنجائش کے کل مسئلہ کیلئے ایک کمیٹی کا انعقاد ضروری ہے تاکہ مذہبی تعلیم کے لئے کوئی مکمل اسکیم مرتب کیجاکر نافذ کیجاسکے چنانچہ اس خصوص میں بارگاہ خسروی سے ذریعہ فرمان مبارک مزینہ ۴ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ یہ حکم محکم شرف صدور لایا کہ:۔

اس عام مسئلہ پر غور کرنے کے لئے حسب ذیل اراکین کی ایک کمیٹی بنائی جائے۔

شیروانی کمیٹی | (۱) مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی صدر نشین

(۲) ناظم امور مذہبی رکن (۳) نائب ناظم تعلیمات رکن (۴) پرنسپل جامعہ عثمانیہ

(۵) مولوی محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی رکن (۶) مولوی خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی ومال رکن

---

(۱) اجرائی امداد کی ابتدائی کارروائیوں میں نواب عماد الملک مرحوم ناظم تعلیمات سرکار عالی کا بھی خاص حصہ رہا ہے کیونکہ نواب صاحب موصوف کو عربی تعلیم سے خاص شغف تھا اس لئے موصوف نے جامعہ نظامیہ کی امدادی کارروائی میں ہروقت ممکنہ مدد فرمائی۔

متذکرہ صدر کمیٹی کے متعدد اجلاس ہوئے بالآخر ۳۰ شہریور ۱۳۴۳ف کے اجلاس میں قرار پایا کہ (۱) جامعہ نظامیہ کی موجودہ حالت تعلیمی اور انتظامی بالکل درست نہیں ہے۔ فوری اصلاح کی محتاج ہے (۲) جامعہ کو سرکاری کردیا جائے (۳) جامعہ کے انتظام کے لئے بورڈ آف گورنرس قایم کیا جائے، جس کے ارکان حسب ذیل ہو۔

۱۔ صدر الصدور (۲) مفتی صاحب عدالت العالیہ (۳) معتمد صاحب فینانس (۴) ناظم صاحب تعلیمات (۵) ایک عالم جدید حیدرآباد کے علماء سے (۶) سابق طلبہ جامعہ نظامیہ میں سے ایک عالم۔

۴۔ بورڈ آف گورنرس کے ارکان مسلمان ہونے چاہئیں اگر کوئی غیر مسلم ہو تو ان کی جگہ محکمہ مذکور کے دوسرے مسلمان حاکم کا انتخاب ہو۔

۵۔ اس کمیٹی کی رائے میں مولانا فضیلت جنگ ؒ نے جس اصول پر جامعہ کو قایم فرمایا تھا وہ ہمیشہ پیش نظر رکھے جائیں۔

سنا گیا کہ اس کارروائی کا ہنوز کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔ باوجود اس کے کہ فینانس نے بھی اصولی طور پر رپورٹ سے اتفاق کرلیا ہے لیکن ابھی تک بارگاہ جہاں پناہی میں پیش نہ ہوسکی جس کو (۸) سال کا عرصہ ہوتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمدردان تعلیم جامعہ نظامیہ نے اپنی درخواست کے ذریعہ حکومت سے استدعا کی تھی کہ مدرسہ نظامیہ کے ابتدائی اور انتہائی دور میں قوم کی اعانت رہی ہے اور قومی عانت ہر طرح سرکاری اعانت کے مقابل میں زیادہ رہی ہے اس اعتبار سے مدرسہ کی حیثیت سرکاری قرار نہ دیجائے بلکہ اس کو قومی حیثیت سے باقی رکھا جائے۔ سنا گیا کہ حکومت نے صدر مدرسہ نواب فخر یار جنگ بہادر سے اس خصوص میں رائے طلب فرمائی تھی[1] مگر نواب صاحب نے اپنی کوئی رائے نہیں دی اور آخر بہمن ۱۳۴۵ف میں خدمت میر مجلسی مدرسہ اور فینانس سے مستعفی ہوگئے۔

انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

مقاصد جامعہ نظامیہ کی ترقی اور توسیع کی غرض سے جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل اصحاب نے ایک مجلس یعنی یہ انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ قایم کی اس مجلس کے مقاصد میں ترقی جامعہ نظامیہ

۱۔ اخبار رہبر دکن بہمن ۱۳۴۹ف

علاوہ ترقی ملک وملت کے اجزا بھی شریک ہیں۔

اس مجلس کی تنظیم جدید ۱۳۳۶ف میں عمل میں آئی اس تاریخ سے فارغین نظامیہ میں نہ صرف ملک وملت کی خدمت کا خاص طور پر احساس پیدا ہوا بلکہ ان کے پژمردہ جذبات میں اشتعال پیدا ہوا۔ نظامیہ برادری کی تنظیم شروع ہوئی جس کا نتیجہ ہے کہ ملک پہلے سے زیادہ نظامئین کے خدمات سے واقف ہوا، اور آج ان کے ساتھ تعاون عمل کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ ذیل میں نظامئین کے تعلیمی اور سیاسی خدمات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے جس سے جمعیتہ کی کارگزاری وکاردانی کا صحیح علم ہو سکیگا۔

جامعہ نظامیہ کی موجودہ حالت اور اس کی اصلاح

جامعہ نظامیہ کی موجودہ حالت کا اگر اندازہ کرنا چاہتے ہو تو ایک مریض جان بلب کے بستر مرگ کو دیکھو یا پرانے کھنڈروں کو دیکھو جہاں کی بہت سی دیواریں گر چکی ہیں اور جو کچھ باقی ہے وہ بھی گرنے کے قریب ہے ظاہر میں مدرسہ ہے، مدرسین ہیں، طالبعلم ہیں مگر نہ کوئی تعلیمی روح ہے اور نہ نفخ روح کرنے والا ہے۔ جس کے اندر کسمپرسی تباہی اور بربادی کے سوا اور کوئی آثار نظر نہیں آتے انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے متعدد مرتبہ ارباب جامعہ کو توجہ دلاتے رہے کہ جامعہ نظامیہ میں نفخ روح کے اسباب پیدا کرنے کیلئے بہترین اور قابل عالم کو ناظم جامعہ بنایا جائے اور حسب ذیل طریقے اختیار کئے جائیں تو ہمیں امید ہے کہ یہ جامعہ حقیقی معنوں میں اسلام کی قدر گزار بن سکے۔

۱۔ موجودہ نصاب تعلیم میں اصلاح اور امتحانات کے قواعد کی ترتیب کیلئے ایک مجلس تعلیمی مقرر کی جائے۔

۲۔ موجودہ نظام تعلیم کو برقرار رکھکر ایک ایسے شعبے کا بھی افتتاح کیا جائے جس میں جماعت بندی کی قید نہ ہو۔

۳۔ تحتانی تعلیم اور ان کے اقامت خانے کا انتظام فوقانی تعلیم اور ان کے اقامت خانے سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔

۴۔ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر خاص نگرانی رکھی جائے۔

۵۔ جامعہ میں چند مفید صنعتی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

۶۔ اصول جامعہ کے مطابق بلدہ اور اضلاع میں شاخیں قایم کی جائیں۔

۷۔ فراہمی سرمایہ کیلئے قوم سے درخواست کیجائے ۔

۸۔ جامعہ نظامیہ بالکلیہ غیرسرکاری رہے ۔

اصلاح نصاب کی تحریک | جامعہ نظامیہ کے طریق تعلیم اور نصاب تعلیم کے اصلاحی سلسلہ میں انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے ۱۳۴۵ف میں ایک یادداشت مرتب اور منظور کرکے ارباب مدرسہ سے خواہش کیگئی کہ وہ اس یادداشت پر غور کرکے اصلاح تعلیم جامعہ نظامیہ کی فکر کریں تاکہ یہاں کے طلبہ علوم دینیہ کی واقفیت کی وجہ سے اہل دنیا کے سامنے محتاج اور بیکار نہ رہیں اور جوامور یا علوم طلبہ کی تہذیب اور اصلاح اخلاق کیلئے مفید سمجھے جائیں ان کے اجراء میں حتی الامکان سعی کیجائے

اس وقت ہمارے ملک میں قدیم اور جدید دونوں قسم کا نظام تعلیم رائج ہے اور آج اُسے سب بُرا کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ نظام کسی وقت بھی ہماری قومی اور مذہبی ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکا باوجو اس کے یہ برابر جاری ہے ۔

آج جبکہ دنیا تیزی سے بدل رہی ہے اور دنیا کے قوموں کی زندگی میں نمایاں تغیر ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں ہمارے نظام تعلیم میں بھی ایسی تبدیلی ہونی چاہیئے جس سے قوم کے مردہ جسم میں جان ڈال دے۔

ہمارے پچھلے نظام تعلیم کا مقصد وہ مذہب کی خدمت اور اس کے زیر سایہ علوم فنون کی تحصیل تھا جس کا اثر یہ تھا کہ تعلیم نظام زندگی میں ایک دنیوی نہیں بلکہ ایک مذہبی فریضہ تھا دین کا ولولہ اور مذہب کا جوش ان کی زندگی کی روح تھی گو اس کا نظام تعلیم کتنا ہی برا ہو لیکن جو مقصد ہمارے پچھلے نظام تعلیم کا رہا ہے وہ کسی طرح تبدیل کے قابل نہیں۔ البتہ اس کے نظام تعلیم میں ایسا تغیر پیدا کریں جس سے اصل مقصد کا اصول جلد تر اور صحیح معنوں میں ہو سکے ۔

آج کل قریب قریب سب تعلیم گاہوں میں ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم دیجاتی ہے اور ان سب کی مجموعی تعداد (۱۷) سال ہے اور یہی حالت ہمارے مذہبی تعلیم گاہوں کی ہے اس میں کمی کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے تاکہ ایک طالبعلم جس کا مقصد علم کو علم کیلئے پڑھنا ہو اس کے لئے سخت صعوبتیں حائل ہوتی رہتی ہیں اور تمام عمر مدت مقررہ کی تکمیل میں صرف ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ زندگی کے دوسرے شعبے میں داخل ہوتا ہے تو ایسے وقت نہ وہ دین کی خدمت اچھی

طرح انجام دیسکتا ہے اور نہ دنیاوی شعبہ میں وہ کامیاب رہتا ہے۔ غرض مذہبی مدارس کے سب طلبہ ان مشکلات میں مبتلا ہیں اس لئے انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے نہایت غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ پچھلی تعلیم کا جو مقصد تعلیم ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کیجائے بلکہ نظام تعلیم میں ذیل کی تبدیلیاں کی جائیں تو توقع ہے کہ جو مشکلات مذہبی تعلیم پانے والوں کے لئے آج پیش آرہی ہیں ان میں کمی ہوجائے گی اور عوام مسلمین میں دینی تعلیم کی رغبت وتحریص کا خاص احساس پیدا ہوجائے گا۔

۱۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم پر پوری توجہ کی جائے اور ان کی استعداد کے موافق ایسا نصاب مرتب کریں جو سادہ سے سادہ سہل سے سہل ہو

۲۔ موجودہ مدت تعلیم میں کمی۔

۳۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے بہتر نصاب کا مرتب کرنا جس کا جز اول دینیات سے متعلق رہے اور دوسرا حصہ علوم عقلیہ کا جن کے پڑھنے سے فائدہ ہو اور جن کی ترتیب میں ایسے اصول شامل ہوں جو آخری تمام تر اسلامی علوم کہلائے جاسکیں۔ اگر اس قسم کی کتابیں مصر یا دیگر ممالک میں مل سکیں تو انہیں شامل کرلیا جائے ورنہ علوم عقلیہ قدیمہ کے ساتھ جدید اصول عقلیہ کو مطابقت سے تعلیم دلائی جائے اور اس قسم کے تمام امور کو جمع کرنے کا نظم رکھیں تو آخر میں ایک مستقل تالیف کی شکل اختیار ہوجاتی ہے اور اس طرح چند عرصہ کے بعد علوم عقلیہ کا تمام مواد اسلامی نقطہ نظر کے تحت ہماری زبان میں شریک ہوجاتا ہے۔

جماعت بندی کا موجودہ نظام یکسر علیحدہ کرنے کے قابل ہے اگر اس طریقہ عمل میں قدیم اصول کو رکھتے ہوئے چند اضافے اشارات کے ساتھ ترمیم کریں تو یقین ہے کہ ہماری موجودہ مدت تعلیم میں بہتر اور مناسب کمی ہوسکتی ہے۔ اس کی تشکیل حسب ذیل طریقوں پر ہوسکیگی۔

۱۔ کل مدت تعلیم ۱۴ سال رکھی جائے۔ منزل ابتدائی کے لئے ۷ سال، منزل ثانوی کے لئے ۶ سال اور تکمیل کے لئے ایک سال، اس طرح پر کہ ان تمام منازل کی تعلیم جماعت بندی سے نہ ہو بلکہ کتابوں کی جماعت بندی ہو۔ البتہ امتحان جماعت بندی کے طریقہ پر لیا جائے اس طریقہ عمل میں سہولت یہ ہوگی کہ طالب علم اپنی استعداد کے موافق سال میں کئی کتابیں ختم کرسکیگا اور ان

کتابوں میں کافی مہارت بھی حاصل کر سکیگا اس طریقہ عمل میں یہ بھی فائدہ ہے کہ جو طلبہ سب سے زیادہ ذہین اور شوقین و محنتی ہوں گے وہ ۱۴ سال کے بجائے ۱۲ سال میں تحصیل علم سے فارغ ہو جائیں گے۔

ہر منزل تا نوی کے دوسرے سال مولوی، عالم اور فاضل کے نام سے اسناد دیجائیں اور ایک سال تکمیل کیلئے کافی ہوگا فنون واری تکمیل ہوگی۔ فن حدیث میں دورہ حدیث بھی شامل رہے گا۔

(۲) مندرجہ بالا قاعدے کے فوائد اسی وقت ظہور میں آئیں گے جبکہ بچوں کی ابتدائی تعلیم قاعدے کے تحت اور تعلیم پر خاص نگرانی رہے۔

ان سب امور بالا میں نگرانی تعلیم اور بہتر نصاب کے ترتیب کی شدید ضرورت رہے گی۔

اسی طرح امتحانات کے موجودہ طریقہ عمل میں بھی بہت کچھ اصلاح اور ترمیم کی ضرورت ہے جو طریقہ اس وقت چل رہا ہے وہ فائدہ بخش نہیں اگر ہمارا مقصود اچھے کام کرنے والے قابل رہنماؤں کو نکالنے کا ہے تو طریقہ امتحانات میں سخت تبدیلی کی ضرورت ہے وہ اس طور پر کہ بعض مضامین کا امتحان تحریری لیا جائے اور بعض کا تقریری لیتے وقت ممتحنین اپنی قابلیت کا اظہار نہ کرے بلکہ ممتحنین اس امر کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ ایک لڑکے نے نفس مضمون کو کس حد تک سمجھا ہے یا کس حد تک ان مضامین سے واقفیت حاصل کی ہے۔

جب مدت تعلیم میں خاطر خواہ کمی ہو جائے گی اور ایک طالبعلم نہایت قلیل مدت میں فارغ التحصیل ہو جائے گا تو وہ اس کے بعد زبان دانی کی حیثیت سے کسی دوسری زبان کی تحصیل کر سکیگا اور اس کو اجنبی زبان کے سیکھنے میں ایک اچھی مدت مل سکیگی۔

ہماری یہ بھی رائے ہے کہ جامعہ نظامیہ میں طب یونانی اور وکالت کی تعلیم کا بھی مناسب انتظام ہو اور ان جماعتوں میں تعلیم پانے والوں کیلئے ممکنہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

مدرسہ نظامیہ کے بجائے جامعہ نظامیہ کا استعمال | انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے نہایت سوچ بچار کے بعد اس کے مظاہر حیات کے اظہار کے لئے اولاً جشن ساٹھ سالہ کی تجویز منظور کی اور ۱۳۴۲ھ میں مجلس عاملہ نے یہ قرار داد منظور کی کہ ہر سال بتاریخ ۱۹ ذی الحجہ جامعہ نظامیہ کے یوم تاسیس کی تقریب منائی جائے اس تجویز کے دوران میں مجلس عاملہ انجمن نے سب سے پہلے ۱۳۴۲ ف میں یہ بھی منظور کی کہ مدرسہ نظامیہ میں ابتدائی اور انتہائی تعلیم قابل اطمینان طریقے پر دیجاتی ہے

جس کا ماضی عالم اسلام میں ممتاز رہا ہے اور مستقل طور پر اپنے میں جامعہ کی خصوصیات بھی رکھتا ہے خصوصیات جامعہ تو کوئی نہیں کہ حکومت اور عوام جامعہ نظامیہ کو مدرسہ نظامیہ سے خطاب کرے اس منظورہ قرارداد کے بعد انجمن نے جامعہ کے لفظ کا اعلان کیا اور قابل شکر بات یہ ہے کہ عوام اور حکومت دونوں نے متفقہ طور پر آج مدرسہ نظامیہ کو جامعہ نظامیہ سے خطاب کر رہی ہے اور اس کی ترقی و اصلاح کی فکروں میں مصروف عمل ہے۔

نواب صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی کی تقریر عالیجناب نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے یوم موسس جامعہ نظامیہ علیہ الرحمہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :-

"مولانا محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ علیہ الرحمہ میرے مخلص دوست تھے انہوں نے جامعہ نظامیہ کے متعلق کئی مرتبہ ذکر فرمایا تھا۔ میں نے ہر وقت امداد کا وعدہ کیا اور میں انشاء اللہ اس وعدہ کو پورا کروں گا واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت اقدس اعلیٰ اس جامعہ کو بلند معیار پر دیکھنے کے متمنی ہیں۔ جس طرح جامعہ عثمانیہ کے فیوض سے ملک مستفید ہو رہا ہے اسی طرح جامعہ نظامیہ کا فیض بھی عام ہے ایک اور خاص بات یہ ہے کہ جامعہ نظامیہ کو حضرت اقدس و اعلیٰ کی سرپرستی کا اعزاز حاصل ہے۔ اس جامعہ کے وجود سے سلطنت آصفیہ کی بقاء اور استحکام کی توی توقع ہے"(۱)

تنظیم نظامیہ برادری اور تعارف کیلئے نظامیہ کا استعمال برادری نظامیہ میں باہمی روابط اور تعلقات قائم رکھنے کیلئے اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ ہر طالب العلم اپنے نام کے محاذی "نظامیہ" لکھا کرے چنانچہ انجمن کی اس تحریک کا ملک میں خیر مقدم کیا گیا اور آج ہر تعلیم یافتہ اپنے نام کے ساتھ "نظامیہ" لکھ رہا ہے ۔ اس حد تک اطمینان کے بعد انجمن نے اس ضرورت کو بھی محسوس کیا کہ اضلاع و تعلقات میں جو نظامیئین ہیں ان کو اولاً منظم کر لیا جائے چنانچہ گذشتہ سال(۲) سے اضلاع میں نظامیہ برادری کے نام سے مجالس قایم کئے جا رہے ہیں اور اب تک (۱۲) مقامات پر اس قسم کے مجالس قایم کردئے گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کو تھوڑے ہی عرصہ میں ملک میں عام مقبولیت اور شہرت کا عام امتیاز حاصل ہو گیا ہے۔

(۱) اخبار رہبر دکن ۲ر جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ (۲) اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۳۴۲ف

امتحانات اہل خدمات شرعیہ کی جامعہ نظامیہ میں منتقلی

جامعہ نظامیہ کے ابتدائی عہد میں اہل خدمات شرعیہ کے امتحانات ہوا کرتے تھے لیکن چند سال سے یہ امتحانات صدارت العالیہ کے ذریعہ لئے جارہے ہیں اصولاً ان تمام امتحانات کا تعلق ایک باضابطہ تعلیمی ادارے سے متعلق ہونا چاہیئے اس بناء پر ایک قرارداد نواب صدر اعظم بہادر کی خدمت میں روانہ کیگئی ہے کہ امتحانات اہل خدمات شرعیہ کا جملہ تعلق جامعہ نظامیہ سے کر دیا جائے ۔ توقع ہے قریب میں ہماری یہ تحریک کامیاب اور منظور ہو جائے گی۔ جس سے ملک کو پہلے سے زیادہ فائدہ پہنچ سکیگا۔

کارروائی الحاق مدرسہ محبوبیہ و مدرسہ اسلامیہ گلبرگہ

حضرۃ العلامہ زماں خاں شہید المتوفی ــــــ کی علمی و مذہبی خدمات کی یاد مدرسہ محبوبیہ کے ذریعہ تازہ ہوسکتی ہے۔ حضرۃ العلامہ نے آج سے ایک صدی قبل حیدر آباد میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ ظاہر ہیں مدرسہ محبوبیہ آپ کی علمی کاوشوں کی ایک یادگار ہے جس میں اصلاحات کی شدید ضرورت ہے تاکہ اس سرچشمہ علم سے ملک فیض رس ہوسکے چنانچہ اس نیک مقصد کے تحت انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کے اجلاس مورخہ ۲ ربیع المنور ۱۳۵۵ھ م ۱۹ تیر ۱۳۴۵ف نے نواب صدر المہام بہادر صرف خاص مبارک سے تحریک کی کہ مدرسہ محبوبیہ کو جامعہ نظامیہ میں ملحق کیا جائے ایک عرصہ تک کارروائی جاری رہنے پر بالآخر تصفیہ ہوا کہ مدرسہ محبوبیہ کی تعلیمی و انتظامی امور کیلئے ایک مجلس قایم کی جائے چنانچہ اب ایک مجلس قایم ہوگئی ہے۔ جس کے اراکین میں مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب (نظامیہ) اور مولانا سید صابر حسینی صاحب جیسے اصحاب شریک ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ موصوفین کے عہد میں مدرسہ محبوبیہ کو وہ درجہ جلد از جلد ملجائیگا۔ جس کا وہ مستحق ہے۔

(۲) گلبرگہ شریف میں درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ ایک مدرسہ دینیہ بنام مدرسہ اسلامیہ قایم ہے اس مدرسہ میں نصاب نظامیہ کے موافق مولوی کی جماعت تک تعلیم کے انتظام کیلئے کارروائی جاری ہے اور توقع ہے قریب میں اس مدرسہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی اور اس مدرسہ میں بھی نصاب نظامیہ کی تعلیم کا انتظام ہو جائے گا۔

مدرسہ فوقانیہ نسوان نظامیہ کا قیام

لیڈی حیدری کے انتقال میں انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے

مرثیہ آصفیہ (۱۴۹)

حسن اور طاقت

دنیا کا کون فرد بشر ہے جسے مرغوب نہیں

شفاخانہ یونانی نے کثیر اخراجات، وافر محنت اور دل سوزی سے کام لیکر

مردوں کیلئے — عورتوں کیلئے

ساکا — نا کا

خاص دوائیں ایجاد کی ہیں جنھیں گذشتہ دنوں ہزاروں نے استعمال کرکے گم شدہ قوتوں اور زائل حسن کو از سر نو حاصل کر لیا۔ یہ ہر مزاج عمر اور حالت میں مفید اور ہر موسم میں قابل استعمال ہے۔

مکمل فوائد اور استعمال کیلئے کتابچہ "معلومات" مفت حاصل کیجئے

ملکی شفاخانہ یونانی پتھر گٹی حیدرآباد دکن

مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ترجمان

مجلّہ نظامیہ

مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین (نظامی)

معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

۱۳۵۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

مجلۂ نظامیہ

قیمت سالانہ ۴ر
قیمت رعائتی عہ/۲ر
مقام اشاعت حسینی علم حیدرآباد دکن
شمارہ مشترکہ آذر و دی ۱۳۵۰ف م رمضان شوال ۱۳۵۹ھ

فہرس

جلد ۵ آذر ۱۳۵۰ف م رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ عدد ۱-۲

نظامیہ کا خیر مقدم

مجلہ نظامیہ کی زندگی کا پانچواں سال آذر ۱۳۵۰ف سے شروع ہوا ہے قاعدہ کے موافق چوتھے سال کی رُوداد شائع ہونی چاہئے لیکن داستان ماضی کے سنانے سے کچھ فائدہ نہیں تاہم نظامیہ اپنے چوتھے سال میں گوناگوں مشکلات میں مبتلا رہا ایک طرف جنگ کی وجہ سے کاغذ کی گرانی میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف قدردانوں کی ناقدری بھی رہی لیکن بعض باہمت ہمدرد اور فضلا قوم کی ہمدردیوں کا نتیجہ ہے کہ نظامیہ زندگی کے پانچویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔

نظامیہ کی اشاعت کا خالص مقصد حصول منفعت نہیں بلکہ ملک اور قوم میں اسلامی تمدن و تہذیب کے صحیح پہلوؤں کو پیش کرنا اور ملک میں اشاعت علوم و فنون کی تحریک کو عام کرنا ہے چنانچہ اس مقصد میں نظامیہ نے اب تک جو کوششیں کیں وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں باعتبار مضامین جن حقائق اور خیالات کو نظامیہ نے پیش کیا اس میں سے اکثر ملک اور بیرون ملک کے رسائل و روزناموں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے اور بعض اوقات ان مضامین کو دو دو مرتبہ شائع کیا گیا۔ ترقی تعلیم سے متعلق جو تحریکات نظامیہ نے حکومت کے سامنے پیش کئے ان کی نسبت غور و فکر کیا گیا غرض نظامیہ نے کبھی بھی حفاظت ثقافت اسلامیہ سے متعلق عملی تحریک کو پیش کرنے سے پیچھے نہ رہا۔ اپنے بساط سے باہر ہو، یہی وجہ ہے کہ نظامیہ کو دکن اور بیرون دکن میں مقبولیت حاصل رہی لیکن ضرورت ہے کہ نظامیہ کی روز افزوں ترقی کیلئے اس کے توسیع اشاعت کا خیال بھی کیا جائے تاکہ اس کا مالیہ قابل اطمینان رہے اور

بغیر کسی رکاوٹ کے آپ کی خدمت میں اپنی بے بہا کوششوں کے نتائج پیش کرتا ہے یہ سب اہل ملک کی علمی و عملی توجہ پر منحصر ہے ۔

پانچویں سال میں جبکہ اس کی زندگی کا نیا سال شروع ہو رہا ہے اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ ملک کو خواب غفلت سے جگائے اور بتائے کہ تیرے زمین میں کیسے کیسے انمول جواہر ہیں اور تیری خوشگوار فضا میں کیسے کیسے نایاب پھول کھلتے ہیں ۔ نظامیہ انہی انمول جواہر کا ہار اور نایاب پھولوں کا گلدستہ بنا ہوا ہوگا اور انہی پھولوں کی مہک سے ملک میں زندگی کی روح پھونکیگا اور باشندوں کو ترقی اور علمی مراتب کے اس مقام پر پہنچائیگا جس پر پہنچنے کی آج سب قوموں کو ضرورت محسوس ہو رہی ہے غرض یہ امیدیں ہیں جن کی تکمیل اس رسالہ کے ذریعہ اسی وقت ہو سکیگی جبکہ ملک "نظامیہ" کو ترقی دینے کا ساعی ہوگا ۔ اسے حیدرآباد تجسبہ میں اور دیگر متمدن ممالک میں کیا فرق ہے جیسے ان کی فضا میں بسنے والے آدمی ہیں تیری بھی فضا میں بسنے والے آدمی ہیں وہی قوی اور وہی تمدن جو ان کو ہے ہم کو بھی ہے ۔ فرق ہے تو یہی کہ ان شہروں کے بسنے والے اپنے کاموں کا مقصد اپنے وطن کی عزت اور عظمت سمجھتے ہیں اور ہم محض اپنی ذاتی خواہشوں میں سرگرداں اور اپنی خوبیوں کے اظہار میں مستغرق ہیں ۔ مگر نظامیہ نے سال حال ارادہ کر لیا ہے کہ کسی حال ملک کو خواب غفلت سے جگائے اور اس کو آزاد ممالک کی صف میں کھڑا کرے بفضل خدا یہ امیدیں جو نظامیہ کے ساتھ کیجا رہی ہیں وہ کسی طرح بیجا نہیں وہ ضرور ملک میں علوم و فنون کی ترقی کو وسعت سے پھیلانے میں حتی الامکان کوشش کریگا اور اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جائیے تو ملک ایک لازوال بلند ترین عظمت و رفعت کے مرتبہ پر پہنچ جائیے گا جس کا وہ ایک عرصہ سے آرزو مند ہے ۔

خادم العلم

ابو الخیر کنج نشین

اسلام اور نسوانی حقوق

(بسلسلہ گذشتہ)

قاضی کے پاس اس کا نفقہ جمع رہنے کا حکم دے تاکہ وہ روز آنہ اس عورت کو مقررہ مقدار میں نفقہ دیسکے۔

مفلس میاں بیوی کا نفقہ میاں بیوی دونوں مفلس ہوں اور بیوی کا بھائی متمول ہو تو ایسی حالت میں امام حسن بن زیاد کی رائے ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر ہوگا۔ یہ سوائے شوہر کے کسی پر منتقل نہ ہوسکیگا البتہ قاضی بیوی کے بھائی کو حکم دیگا کہ وہ اپنے بہنوی کو نفقہ بطور قرض دے اور بعد میں اس سے حاصل کرلے کیونکہ بہنوی کے نہ ہونے کی صورت میں بہن کا نفقہ بھائی پر ہوگا اور جب نفقہ کا بار بھائی پر ہے تو بہنوی مفلس ہونیکی صورت میں قرض دینے میں اس سے بہتر کوئی اور ہو نہیں سکتا۔

اگر بھائی بہن کو نفقہ بطور قرض دینے میں عذر کرے تو عدالت اس کو قید کریگی ادائی نفقہ میں یہ کلیہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ نفقہ نیکی اور صلہ رحمی کے تحت جاری کیا جاتا ہے اور مر امر بالمعروف میں کسی کے نام قید کا حکم جاری کرنا قاضی کیلئے جائز ہے۔

مثلاً ایک مفلس عورت ہے اوس کا بھائی اور چچا متمول ہیں ایسی صورت میں بھی اس مفلسہ کا نفقہ بھائی پر ہوگا۔ اگر بھائی ادائی نفقہ سے انکار کرے تو عدالت چچا کو حکم دیگی کہ وہ خرچ کرے اور بعد میں بھتیجے سے وصول کرے۔

اسی طرح باپ کے دو بیٹے ہوں ان دونوں پر باپ کا نفقہ مساوی ہوگا مگر ان میں کا ایک ادائی نفقہ سے انکار کرے تو عدالت دوسرے کو حکم دے گی کہ وہ باپ کا پورا نفقہ ادا کرے اور بھائی سے اس کے حصہ کے موافق بعد میں حاصل کرے کیونکہ بھائی نہ ہو تو باپ کا نفقہ اسی پر ہوتا اور جب بوجہ انکار ایک سے اس قسم کا عذر پیدا ہوگیا ہے تو دوسرے کیلئے لازم ہے کہ وہ باپ پر خرچ کرے۔

نکاح اور اس کی عام غرض وغایت یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جس طرح بھوک معلوم ہونا انسانی فطرت میں داخل ہے اسی طرح جذبات شہوانی کا پیدا ہونا بھی لازمی ہے یہ نہایت اہم سوال ہے کہ ان جذبات کو کس طرح رفع کیا جائے اور کس طرح انسان اپنے جذبات پر قابو رکھے

بعض کا خیال ہے کہ ان کو تجرد کے ذریعہ دبائے رکھنا چاہئیے لیکن یہ طریقہ کبھی بھی مفید اور کارگر ثابت نہیں ہوا جو لوگ تجرد کے حامی رہے وہ آزمائش کے وقت اپنے مقصد میں ناکام رہے اور کبھی بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھے بعض کا یہ خیال ہوا کہ عورت اور مرد کے تعلقات کو آزادانہ چھوڑ دیا جائے۔ تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ ایسی صورت میں عورت کی عصمت محفوظ نہیں رہتی جس کے سبب نہ صرف مختلف خطرات پیدا ہونے کا امکان ہے ابلکہ ہر شخص انواع واقسام کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ توالد و تناسل کا سلسلہ بند ہو جائیگا حالانکہ جذبات شہوانی کا اصل مقصد یہی ہے کہ توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہے۔ اس لئے قدرت نے عورت کو ایک مرد کیلئے پیدا کیا ہے اور یہی عمل جائز طور پر لطف اندوز ہونے کا بہترین طریقہ ہے اس تدبیر سے ذمہ داریاں بھی پیدا ہوں گی اور ساتھ ساتھ خاندانی شرافت کا سلسلہ بھی قایم ہوگا۔

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عورت کی عصمت کا تحفظ ایک مرد کے ذریعہ سے بہتر طور پر ہو سکتا ہے اور اسی عمل کے سبب انسان کو اشرف المخلوقات کا رتبہ ملا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ عورت کس طرح اپنی عصمت کی حفاظت کرے اس کے متعلق قدرت نے نکاح کے طریقہ کو جاری کیا تاکہ انسان جذبات شہوانی کی تکمیل کے ساتھ توالد و تناسل کے سلسلہ کو تہذیب واخلاق کے ساتھ جاری رکھے۔

نکاح ایک معاہدہ ہے جو عاقدین کی رضامندی سے منعقد ہوتا اور انہی کی رضامندی سے باقی رہتا ہے اور یہی معاہدہ ان دونوں کی دائمی معاونت کا رشتہ قایم کرتا ہے اس کے بعد ان میں کا ہر ایک دوسرے کے دکھ، درد آرام و راحت میں شریک کار رہتا ہے۔

اسلام میں نکاح کی اہمیت | اسلام دنیا کا ایک آخری مذہب ہے اور اپنے لئے دینی اور دنیوی امور سے متعلق ایک مکمل دستور رکھتا ہے۔ یہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی تمام باتیں اور تمام مسائل اصول فطرۃ کے موافق اور حقیقت سے مملو ہیں اس کا کوئی کام ایسا نہیں جو بیکار اور نمائیشی ہو۔

اسلام نے مرد کو عورت سے برتر بنایا ہے اسی لئے برتر ہستی کو زیادہ حقوق بھی دیا ہے

جیسا کہ قرآن مجید میں ظاہر کیا گیا ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ واللہ عزیز حکیم٭ اور عورتوں کیلئے بھی حقوق ہیں جو مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں دستور کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلے میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر بتلایا گیا کہ

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض بما انفقوا من اموالھم٭ مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

قرآن مجید میں غرض نکاح بالفاظ ذیل ظاہر کیگئی ہے۔

خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے جوڑے پیدا کئے، تمہاری ہی جنس سے تاکہ تم ان سے سکون وراحت حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

خدا ہی نے تم کو ایک جنس سے پیدا کیا اور اسی سے تمہارا جوڑا بنایا تاکہ تم آرام و سکون حاصل کرو۔ (۲)

مہر کی ضرورت اور اس کی اہمیت نکاح کی عظمت اور اس کا وقار بغیر مال کے ظاہر نہیں ہوسکتا اور نہ نکاح کے نتائج و فوائد کی تکمیل ہوسکتی ہے مرد اسی وقت نکاح (معاہدہ) کو قائم رکھ سکتا ہے جب کہ اس کے توڑ دینے کی صورت میں مال کے نقصان کا خطرہ ہو۔ اسی طرح عورت کے اولیاء بھی اپنی لڑکی کو اجنبی شخص کے تفویض کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اسلئے اسلام نے عقد نکاح کے ساتھ مہر کو بھی لازمی قرار دیا ہے جو کسی طرح ساقط نہیں ہوسکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ مہر کی مقدار کم سے کم کیا ہو فقہاء کرام نے جس طرح سرقہ کے مقدار کی

سد دس درہم قرار دی ہے جس کے جانے سے نقصان کا احتمال ہے اسی طرح مہر کی مقدار کم سے کم دس درہم قرار دی ہے اس سے کم کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے موافق زیادہ مقدار میں مقرر کرنے کا مجاز ہے۔

فقہا نے مہر کی دو قسمیں کی ہیں ایک مہر مسمی اور دوسرا مہر مثل پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں مہر معجل اور مہر موجل۔

مہر مسمی وہ مہر جو عقد نکاح کے وقت معین کیا گیا ہو۔ مہر مثل وہ مہر جو عورت کے باپ کے خاندان کا مقررہ ہو، اگر ان قسموں میں سے کوئی مہر بوقت عقد یا بوقت مطالبہ ادا کرنا قرار پائے تو اس کو مہر معجل کہیں گے اور اگر ادائی کیلئے کوئی میعاد مقرر نہو تو اس کو مہر موجل کہیں گے۔

شریعت نے ہر شخص کی معاشی نقطہ نظر کے تحت جس وسعت سے تعین مہر کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس کا یہی مقصود ہے کہ ادائی کے وقت وہ دشوار نہ ہو، اگر کوئی شخص اس مصلحت کے تحت مہر کی مقدار زیادہ سے زیادہ حد تک تعین کرتا ہے تو کر سکتا ہے لیکن کم تعداد یا وہ مقدار جس پر صالحین کاربند رہے ہیں اپنے لیئے معین کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

بجز دو کے بقیہ ازواج مطہرات کا مہر مبارک (۴۰۰) درہم یا (۴۰۰) دینار کے زیادہ نہ تھا اور شریعت اسلام نے ہر وقت مرد کو عقد نکاح کے بعد اپنے عورتوں کے مہر کی ادائی کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس طرح ادائی مہر کی تاکید آئی ہے۔

۱۔ دے ڈالو عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ۱؎

۲۔ نکاح کرلو ان عورتوں سے جو تم کو اچھی معلوم ہوں ۲؎

۳۔ تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے کہ محرمات کے سوا ہر عورت کو جس کو چاہو اپنے مال کے ذریعہ نکاح کیلئے مہیا کرو ۳؎

۴۔ جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو ان کے مقررشدہ مہر انہیں دیدو جو ایک فریضہ ہے ۴؎

۵۔ تمہارے لیئے مسلمان پاکدامن عورتیں اور وہ محفوظ عورتیں جو اہل کتاب سے لیا ہو۔ حلال کیگئی ہیں جب تم ان سے نکاح کرو تو ان کے مہر انہیں دیدو ۵؎

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جہاں نکاح کی اجازت دی ہے وہیں ادائی مہر کی بھی تاکید فرمائی ہے۔

کن صورتوں میں شوہر ادائی مہر کے حق سے مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ عقد نکاح کے بعد شوہر پر مہر کی ادائی لازم ہوجاتی ہے مگر پورے مہر کی ادائی اسی وقت واجب ہے جبکہ شوہر بیوی سے وطی یا خلوت صحیحہ کرے یا زوج وزوجہ سے کوئی ایک فوت ہوجائے اگر زوج خلوۃ صحیحہ یا وطی کے پہلے بیوی کو طلاق دیدے تو اس وقت شوہر پر نصف مہر کی ادائی واجب ہے اور زوجہ کے مرتدہ ہوجانے اور اپنے خاوند کی دوسری بیوی کے نوجوان لڑکے کا شہوت سے بوسہ لینے یا اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے سے پورا مہر شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے[1]۔ اور مہر کی ادائی اسی وقت ممکن ہے جب کہ مہر اس کی استطاعت اور اس کے معاشی وسعت کے ساتھ معین اور مقرر کیا گیا ہو حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مہر وہ ہے جو زیادہ آسان ہو۔ ظاہر ہے کہ مہر کی آسانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ ادا کرنے کی چیز ہے جب وہ آسان ہوگا تو آسانی سے ادا بھی ہوسکیگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کی رائے ہے کہ

مہر کی مسنون مقدار میں یہ راز ہے کہ مہر اس مقدار میں ہونا چاہیئے جو مقدار گراں اور عزیز سمجھی جاتی ہو، نیز اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ عادۃً اس کی ادائی دشوار نہ ہو۔

مہر کی یہ مقدار مہر کا نصاب صالح ہے جس پر عہد مبارک نبوی میں اہل اسلام قایم تھے اور اس عہد مبارک کے بعد بھی اکثر و اغلب لوگوں کا عمل اسی نصاب صالح پر رہا۔ بجز ان مالدار لوگوں کے جو تخت نشین بادشاہوں کے قایم مقام ہیں ان لوگوں نے اپنے مال کے اندازہ پر مہر کو اس نصاب سے بڑھالیا[2]۔

عہد حاضرہ اور مہر عہد جدید میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مستطیع و غیر مستطیع بلا لحاظ اپنی معاشی وسعت کے مہر کی تعداد میں زیادتی پر آمادہ [illegible] رہا ہے اور جو مصالح ادائی مہر پر موقوف رکھے گئے ہیں ان کی علانیہ خلاف ورزی کیجا رہی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ مرد عورت کی بدخلقی اور بد اعمالی کے سبب ازدواجی تعلقات قایم رکھنا نہیں چاہتا۔ مگر اس کو ادائی مہر کی خوف سے چھوڑنے پر

(۱) در مختار باب المہر۔ (۲) از حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ رسالہ تکمیل مہر ص[illegible]

آمادہ نہیں اس طرح عورت مرد کے ظلم وستم سے تنگ اور مجبور ہوگئی مگر حصول مہر یا معافی مہر ہر دو صورتوں میں ظالم مرد سے چھٹکارا نہیں پا سکتی

معاہدہ عقد کے بعد مرد اور عورت میں حسن معاشرت کا ہونا ضروری ہے اور جب کسی وجہ سے حسن سلوک اور حسن معاشرت نہ رہے تو تب مرد عورت کو چھوڑنے پر آمادہ ہوسکتا ہے اور اسی طرح عورت بھی چھٹکارا حاصل کرسکتی ہے یہ سب اسی وقت ممکن ہے جبکہ مہر کی مقدار سہل اور آسان ہو زیادتی کی صورت میں خطرات کا امکان ہے جس کا نتیجہ ہے کہ آج مرد اپنی عورت کا شاکی اور عورت مرد کی شاکی نظر آرہی ہے متعدد مثالیں ایسی بھی ملیں گی کہ مرد محض زیادتی مہر کی وجہ عورت کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں اور عورت باوجود [illegible] آمادہ ہے مگر چھٹکارا نہیں پا سکتی بعض ناعاقبت اندیش اصحاب کا اصرار ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ مرد ظالم قرار پائے اور عورت کو زوجیت سے چھوڑنے آمادہ نہ ہو اس وقت عدالت اپنے اختیارات سے عورت کو ظالم مرد سے علیحدہ کرادے حالانکہ عدالتوں کا ایسا عمل شریعت حقہ کے بالکل خلاف اور مغائر ہے۔

اس کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی رائے ہے کہ

" مہر کی زیادتی کا انجام بُرا ہے اور اس بد انجامی سے خالق و مخلوق دونوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، نیز اخلاق، تدبیر منزل اور تمدن کی خرابی اور بربادی میں کوئی شک وشبہ نہیں "

شوہر کی اطاعت بیوی کیلئے ضروری ہے۔

شرع اسلام میں بیوی پر شوہر کے احکام کی اطاعت ضروری ہے اگر کوئی عورت شوہر کی اطاعت کرنے میں بلا اجازت گھر سے چلی جائے یا اسی قسم کے افعال بلا کسی حق شرعی و وجہ شرعی سرزد ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں عورت ناشزہ کہلائی جائیگی اور یہ کسی طرح نفقہ کی مستحق نہ ہوگی، اور اگر کوئی عورت شوہر کی اجازت سے اپنے قرابت داروں کے ہاں جائے تو نفقہ پانے کی مستحق ہوگی (۱)

(باقی)

(۱) فتاویٰ ہندیہ مصری جلد (۱) ص ۲۹۴ و ۳۰۶ فتاویٰ انقرویہ جلد (۱) ص ۱۱۱

درخواست کی کہ ایک مدرسہ نسوان فوقانیہ نظامیہ قایم کیا جائے تاکہ اس مدرسہ کے ذریعہ عربی کے قابل اناث پیدا ہوں جن سے ملک کے نسوانی حلقے تعلیم علوم دینیہ سے مستفیض ہوسکیں چنانچہ دفتر پیشی نواب صدر اعظم بہادر سے یہ اطلاع وصول ہوئی ہے کہ مدرسہ نسوان فوقانیہ نظامیہ کے قیام سے متعلق جو تحریک کیگئی ہے وہ صیغہ تعلیمات میں روانہ کیگئی ہے۔[1] توقع ہے قریب میں مناسب تصفیہ عمل میں آئے اگر اس قسم کا مدرسہ قایم ہوجائے تو ملک کے خواتین بھی علوم دینیہ سے اچھی طرح مستفید ہوسکینگے اور آئندہ ملک میں مذہبی تعلیم کی حقیقی روح اچھی ماؤں کے ذریعہ پیدا ہوسکیگی۔

نظامیین کا حصہ تصانیف میں | تصنیف اور تالیف کے شعبہ میں بھی نظامیین کا حصہ کسی صورت میں کسی اور ادارہ سے کم نہیں رہا حضرت بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمہ کی محققانہ اور محدثانہ تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں یہاں تک کہ بعض تصانیف کو کئی مرتبہ چھپایا گیا ہے۔ مولانا شاہ سید غوث الدین صاحب قادری کی مناظرانہ تصانیف اور بعد کے دور میں مولانا حکیم محمود صمدانی صاحب (سابق افسر الاطباء سرکارعالی) مولانا سید ابراہیم صاحب استاذ ادب جامعہ عثمانیہ مولوی زاہد علی صاحب استاذ نظام کالج اور مولوی حکیم محمد ہبیتہ اللہ صاحب استاذ نظامیہ طبیہ کالج، مولوی محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب ڈاکٹر عبدالحق صاحب استاذ عربی جامعہ عثمانیہ فن تفسیر میں مولانا محمد فتح الدین صاحب اور حکیم الشعراء حضرت امجد کے تصانیف اس کی شاہد عدل ہیں اور ان سب کے تصانیف ملک کے دینی حلقوں میں آجتک قدر کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں۔

نئی پود کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جامعہ نظامیہ کے فضلا نے احیاء المعارف النعمانیہ ادارہ ترقی تعلیم اسلامی۔ انوار المعارف اور انوار المصنفین کے نام سے چند مجالس قایم کرکے تصنیف و تالیف کے سلسلہ کو آغاز کیا ہے اور ایک ماہانہ رسالہ مجلہ نظامیہ کے نام سے شائع ہورہا ہے۔

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی اور انوار المعارف کی جانب سے مطلع الانوار تاریخ دستور آصفی اور حقوق زوجین کے نام سے چند کتابیں شائع کی گئیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ام۔ اے۔ (عثمانیہ) کامل (نظامیہ) پی۔ ایچ۔ ڈی کے اُردو عربی اور جرمنی و فرانسیسی میں متعدد تصانیف ہیں جن کی مقبولیت نہ صرف ملک میں ہے بلکہ تمام

(۱) مراسلہ بابِ حکومت ۳۵۲۹ مورخہ ۴ شہریور ۱۳۴۹ف نمبر نشانمثل ۲۴۷

علمی دنیا میں خاص شہرت حاصل ہوگئی ہے آپ کی ہندوستانی میں قانون بین الممالک نامی کتاب کو نہایت اہمیت حاصل ہے ۔ غرض نظامئین ہر حالت میں علمی مشاغل اور تالیف و تصنیف کے کاروبار میں مصروف عمل رہے ہیں ۔

مجلس احیاء المعارف النعمانیہ | جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل علماء نے مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کے نام سے ایک مجلس بتاریخ ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۴۹ھ م ۳۰ رمہر ۱۳۳۸ف حیدرآباد میں قایم کی ہے جس کا خاص کام ائمہ احناف کی گرانقدر غیر مطبوعہ نایاب تصانیف کو شائع کرنا ہے اور یہ کام جاری ہوگیا ہے

ابتک اس مجلس نے مندرجہ حاشیہ کتابوں کو عالم اسلام کے سامنے پیش کردیا ہے اور یہ سب کتابیں علمی اور دینی حلقوں میں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں ۔ اخبار مسیح کی رائے ہے کہ ۔

فقہ حنفی کہنا چاہیئے کہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے اصل کتابیں ناپید ہیں غواصی کرکے ان گم شدہ موتیوں کو ڈھونڈھکر نکالنا ایک بڑی دینی خدمت ہے

۱ ۔ کتاب العالم والمتعلم للامام ابی حنیفہ رح
۲ ۔ کتاب النفقات للخصاف مع شرح للصدر الشہید
۳ ۔ کتاب الآثار للامام ابی یوسف
۴ ۔ الجامع الکبیر للامام محمدؒ
۵ ۔ کتاب اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی
۶ ۔ کتاب الرد علی سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف

بڑی مسرت کی بات ہے حیدرآباد کے اہل علم (جماعت علمائے نظامیہ) کی ایک جماعت ادہر متوجہ ہوئی اور ایک مخصوص مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کو قایم کرکے علمی کام بھی شروع کردیا ہے ۔
حیدرآباد اس وقت خدا جانے کتنے اہم علمی و دینی خدمات کا مرکز ہے وہاں سے زیادہ موزوں سرزمین اس کام کیلئے ملنی بھی دشوار ہے (۱)

علمائے مصر سے مولانا شیخ محمد زاہد کوثری قاضی ابوالاشبال احمد محمد شاکر اور شیخ محمد راغب طباخ حلبی نے احیاء المعارف کا خیر مقدم کرتے ہوئے اظہار مسرت کیا ہے اور اعزازی طور پر اپنے خدمات کو پیش کیا ہے ۔

اسی طرح ڈاکٹر یوسف شخت صدر جماعت مستشرقین جرمنی نے بھی اس امر کا اظہار کیا ہے کہ احیاء المعارف کا کام نہایت مفید ترین کاموں میں سے ہے اہل حیدرآباد جس مقصد کیلئے مجلس کو قایم کیے وہ قابل مبارکباد ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ عند الضرورۃ خدمات لائقہ سے مجھے یاد فرمائنگے ۔

(۱) رپورٹ احیاء المعارف ۱۳۵۴ھ صہ ۱۲

جو تعاون و تفاہم باہمی کیلئے ضروری ہے۔

اس مجلس کے انتظام کے لئے دو شعبے ہیں ایک انتظامی اور دوسرا علمی مولانا مفتی سید محمود صاحب (نظامیہ) سابق شیخ الجامعہ نظامیہ شعبہ انتظامی کے صدر ہیں اور مولانا ابوالوفا صاحب (نظامیہ) استاذ فقہ جامعہ نظامیہ شعبہ علمی کے میر مجلس اور بانی احیاء المعارف ہیں۔

مولانا حکیم ابوالفدا محمود احمد صاحب کئی سال تک اس مجلس کے معتمد رہے اور آپکے انتقال کے بعد مولوی محمد اکبر علی صاحب (نظامیہ) معتمد منتخب ہوئے۔

اسی طرح مجلس علمی کی معتمدی پر پہلے مرتبہ مولوی حاجی منیر الدین صاحب (نظامیہ) استاذ دینیات جامعہ نظامیہ فائز رہے اور دوسری مرتبہ مولوی ابوالخیر صاحب کنج نشین (نظامیہ) مدیر مجلہ نظامیہ و معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ معتمد مجلس علمی قرار پائے اور اسوقت مندرجہ ذیل اصحاب علمی و انتظامی کمیٹی کی رکنیت پر مامور ہیں۔

۱۔ مولانا ابوالوفا صاحب (۲) مولانا مخدوم بیگ صاحب استاذ جامعہ نظامیہ (۳) مولانا مفتی محمد رحیم الدین صاحب[۱] (۴) مولوی مفتی سید احمد علی صاحب واعظ (۵) مولوی حکیم سید شرف الدین صاحب (۶) مولانا حکیم محمد حسین صاحب استاذ جامعہ نظامیہ (۷) مولوی محمد عبدالحمید صاحب استاذ کلیہ نظامیہ (۸) مولوی حافظ محمد حسین صاحب (۹) مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب استاذ تجوید جامعہ نظامیہ (۱۰) مولوی حاجی منیر الدین صاحب استاذ نظامیہ (۱۱) مولوی قاضی میر انور علی صاحب شریعت پناہ بلدہ (۱۲) مولوی محمد ابراہیم صاحب (۱۳) مولانا سید حبیب عبداللہ صاحب مصحح دائرۃ المعارف (۱۴) جناب مولوی حافظ سید حسن شاہ صاحب (۱۵) مولوی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون جامعہ عثمانیہ[۲]

ضابطہ حقوق زوجین | حقوق زوجین سے متعلق ریاست بھوپال میں ایک قانون نافذ و جاری ہوا ہے اس قانون کے ذریعہ عورت شدید ضرورت پر عدالت کے ذریعہ شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے اس قانون کے نفاذ سے ہمارے ملک میں بھی ایک ہیجان عظیم پیدا ہوا جلیل الزمان صاحب رکن ہائیکورٹ نے بزمانہ وکالت ایک مسودہ پیش کیا۔ علماء کے درمیان بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر غور کرنے کے لئے انجمن نے یکم تیر ۱۳۴۴ف م ۲۹ ذیحجہ ۱۳۵۳ھ

(۱) ۱۳۵۶ھ تا ۱۳۵۸ھ مجلس مذکور کے صدر بھی رہے ہیں (۲) رپورٹ احیاء المعارف ۱۳۵۸ھ

مسائل فقہ کے مفکرین کی ایک مجلس ترتیب دیگئی جس کے صدر علامہ ابوالوفا صاحب صدر شعبہ علمیہ احیاء المعارف تھے اس مجلس کے کئی اجلاس ہوئے آخری اجلاس میں طے پایا کہ ریاست بھوپال کا جاری کردہ قانون شریعت اور فقہ حنفی کے خلاف ہے اور اس سلسلہ میں ایک رسالہ بھی شائع کیا گیا اور مقامی اخبارات میں محققانہ مضامین شائع کرائے گئے جس کا محمود نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مخالفین کی تمام کوششیں بیکار ہوگئیں اور ملک کے مسلمانان صحیح اسلامی تعلیمات سے واقف ہوگئے۔

اس حد تک عملی کارروائی ہونے کے بعد دوبارہ مولوی خلیل الزماں صاحب صدیقی نے ایک مسودہ مجلس وضع قوانین میں پیش کرکے خواہش کی کہ حقوق زوجین سے متعلق ایک قانون منظور کیا جائے اس قانون پر بھی علماء کے مابین بحث و مباحثے کے سلسلے شروع ہوئے انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ اور مجلس علماء دکن نے علیحدہ علیحدہ مجالس مقرر کرکے اس مسئلہ پر غور و فکر کئے۔ ملا عبدالباسط صاحب اور علمائے جامعہ نظامیہ کے مضامین عام اخبارات میں شائع ہوتے رہے بالآخر مجلس علمائے نظامیہ نے حقوق زوجین سے متعلق احکام شرع شریف کی موجودگی میں بیرونی ممالک اسلامی سے خلع و طلاق کے قواعد طلب کئے اور ایک تحقیقی رپورٹ حکومت اور عوام کی اطلاع کی غرض سے اخبارات میں شائع کرائی گئی اس رپورٹ میں بتلایا گیا کہ کسی طرح قاضی عدالت کو بلا رضامندی شوہر طلاق دینے کا اختیار نہیں۔ البتہ بضرورت شدید قاضی شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کرنے کا مجاز ہے قطع نظر اس بحث کے بوقت انعقاد عقد عورت شوہر سے تفویض طلاق کا اختیار خود یا عدالت کے نام پر حاصل کر سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ کے متعلق تفصیلی مواد علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

تاسیس کے تقاریب | جامعہ نظامیہ کو قایم ہوکر (۶۰) سال سے زائد عرصہ ہوتا ہے اس کے مظاہر حیات میں تازگی اور زندگی پیدا کرنے کی غرض سے اس امر کی ضرورت تھی کہ ہر سال جامعہ کی تاسیس کی تقریب منائیں تاکہ مرکز سے طاقت حاصل کرنے کے بجائے اپنے جوش اور خوش عملی سے مرکز کو تقویت پہنچائیں چنانچہ اس تقریب کو منانے کی ابتداء ۱۳۴۴ف م ۱۳۵۳ھ سے ہوئی۔ پہلے سال دو اجلاس ہوئے۔ نواب فخر یار جنگ بہادر اور نواب مرزا یار جنگ بہادر نے جلسوں کی صدارت کی علمی و مذہبی عنوانات پر نظامیین مقالے پڑھے دوسرے سال ۱۳۴۵ف

تین اجلاس نواب مرزا یار جنگ بہادر، مولوی خواجہ عبد العزیز صاحب (نظامیہ) جج ہائیکورٹ اور نواب مہدی یار جنگ بہادر کی صدارت میں منعقد ہوئے اس سال فن خطاطی اور نایاب کتابوں کی نمائش کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا۔ قابل خطاط کو اسناد دیئے گئے اور مولوی قدیر اللہ صاحب انتخاب رقم اور مولوی حشمت علی صاحب قادر رقم کو ان کے فن خطاطی میں جو خدمات لائقہ رہے ہیں اس اعتبار سے استاذ الخطاطین کی اعزازی سند دیگئی۔ تقریب کا تیسرا اجلاس ۱۳۴۹ف میں مولوی سید عبد العزیز صاحب صدر المہام عدالت و مذہبی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی جملہ کارروائی صرف ایک جلسہ میں ختم کیگئی۔

مجلس یوم تاسیس نے اس سلسلہ میں یہ بھی طے کیا کہ تقاریب تاسیس کے خیالات کا سرمایہ جمع کر کے اس کو عام طور پر شائع کریں تاکہ سوچنے والوں کو سوچنے کا موقع ملے۔ وہ اس میں سے کتنا کام میں لگائینگے اور کس طرح ہم میں سے ہر فرد زیادہ سے زیادہ شرکت اور مدد کرنے کے قابل ہو سکتا ہے اور آئندہ یہی چیز مردہ قوی میں نفخ روح کا سبب بنیگی۔

مدارس میں قرات کی تعلیم کا انتظام | مدرسہ دار العلوم میں ابتداء سے قراءت کی تعلیم کا انتظام تھا حال میں مدرس قراءت کے وظیفہ پر علیحدہ ہونے کی صورت میں تعلیم قرات کا انتظام نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے نواب صدر المہام بہادر تعلیمات سے استدعا کی نواب صاحب موصوف جن کو مذہبی تعلیم سے خاص دلچسپی ہے اس معاملہ میں انجمن کی دستگیری فرمائی اور بالآخر خاص احکام اجرا فرمائے جس کی وجہ سے دار العلوم میں تعلیم قرات کا انتظام ہو گیا۔ (۱)

توسیع مدارس شعبہ دینیات | سرکار عالی کے جملہ مدارس فوقانیہ میں شعبہ دینیات کی جماعتیں قایم ہونے کے متعلق انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے ایک قرارداد منظور کی جس کی کارروائی سررشتہ تعلیمات میں جاری ہے اور اس خصوص میں سررشتہ تعلیمات نے جو اطلاع دی ہے وہ یہ ہے کہ ابتک (۹) مقامات پر شعبہ دینیات کی جماعتیں قایم ہو چکی ہیں جاگر یہ تحریک منظور ہو جائے تو ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام حصوں میں عربی جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہو جائیگی (۲)

مدرسہ عثمانیہ خلد آباد | خلد آباد صوبہ اورنگ آباد میں جامعہ نظامیہ کی ایک شاخ مدرسہ

(۱) مراسلہ نظامت تعلیمات ۱۳۔ ار مہر ۱۳۴۹ف (۲)

عثمانیہ کے نام سے قائم ہے۔ یہ بھی (۲۵) سال سے خلد آباد میں تعلیم قرآن وحفظ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ لیکن اس مدرسہ میں اور وسعت دینے کی ضرورت ہے انجمن طلبہ قدیم نے تحریک کی کہ اس مدرسہ میں [illegible] تا جماعت مولوی تک تعلیم [illegible] کیا جائے تاکہ اورنگ آباد کے باشندے زیادہ تعداد میں مستفید ہوسکیں اگر موجودہ [illegible] مصارف کیلئے کافی نہیں ہوسکتے تو اہل صوبہ سے مدد لیجا سکتی ہے اور یقین ہے کہ [illegible] اورنگ آباد مدرسہ کی اچھی طرح امداد کے قابل ہیں اس طریقہ عمل سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ [illegible] مستفید ہو سکیں [illegible]

ثقافت شرقیہ کی حفاظت ملک میں تعلیم علوم دینیہ کی کمی [illegible] بالخصوص مسلمانوں کی ذہنیتیں شعائر اسلامی سے متنفر ہوتی جارہی ہیں [illegible] یورپ کے تمدن و تہذیب کو اچھا سمجھتا ہے وہ اس امر کی کوشش میں ہے کہ تمام مسلمان یورپ کی تقلید میں رنگ جائیں اسلامی تہذیب کے بجائے یوروپی تہذیب کو اختیار کریں چنانچہ [illegible] پردہ کی برخواستگی سے شروع کیگئی ہے اور آج نہایت زور وشور سے بے پردگی پر [illegible] جارہا ہے۔ مدارس نسوان میں پردہ برائے نام رکھنے کی بھی سعی جاری ہے۔ ورائٹی [illegible] ہر وقت کوششیں رہا کرتی ہیں۔ غرض اس سیلاب عظیم کو روکنے کے لئے انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے ہر وقت ممکنہ کوشش کرتی رہی ہیں اور دوسری طرف مجلس علماء کو بھی توجہ دلاتی رہی [illegible] اور فتنہ دیندار جماعت سے بھی ملک کو آگاہ کرنے کی سعی کیگئی ہے غرض انجمن [illegible] اصلاح امت کی اسکیم ہر وقت زیر عمل رہی ہے انجمن نے متعدد مرتبہ اضلاع ودیہات کے نظامیین کو ہدایتیں دی ہیں کہ وہ اپنے مواعظ اور تقاریر میں تحفظ ثقافت شرقیہ کی ممکنہ کوششیں کریں خلاصہ یہ کہ اس شعبے میں بھی انجمن مصروف عمل ہے حقیقی اور آخری کامیابی افراد قوم کے تعاون اور انکی مدد پر منحصر ہے۔

فارغین نظامیہ کے سیاسی خدمات

انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے جہاں مادر علمی کی خدمت گزاری کی ہے وہاں ملک کی عام خدمت میں بھی ہر وقت حصہ لیتی رہی ہے اور حتی الامکان اس امر کی کوشش میں رہی کہ ملک میں

امن وامان کے ساتھ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی تخلیق میں زیادتی ہو چنانچہ اس سلسلہ میں
بعض اہم مسائل جن پر مجلس فارغین نے وقتاً فوقتاً غور کرتی رہی وہ یہ ہیں۔

مسئلہ وفاق | مسئلہ وفاق سے متعلق اجلاس انتظامی منعقدہ ۱۶ اردی ۱۳۴۶ف نے ایک یادداشت
منظور کی اور اس کو اخبارات میں شائع کرنے کا انتظام کیا گیا اس رپورٹ میں تبلایا گیا کہ

۱۔ جغرافی ... حال کے لحاظ سے ہندوستان کا متعین ومخصوص اغراض کیلئے وفاق
ہونا نامناسب نہیں جبکہ وہ مشترکہ مفاد کیلئے ہو۔

۲۔ چونکہ حیدرآباد ایک خود مختار سلطنت ہے اس لئے اس کی شرکت وفاق التجا اور
شرف قبولیت پر مبنی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ نوشتہ شرکت کی حیثیت کو معاہدہ کا نام دیا جائے۔

۳۔ وفاق سے علیحدگی کا حق حکومت کے لئے ہر وقت محفوظ رکھا جائے۔

۴۔ اگر کسی وقت وفاقی حکومت کا دستور معطل ہو تو وفاق کے سپرد کئے ہوئے حقوق
حیدرآباد کے حیدرآباد کو واپس ملیں۔

۵۔ چونکہ ... تعلقات خارجیہ اور فوجی اغراض کیلئے ہوگا اور حیدرآباد نے
ان اغراض کے لئے سابق میں شمالی سرکار۔ اضلاع مفوضہ کرناٹک و برار وغیرہ برطانوی حکو
کے تفویض کئے تھے اس لئے وفاقی اغراض کیلئے مزید کسی قسم کا مالی مطالبہ نہ کیا جائے
بلکہ بعد اخراجات باقی رقم واپس کیجائے۔

۶۔ ہندوستان میں دیسی والیان ریاست کی آبادی (۸) کروڑ بتائی جاتی ہے مرکزی
مجلس وضع قوانین میں ریاستوں کو ایوان بالا میں (۱۲) ایوان زیریں میں ۱۲۴ نشستیں دی گئی
برار وحیدرآباد کی آبادی ۱½ کروڑ ہے لیکن اس کو ایوان بالا میں (۵) اور ایوان زیریں میں ۱۶
نشستیں دی گئی ہیں حالانکہ اس کو (۱۷) اور (۱۲) ملنی چاہیئے تھیں۔

۷۔ سکے۔ ڈاک۔ اور معاہداتی حقوق کی توثیق صراحت سے کی جائے اور حجاج وزائرین
کی ضرورتوں کے لحاظ سے
بصرہ اور جدہ میں ایجنٹ مقرر کرنے پڑیں اس لئے معاہدہ ۱۸۰۰ء کے فقرہ (۱۵) کا حق
محفوظ رہے۔ ہماری سرکاری اور تعلیمی زبان میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ ہو۔ ہمارے عدالتی

اور تشریعی خود مختاری میں خلل نہ آئے۔ آثار قدیمہ کا تعلق وفاق سے نہ ہو۔ معاشی معاہدہ ۱۸۰۲ء کی تعمیل زیادہ گھٹائی میں نہ ڈالی جائے۔ جاگیر اور انعام میں دئے ہوئے تمام علاقوں میں ہمارے علامات اقتدار اعلیٰ کی بحالی میں تمادی کے عذرات پیش نہ ہوں۔ ڈاک۔ موٹروں وغیرہ کے بیرونی نمبر اور محاصل اور حاصل چیزوں میں برطانوی ہند میں مساوات کا برتاؤ ہو۔ نمک اور افیون کے محاصل کی بے انصافیوں کو ختم کیا جائے۔

۸۔ سکندر آباد کا غیر فوجی رقبہ واپس دیا جائے۔

۹۔ چونکہ وفاق کے قیام سے فی الوقت صرف انگریزوں کو فائدہ ہے اور ریاستوں کو کچھ دینا ہی ہے اس لئے اس کے عوض میں کچھ مناسب چیزیں حیدر آباد کو ملنی چاہئیں۔

اصلاحات | ایک عرصہ سے اہل ملک کی خواہش رہی ہے کہ ملک کے دستور حکومت میں تبدیلی کی جائے اور ایسی اصلاح کی جائے کہ جس کے سبب اہل ملک کو بھی حکومت میں حصہ لینے کا موقع ملے اس مقصد کے تحت حسب فرمان خسروی ایک کمیٹی کی ترتیب عمل میں آئی اور کمیٹی نے اعلان کیا کہ عوام بھی اپنے خیالات اور تجاویز سے کمیٹی کو مدد پہنچا سکتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے متعدد اداروں نے اپنے تجاویز روانہ کئے فارغین نظامیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس کر کے ایک تفصیلی رپورٹ کے ذریعہ حکومت پر یہ امور واضح کئے کہ

۱۔ ابھی عوام میں نہ تو تعلیم کافی ہے اور نہ سیاسی شعور ہے اس لئے اصلاحات کا نفاذ غیر ضروری ہے اگر اصلاحات کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو ہماری رائے ہے کہ ہندسی تعداد کو نہیں بلکہ سیاسی اہمیت کو تجویز و ترتیب کی بنیاد قرار دی جائے۔

۲۔ مجلس مقننہ ایک ایوانی ہو جس کی حیثیت محض قانون ساز جماعت کی ہو

۳۔ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب

۴۔ علماء کی موثر نمائندگی

۵۔ صدر الصدور کے عہدہ کا احیاء

۶۔ اس امر کا اعلان کہ ریاست اور فرمانروا کا مذہب حنفی اسلام ہے۔

۷۔ اضلاع اور تعلقات میں انتخاب اور نامزدگی کے مشترکہ اصول پر مقامی جماعتوں کی تخلیق۔[1]

(۱) مجلہ نظامیہ جلد ۳ ص ۲۹۵ و رپورٹ کمیٹی اصلاحات ص ۲۱۹

قانون اصلاحات کا اعلان ۱۳۵۸ف م ۱۳۴۸ھ میں ہوا چونکہ یہ قانون اسلامی مفاد پر اثر انداز ہو رہا تھا اس لئے انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے حکومت کو حسب ذیل امور کی طرف توجہ دلائی

۱۔ دستور میں عوام کو اقتدار اعلیٰ کا جو سرچشمہ قرار دیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں اس طرح ترمیم ہونی چاہئے کہ مملکت آصفیہ کے اقتدار اعلیٰ کی حامل ذات جلالتمآب شاہانہ ہے

۲۔ دولت آصفیہ بلحاظ معاہدات اور اس کے عمل کے لحاظ سے اسلامی حکومت ہے لیکن دستور میں اس حیثیت کو تسلیم نہیں کیا گیا اس لئے دستور میں سلطنت کو اسلامی سلطنت قرار دیا جائے۔

۳۔ دستور میں مسلمانوں کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن نشستوں کی تقسیم میں مسلمانوں کو مساوی نشستیں بھی نہیں دیگئی ہیں و نیز علماء و مشائخین کی نشستوں کا تحفظ نہیں کیا گیا ہے غرض دستور میں بہت کچھ اصلاحات اور اضافوں کی ضرورت ہے اس لئے تمام مسائل کے تصفیہ کیلئے ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے تو مناسب ہوگا ورنہ خوف ہے کہ عجلت میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جائے جس کی تلافی نہ ہو سکے۔

موتمر اسلامیہ یا مسلم کانفرنس مسلمانوں میں پیدا شدہ پستی اور مذہب سے بے اعتنائی کے کیا اسباب ہیں ان علل و اسباب کو دریافت کرنے کے لئے اہل الرائے حضرات سے رائیں طلب کی گئیں اور جو رائیں وصول ہوئی تھیں ان سب کا محاصل یہ ہے کہ جلد سے جلد کل حیدرآباد مسلم کانفرنس کا اجلاس منعقد کیا جائے چنانچہ اس مقصد عظیم کی تکمیل کیلئے نواب بہادر یار جنگ بہادر کے مکان پر مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب (نظامیہ) معتمد مجلس علماء دکن کی صدارت میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا، اور چند ابتدائی مسائل طے پائے لیکن عاملانہ کاروائی کا آغاز نہ ہو سکا تاہم انجمن کے اجلاس عاملہ نے طے کیا کہ صدر مجلس اتحاد المسلمین کو انعقاد کانفرنس کی جانب متوجہ کرے اس خصوص میں دوبارہ تحریک کا آغاز ہوا۔ بالآخر اجلاس اتحاد المسلمین نے نفس کانفرنس سے اتفاق کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ مسلم کانفرنس کی شکل کا جلسہ سالانہ صدر مجلس اتحاد المسلمین میں منتقل کیا جائے چنانچہ اس تجویز کے موافق سال ۱۳۴۸ف میں بلدہ حیدرآباد میں مجلس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس تفصیلی روداد کے لکھنے کا مطلب

یہ ہے کہ ملک میں سیاسی شعور اور بیداری پیدا کرانے کے ہر مواقع میں نظامئین کے خدمات بھی برابر کے شریک رہے ہیں ۔

عہدہ صدر الصدوری کا قیام عہد قدیم سے سلطنت اسلامیہ آصفیہ میں صدر الصدوری (شیخ الاسلام) کا عہدہ قایم ہے لیکن چند سال سے اس عہدہ پر کسی کی ماموری عمل میں نہیں آئی ملک کے متعدد ادارات واخبارات نے متعدد دفعہ حکومت کو توجہ دلانے کی سعی کی ہے اس سلسلہ میں انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے بھی اولاً ایک قرارداد کے ذریعہ احیاء عہدۂ صدر الصدور کا مطالبہ پیش کیا ہے اور اب اس انجمن نے اس عہدہ کے قیام کو اپنے مقصد میں شامل کر کے ہر سال حکومت کو توجہ دلا رہی ہے اگر ہماری یہ کوششیں برابر جاری رہیں تو کامیابی کی یقینی توقع ہے ۔

شمس الملت والدین کی پیشکشی انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے نواب فخر یار جنگ بہادر میر مجلس جامعہ سے اس طرح استدعا کی کہ حضرت جلالتماب شاہ دکن و برار کے جشن سیمیں میں علمائے نظامیہ کی جانب سے شمس الملت والدین کا خطاب پیش کیا جائے تو مناسب ہوگا جس کی بناء پر انجمن کی اس تحریک سے اتفاق فرمایا گیا اور بتاریخ ۲۹ رجب ۱۳۵۵ھ م فروردی ۱۳۴۶ف بمقام باغ عامہ حضرت اقدس واعلیٰ کی خدمت میں اراکین مجلس انتظامی علما اور طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کی جانب سے اس قسم کا دعا نامہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کیگئی کہ[1] " ملازمان خسروی " شمس الملت والدین " کو بھی اپنے القاب مبارک کا جز بنائیں جواب میں ارشاد خسروی ہوا کہ :۔

'میں اس عقیدت کی قدر کرتا ہوں اور تحفہ کو قبول کرتا ہوں'

فارغین نظامیہ پر توجہات شاہانہ اس کے اوپر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت جلالت الملک شاہ دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کو جامعہ نظامیہ سے خاص محبت ہے اور ہمدردی ہے اور ہر وقت جامعہ کی ترقی و اصلاح سے متعلق جلالت الملک کے فرامین شرف صدور ہوتے رہے اور اب بھی متعدد دفعہ طلبہ جامعہ کو مدعو فرماتے اور تحائف سے سرفراز فرماتے ہیں ۔ مولانا علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد دو مرتبہ تشریف فرمائی سے رونق بخشی گئی ۱۱

(۱) مجلہ نظامیہ جلد اول صفحہ ۔ ومجموعہ سیاستنامجات مرتبہ باب حکومت

جب کبھی فارغین نظامیہ کی کاروائیاں پیش ہوتی رہتی ہیں ان پر مراحم خسروانہ کا نزول ہوتا رہتا ہے
۲ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کی وہ مبارک تاریخ ہے جبکہ انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کی جانب سے سوانح
حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کا نسخہ بغرض انتساب شاہانہ پیش ہونے پر مضمون انتساب کو
شائع کرنے کا فرمان مبارک شرف صدور لایا اور حسب ذیل مضمون انتساب کو شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مضمون انتساب کی منظوری | ایک جلیل القدر بزرگ کی سوانح حیات کا انتساب جو سلاطین
آصفیہ کی تین پشتوں کا استاد رہ چکا ہے۔ ایسے ہی عظیم المرتبت بادشاہ ذیجاہ سے موزوں
تھا جو اس سلسلہ کا سب سے نامور فرمانروا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا الحافظ الحاج محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی سوانح
حیات (مطلع الانوار) کو مولانا کے ذیشان شاگرد تاجدار دکن اعلیحضرت سلطان العلوم
نواب میر عثمان علیخاں بہادر آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے نام نامی واسم گرامی سے
معنون کرنے کی عزت حاصل کیجاتی ہے جس کی حضرت اقدس واعلی نے بخلوص ارادت اجازت
مرحمت فرمائی ہے۔"(۱)

خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس واعلیٰ کے احسانات جامعہ نظامیہ پر بے انتہا ہیں۔ الیوم
اکملت لکم دینکم نازل فرمانے والے خدا سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاکؐ کے صدقے سے اس
خادم دینی (جامعہ نظامیہ) کو حساد واعداء کے فتنہ وفساد سے مامون ومصئون رکھے کیونکہ
دولت اسلامیہ آصفیہ میں یہی ایک درسگاہ دین وعلم دین کی محافظ ہے۔

جشن خود مختاری دولت آصفیہ | جلالت مآب شاہ دکن وبرار نے اپنے فرمان مرقومہ یکم شعبان
۱۳۵۲ھ کے ذریعہ اس امر کو واضح فرمایا کہ اس عظیم الشان (اعلان خود مختاری) واقعہ کی
یاد اس قابل ہے کہ اس کو دائماً تازہ رکھیں اور قومی زندگی کے اظہار کے لئے مزید کوشش
عمل میں لائیں چونکہ مملکت سرکار عالی بیرونی دراز دستیوں سے محفوظ ہے اس کو زرین موقع
حاصل ہے کہ رعایا کو خوشحال اور مطمئن بنائے۔ اس لئے ۱۳۵۲ھ سے پہلی مرتبہ ملک میں اس
تقریب سعید کا آغاز ہوا، اور دو صد سالہ جشن آزادی سرکاری طور سے منایا گیا، اور
۲۹ رجب کا روز ہر سال قومی عید اور تعطیل کا دن قرار دیا گیا۔ ملک کے تمام فرقے بلالحاظ

(۱) ضمیمہ سرکاری مملکت سرکار عالی صیغہ مذہبی ص ۳۸۳، ۳۱ امرداد ۱۳۴۲ف

مذہب و ملت اس تقریب کو مختلف طریقوں سے منانے لگے۔ سنہ ۱۳۵۰ف م ۱۳۴۹ھ سے انجمن طلبائے قدیم جامعہ نظامیہ کی جانب سے تقریب آزادی کو اہتمام اور نہایت عالی انتظام سے منانے کے متعلق اپیل شائع ہوئی اور خود مختاری کی تقریب میں روح عمل پیدا کرنے کی سعی کی گئی جس کا نتیجہ ہے کہ آج ملک کے ہر فرد میں آزادی اور حریت کے خاص جذبات موجزن اور موجود ہیں اور آج ہر تعلیم یافتہ طبقے میں خدمتگزاری ملک و مالک کے صحیح احساسات پائے جا رہے ہیں۔ بہرحال ترقی ملک کے ہر شعبۂ حیات میں نظامیہ کا نمایاں حصہ ہے۔

مجلس علماء دکن | مجلس علماء دکن میں جو علما خدمت انجام دے رہے ہیں وہ مدارس اسلامیہ خصوصاً جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ ہیں جن کی مخلصانہ کوششیں اور خفیہ جد و جہد کا یہ محمود نتیجہ ہے کہ تمام علماء ایک مرکز پر جمع ہیں۔

اس جمعیت کا ابتدائی قیام مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کے عہد میں ہو چکا تھا مگر نفخ روح کا عمل نظامیہ کے ہونہار قابل سپوت علامہ مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور حقیقت میں یہی عہد علماء کی زندگی اور موت کے کشمکش کا ہے اگر ایسے وقت مولانا بادشاہ حسینی صاحب رہنمائی نہ کرتے تو یقین تھا کہ علماء کبھی بھی ایک مرکز پر جمع نہ ہوسکتے تاہم آج جماعت علماء میں حقیقی بیداری پیدا ہوگئی ہے اور علماء احیائے ملت کے ہر کام میں اپنی قوت عمل کو صرف کرنے آمادہ نظر آرہے ہیں پہلے سے زیادہ دیہات سدھار کے کام میں مصروف ہیں تو دوسری طرف سیاسی مسائل میں دانشمندانہ طریقہ پر حصہ لے رہے ہیں اور مسلمانان دکن کو ایک مرکز پر جمع کرنے اور ان میں اتحاد کی روح پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں جس کی نظیر آج تاریخ ہند میں نہیں ملتی۔

مجلس حزب اللہ | جامعہ نظامیہ کے ایک ہونہار سپوت نے اس ضرورت کو محسوس کرکے عسکری تعلیم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے مسلمانان دکن میں عسکری روح کو پیدا کرنے کے لئے مجلس حزب اللہ کے نام سے ایک مجلس قایم کیا ہے جس نے اپنی زندگی کے تھوڑے ہی عرصہ میں ملک میں فوجی اسپرٹ کی روح پیدا کرلی اور آج سارا ملک اور سارے مسلمان فوجی اصول اختیار کرنے پر آمادہ نظر آرہے ہیں۔ یہ سب کوششیں مولوی سید ولی اللہ حسینی صاحب (نظامیہ) چشتی کی محمود کوششوں کے مساعی حسنہ ہیں۔

جامعہ نظامیہ کا پانچواں دور اور انقلابی تحریک کا آغاز

نواب فخر یار جنگ بہادر نہ صرف امیر جامعہ تھے بلکہ فنیانس کے صدر المہام بھی تھے کثرت کار اور مشاغل سرکاری میں مصروفیت کی وجہ سے صحت اس قابل نہیں رہی کہ اور چند دن سرکاری خدمت کو انجام دیسکیں لیکن تاہم دو سال تک رخصت پر رہتے اور جامعہ نظامیہ کا عارضی عاجلانہ انتظام مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب اور مولانا محمد عبد القدیر صاحب صدیقی کے تفویض کیا گیا انجمن طلبہ قدیم نے ہر وقت موصوفین کی خدمت میں اصلاح و ترقی جامعہ نظامیہ سے متعلق عملی اسکیم کا مطالبہ کرتی رہی۔ آخر میں انجمن کو موجودہ کمیٹی سے ترقی جامعہ کی کوئی توقع نہیں رہی تو سب سے پہلے معتمد جامعہ اور ناظم جامعہ سے مستعفی ہونے کی خواہش کیگئی[1] اور یہ استدعا کی گئی کہ انتظامی رکنیت پر رہتے ہوئے اس ذمہ دارانہ خدمات کو موزوں اور قابل اشخاص کے تفویض فرمائیں تاکہ اس سرچشمہ فیض سے سارا عالم فیضیاب ہوسکے۔ انجمن کا اس جائز اور اصولی مطالبہ کے باوجود جامعہ میں پہلے سے اختلافات موجود تھے۔ استعفوں کی تحریک اور ان سب کا باہمی اختلاف ایسا بڑھا کہ اولاً ملک کے محترم اور قابل علامہ مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی خدمت نظامت سے مستعفی ہوگئے[2]۔ اس استعفی کے بعد کچھ عملی کام کا آغاز ہونے والا تھا کہ نواب فخر یار جنگ بہادر نے صدر المہامی فنیانس سے وظیفہ پر علیحدہ ہوگئے اور چند روز کے بعد جامعہ نظامیہ کی خدمت میر مجلسی سے بھی مستعفی ہوگئے اس کشمکش دور میں بارگاہ جلالت مآب شاہ دکن و برار کی جانب سے جناب مفتی محمد عبد القدیر صاحب بدایونی کا انتخاب جامعہ نظامیہ کی میر مجلسی پر عمل میں آیا۔ (۳)

میر مجلس جامعہ نظامیہ کی پہلی تقریر

مولوی عبد القدیر صاحب بدایونی نے جامعہ نظامیہ کی میر مجلسی کا جائزہ لیتے وقت طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اپنے مسلک کو اس طرح واضح فرمایا۔

حضرات اساتذہ و عزیز طلبہ! آپ حضرات کو معلوم ہے کہ اعلیحضرت ظل سبحانی نے اس فقیر کا تقرر میر مجلسی مجلس انتظامیہ پر فرمایا ہے مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات کا تعاون سب مجھے حاصل رہے گا۔ میری انتظامی پالیسی بالکل حضرت مولانا انوار اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کے طرز عمل کی پابند رہے گی۔

۱۹۵۸ء

(۱) مراسلہ انجمن ۲۸ر آذر ۱۳۴۷ف (۲) تاریخ استعفا ۲ر اسفندار ۱۳۴۹ف (۳) نیمکرری دفتر پیشی مبارک ۱۲ر ذی الحجہ ذریعہ مراسلہ محکمہ سرکار صیغہ مذہبی ۲۶۹ ۲ر اسفندار ۱۳۴۹ف

کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے کے لحاظ سے نصاب کا مسئلہ قابل غور ہے ممکن ہے نصاب میں تبدیلی کرنی پڑے اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ نصاب کچھ بھی ہو مگر تعلیم کا اول و آخر " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم " میں مضمر ہے اور یہی اصول ہمارے نصاب کا نصب العین ہونا چاہئیے۔

مجھے اس جامعہ کے قدیم طلبہ سے بڑی توقع ہے اور میں ان کے اشتراک عمل کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھوں گا آخر میں دعا فرمائی کہ شمس الملت والدین اعلیحضرت سلطان العلوم کے سایہ عاطفت میں جامعہ پھلے پھولے اور رب العزت مجھے توفیق عطا فرمائے کہ " خدمت مفوضہ " کو باحسن الوجوہ انجام دے سکوں۔ (۱)

فارغین نظامیہ کا پہلا خط | انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۸ اسفندار ۱۳۴۹ف کے ذریعہ اس امر کو واضح کیا کہ:۔

آپ کے دور صدارت میں علم و مذہب کا یہ سرچشمہ اپنے خصوصیات کو قایم رکھتے ہوئے ترقی کے اعلیٰ منازل طے کریگا اور آپ کا وجود حقیقی معنوں میں نہ صرف جامعہ بلکہ عامۃ المسلمین کیلئے مفید ثابت ہوگا اور آپ کے عہد میں فارغین نظامیہ کے تمام توقعات جو اس جامعہ کی اصلاح و ترقی سے متعلق ہیں پورے ہوں گے۔

پانچویں دور کی پہلی مجلس انتظامی | سند تقرر میر مجلس میں جدید کابینہ کی ترتیب کے متعلق کوئی ہدایت نہیں تھی اس لئے مولوی عبدالقدیر صاحب میر مجلس جامعہ کے جائزہ کی تاریخ ۲۸/ اسفندار سے اس لحاظ سے مجلس انتظامی کی تشکیل حسب ذیل قرار پائی۔

۱- مولوی محمد عبدالقدیر صاحب بدایونی میر مجلس
۲- نواب محمد یار جنگ بہادر معتمد
۳- مولانا شاہ محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی رکن
۴- مولانا محمد رحیم الدین صاحب رکن
۵- مولانا سید شاہ محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری رکن
۶- مولانا سید وحید بادشاہ صاحب قادری رکن

(۱) اخبار رہبر دکن ۲۷ بہمن ۱۳۴۹ف

۷۔ مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب ناظم طبابت یونانی رکن

سرپرست جامعہ نظامیہ کی خدمت میں فارغین نظامیہ کا معروضہ | جامعہ نظامیہ کی اصلاح و ترقی سے متعلق فارغین نظامیہ نے بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۱۳۴۹ف

جلالت مآب شمس الملت والدین خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی پیشگاہ عالی میں ایک معروضہ پیش کرنے کی عزت حاصل کی اس معروضہ میں حسب ذیل امور شامل تھے۔

۱۔ جامعہ نظامیہ سے ذات شاہانہ کو خاص سرپرستانہ اور قلبی تعلق رہا ہے اس کے عیاں ونمایاں مظاہرہ کے لئے بارگاہ سلطانی سے خانوادہ آصفی کے ایک رکن محترم شہزادہ حضرت بلند جاہ بہادر کو صدرنشین مجلس اعلی جامعہ نظامیہ کیلئے منتخب فرمایا جائے تو موجب مراحم الطاف خسروانہ ہے۔

۲۔ جامعہ نظامیہ کی حیثیت بلحاظ اپنے مقاصد واغراض معینہ کے شاہانہ سرپرستی میں حسب عملدرآمد قدیم غیر سرکاری رہے گی لیکن نظم ونسق بجائے موجودہ مجلس منتظمہ کے تین مجالس کے ذریعہ انجام پانا سہولت بخش اور مفید ہوگا۔

۱۔ مجلس اعلی ۲۔ مجلس تعلیمی ۔ ۳۔ مجلس مالی ۔

متذکرہ صدر مجالس کے ارکان بجائے دائماً مقرر ہونے کے کسی معینہ مدت تک مامور فرمائے جائیں تو مناسب ہوگا۔

۳۔ مجلس اعلی کو جسے تحت احکام خسروی جملہ انتظامات جامعہ مثل عطائے اسناد معمولی واعزازی وتقررات وغیرہ حاصل ہوں گے موجودہ مجلس منظمہ کی جگہ مقرر کیا جاکر اسے ہدایت دیجا سکتی ہے کہ اپنے فرائض میں اس امر کی نگرانی بھی رکھے کہ طلبہ جامعہ نظامیہ فنون مدافعت کی بھی تربیت حاصل کریں اور حسب نمونہ سیدنا باب العلم جامع السیف والقلم بنیں ۔

۴۔ مجالس تعلیمی ومالی کا تقرر اور فرائض کا تعین مجلس اعلی خود کرسکتی ہے لیکن ذات شاہانہ کے پاس امور جامعہ کے بابتہ بہرحال مجلس اعلی جوابدہ رہے گی جس کی تشکیل میں حسب ذیل عناصر کی شرکت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

تشکیل مجلس اعلی جامعہ نظامیہ | مجلس اعلی کی تشکیل حسب ذیل رہے گی۔

۱۔ صدرنشین ۱ ۲۔ میر مجلس

۳- معتمد	۱	۴- ناظم	۱
۵- شیخ الجامعہ (صدر مدرس)	۱	۶- نمائندگان اساتذہ جامعۂ کلیات	۳
۷- نمائندگان علماء و مشائخین	۳	۸- نمائندگان طلبۂ قدیم جامعہ نظامیہ	۳
۹- کوئی مذہبی افسر فوج	۱	جملہ	۱۵

۵- حسب عملدرآمد قدیم عہدہ داران اور ارکان مجالس جامعہ نظامیہ کا اہل السنت والجماعت سے ہونا ضروری ہوگا اور میر مجلس کو حسب قواعد نافذہ اعلیحضرت کی خدمت میں بمصالح جامعہ نظامیہ جو رائے پیش کرنے کا حق ہے اس کے متعلق و دید اللہ علی الجماعۃ کے موافق اپنی رائے کے ساتھ مجلس اعلیٰ کی رائے بھی شامل کرنا ضروری ہوگا۔

بآخر میں مولوی علی الدین احمد صاحب ناظم امور مذہبی اور میجر تاج احمد خاں صاحب کا نام بحیثیت معتمدی جامعہ اور نمائندہ فوج کیلئے پیش کئے گئے۔

اس یاد داشت کے ذریعہ یہ توقع کیگئی کہ اگر یاد داشت کے بموجب جامعہ نظامیہ کی انتظامی تشکیل قرار پاجائے تو جامعہ نظامیہ دکن میں عہد عثمانی کی ایک ایسی مستحکم و مفید یادگار قایم ہوجائے گی جس سے انشاء اللہ قیامت تک احیاء سنت کا کام ہوتا رہےگا اور فرزندان اسلام رہتی دنیا تک فخر سلاطین دکن حضرت آصف سابع خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے مزید مرہون منت رہیں گے۔

جدید کابینہ کی ترتیب اور اس کی سرگرم کارروائی کا آغاز

یہ افواہ عام طور پر پھیلی ہوئی تھی کہ جوں ہی میر مجلس صاحب کو انجمن طلبۂ قدیم جامعہ نظامیہ کی یادداشت بارگاہ خسروی میں پیش ہونے کا علم ہوا تو ساتھ ہی ایک جدید کابینہ کی فہرست بتاریخ ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ بغرض منظوری بارگاہ خسروی میں پیش کیگئی جو منظور ہوئی اس اعتبار سے میر مجلس صاحب کے جائزہ کے وقت کی کابینہ ۲۶ر فروردی ۱۳۴۹ف تک کارگزار رہی لیکن دستور اور قانون کے لحاظ سے اس کا تعطل نہیں ہوا۔ اس لئے کہ ہنوز کابینہ قدیم کو اپنی معطلی کا سرکاری طور پر کوئی یقین نہیں دلایا گیا اور نہ سند تقرر میر مجلس صاحب میں جدید کابینہ کی ترتیب کا کوئی اختیار دیا گیا غرض دستور جامعہ نظامیہ کے فقرہ (۶) میں اس امر کی

صاف صراحت موجود ہے کہ میر مجلس صاحب

اس لحاظ سے قدیم کابینہ ہنوز قایم اور مدرسہ کے انتظامی امور میں برابر کی خدمت کا حق رکھتی ہے تاہم جو اراکین منتخب ہوئے ہیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ مولوی عبد القدیر صاحب بدایونی — میر مجلس

۲۔ نواب احسن یار جنگ بہادر — معتمد

ارکان مجلس منتظمہ

۳۔ مولانا سید صابر حسینی صاحب

۴۔ مولانا سید مناظر احسن صاحب

۵۔ نواب ناظر یار جنگ بہادر

۶۔ نواب معشوق یار جنگ بہادر

۷۔ مولوی قاری قطب الدین صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ

۸۔ مولوی مامون صاحب دمشقی واعظ سرکار عالی

۹۔ مولوی محمد عبد الہادی صاحب ابن مولوی عبد القدیر صاحب بدایونی

فارغین نظامیہ کا دوسرا خط | مجلس عاملہ انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے اپنے اجلاس مورخہ ۲۷ر فروردی ۱۳۵۹ف میں قرار داد کے ذریعہ میر مجلس صاحب مدرسہ کی توجہ اس طرح مبذول کرنے کی سعی کی کہ

"انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ ان تبدیلیوں کا غور سے مطالعہ کر رہی ہے جو حال میں اس کے ارباب انتظام عمل میں لارہے ہیں اسے ان ارکان سے بہت سی توقعات ہیں جن کا ابھی ابھی تقرر ہوا ہے اور یقیناً وہ سب حضرت بانی علیہ الرحمہ کے اصول و اغراض کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے کوئی ایسا عمل جو مغائر منشاء حضرت بانی نظامیہ ہو اس کو اختیار نہیں فرمائیں گے۔

یہ امر ہمارے لئے باعث حیرت ہے کہ جدید مجلس انتظامی میں فارغین نظامیہ کا کوئی نمائندہ نہیں ہے حالانکہ حضرت بانیؒ ہی کے عہد سے یہ امر تعاملاً و توارثاً چلا آرہا تھا اور یہ

طے شدہ امر بھی ہے کہ مجلس انتظامی میں فارغین نظامیہ ضرور موجود رہیں اس کے کئی گونہ مقاصد ہیں :۔

اولاً یہ افراد نظامیہ روایات کے حامل ہیں اور اس کے تربیت یافتہ ہونے کے باعث وہ ان امور کو نوعمر اور زیر تعلیم طلبہ میں منتقل کرسکتے ہیں دوسرے ان کو اپنی مادر جامعہ سے جو وابستگی اور ہمدردی ہوتی ہے اس کے باعث ان سے ہر قسم کے ایثار کی توقع کیجا سکتی ہے تیسرے اب یہ تمام دنیا کا مسلمہ قاعدہ بھی ہے کہ کسی ادارے کا انتظام کرنے میں وہیں کے فارغین کو زیادہ سے زیادہ مواقع دینا چاہئیے ۔

ان وجوہات کی بناء پر انجمن طلبہ قدیم متندعی ہے کہ مجلس انتظامی جامعہ میں کم سے کم چار ارکان کا اضافہ فرمایئے جو فارغین نظامیہ سے ہوں اور اپنے فرائض کی اہمیت کے ساتھ ان پر نظامیہ برادری کو پورا اعتماد ہو ، اسی طرح جناب مدیر صاحب رہبر دکن (۱) اور مدیر صاحب پیام (۲) نے اس اصولی تحریک سے تائید کرتے ہوئے ارباب مدرسہ کو توجہ دلائی کہ مجلس انتظامی میں نظامیہ کے منتسبین نمایندوں کی شرکت ازبس ضروری ہے ۔

میر مجلس صاحب مدرسہ کا پیغام فارغین نظامیہ کے نام	قرار داد مذکور الصدر کے جواب میں جناب میر مجلس صاحب نے حسب ذیل جواب مرحمت فرمایا

جناب معتمد صاحب انجمن !

عنایت نامہ وصول ہوا ۔ شاید جناب نے فقیر کی سب سے پہلی تقریر اخبارات میں ملاحظہ فرمائی ہوگی میں بڑی خوشی سے آپ کی شرکت عمل کو قبول کروں گا ۔ براہ کرم (۲۸ ر فروردی ۱۳۵۰ف) بعد نماز جمعہ ۲ بجے سے ۴ بجے تک جس وقت فرصت ہو غریب خانہ پر تشریف لائیں تاکہ تفصیلی تبادلہ خیال ہوسکے ۔

ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ فقیر نے بعض مدرسین مدرسہ کے معرفت جناب کو زحمت فرمانے کیلئے کہا تھا ۔ معلوم نہیں آپ کو اطلاع ہوئی یا نہیں امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام

فقیر محمد عبد القدیر القادری
میر مجلس انتظامی مدرسہ نظامیہ

---

(۱) رہبر دکن ۲۶ ر اردی بہشت ۱۳۴۹ف (۲) پیام مورخہ ۹ ر اسفندار ۱۳۴۹ف

معتمد انجمن اور میر مجلس صاحب مدرسہ کے درمیان گفتگو اور ان کا ماحاصل

جناب میر مجلس صاحب مدرسہ کے ارشاد پر ۲۴ فروری ۱۳۴۹ف معتمد انجمن کی ملاقات ہوئی دوران گفتگو میں

جناب میر مجلس صاحب نے فرمایا کہ جدید مجلس انتظامی میں نظامیین کے نام اسلئے شریک نہیں کئے گئے کہ خود نظامیین اپنے نمائندوں کو منتخب کرکے پیش کریں اور یہی عمل آئندہ ترقی جامعہ کیلئے سودمند ہوگا اس لیئے قریب میں مسئلہ زیر بحث کی یکسوئی کیلئے بعض اراکین انتظامی کو مدعو کروں گا جس میں انجمن طلبہ قدیم کے بھی اصحاب شریک رہیں گے جو امور اس جلسہ مشاورت میں طے پائیں گے اس کے بموجب مجلس انتظامی جامعہ میں نظامیین کے نمائندے لینے سے متعلق بارگاہ خسروی میں منظوری کیلئے معروضہ پیش ہو سکیگا چنانچہ اس اطمینان بخش گفتگو کے بعد جناب مولوی سید شیخن احمد صاحب شطاری صدر انجمن نے اپنا ایک بیان اخبارات میں اسطرح شائع فرمایا۔

صدر انجمن کا عام بیان

اضلاع اور بلدہ کی نظامیہ برادری اور علوم دینیہ عربیہ کے دلدادہ احباب کے استفسارات کا سلسلہ بندھ گیا ہے کہ وہ جامعہ نظامیہ کی سرعت پذیر تبدیلیوں میں اس کے مستقبل سے متعلق تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر میرے لیئے ہر ایک کا جواب ادا کرنا دشوار ہے اس لئے ان سب کو اطلاع دیجاتی ہے کہ

جامعہ نظامیہ حضرت شیخ الاسلام فضیلت جنگ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض جاریہ کی بہترین یادگار ہے ہمارے شاہ ذیجاہ حضرت شمس الملت والدین سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی عطوفات شاہانہ جامعہ پر ہر وقت مبذول رہی اور ذات ہمایونی نے ہمیشہ اس کی سرپرستی فرمائی ہے۔

زمانہ کے ترقی پذیر رجحانات اور ضروریات حاضرہ کے مدنظر آخر عشرہ ذوالحجہ الحرام ۱۳۵۸ھ کو انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے جامعہ مذکور کی مزید اصلاحات پر مشتمل ایک اسکیم مرتب کی ہے جس کو میں نے بتوسط چیف سکرٹری نواب کاظم یار جنگ بہادر بارگاہ خسروی میں گذراننے کی سعادت حاصل کی ہے۔ لہذا سارے احباب سے گزارش ہے کہ وہ نتیجہ کا انتظار فرمائیں ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں میں ان کے اطمینان کے لئے یقینی معلومات بہم پہنچانے کے قابل ہوں۔

استفسار کا دوسرا جز جو ہٹی کابینہ کی تشکیل میں نظامیین کی نشستوں پر مبنی ہے کہ انتظام جدید میں کیوں کمیٹی انتظامی کی ایک نشست تک بھی علمائے نظامیہ سے پُر نہیں کیگئی اس کا جواب بھی اطمینان بخش طریقہ پر اس وقت دسکوں گا جب کہ میرے فاضل دوست حال میر مجلس صاحب کمیٹی انتظامی اپنے وطن مالوف بدایون سے واپس تشریف لائیں کیونکہ صاحب معز کو اس خصوص میں نہ صرف تحریراً توجہ دلائی گئی ہے بلکہ ان کے اور معتمد صاحب انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کے درمیان بالمشافہ گفتگو بھی ہو چکی ہے جو امید افزا تصور کیجارہی ہے اور اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ قریب میں ایک تصفیہ کن مفاہمت کا امکان پیدا ہوجائے ۔"[1]

جناب میر مجلس صاحب مدرسہ کے مکان پر اجتماع اور مشاورت	اس کے قبل ظاہر کیا گیا ہے کہ ۲۸ فروردی ۱۳۴۹ف کے جلسہ ملاقات میں جناب میر مجلس صاحب جلسہ

مشاورت کے خیال کو ظاہر فرمایا تھا۔ اس کے بموجب بتاریخ ۱۱ اردی بہشت ۱۳۴۹ف روز جمعہ حسب ذیل اصحاب میر مجلس صاحب کے دولتکدہ پر جمع ہوئے ۔

(۱) جناب میر مجلس صاحب (۲) نواب احسن یار جنگ بہادر معتمد مدرسہ (۳) نواب ناظر یار جنگ بہادر (۴) جناب قاری قطب الدین صاحب (۵) مولوی خواجہ عبد العزیز صاحب (نظامیہ) رکن ہائیکورٹ (۶) ابو الخیر صاحب معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

ابتداء میں جناب امیر جامعہ نظامیہ نے چند عام امور پالسی کے نسبت ظاہر فرمائے اور آخر میں سبھی اس امر سے اتفاق کیا کہ نظامیین کا انتخاب ان کا نمائندہ ادارہ ہی حسب ضرورت کیا کرے۔ چنانچہ انجمن کی جانب سے یہ چار نام رکنیت منتظمہ کیلئے پیش کئے گئے ۔

۱- مولوی خواجہ عبد العزیز صاحب رکن ہائیکورٹ

۲- پروفیسر ڈاکٹر عبد الحق صاحب

۳- پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

۴- مولوی میر مظہر علی صاحب (کامل) وکیل ہائیکورٹ

چونکہ یہ جلسہ کسی با قاعدہ مجلس یا کمیٹی کی نوعیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کا منشاء صرف ایک ایسے اجتماع کا موقع فراہم کرنا تھا کہ معزز ارکان منتظمہ میں سے چند اور خادمین انجمن

---

(۱) از اخبار رہبر دکن مورخہ ۲۰ اردی بہشت ۱۳۴۹ف

طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کے نمائندے ہم بزم ہوں اور ہر ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے واقف ہو کر ہم سب کے مشترکہ مقصد یعنی خدمت جامعہ نظامیہ کی پیش رفت کیلئے تجاویز سوچیں چنانچہ جناب مولوی سید شجن احمد صاحب شطاری صدر انجمن اور معتمد صاحب مدرسہ و میر مجلس صاحب مدرسہ کے درمیان دوبارہ گفتگو اور تبادلۂ خیال کے بعد مجلس انتظامی مدرسہ نظامیہ منعقدہ ۲۹ ر اردی بہشت ۱۳۴۹ف میں مکتوب صدر صاحب انجمن طلبہ قدیم مدرسہ نظامیہ مورخہ ۲۳ ر صفر المظفر ۱۳۵۹ھ پڑھا گیا۔ طے پایا کہ انجمن کے پیشکردہ منتخبہ اصحاب سے فی الحال دو اصحاب نامزد کیے جائیں۔ مولوی خواجہ عبد العزیز صاحب رکن عدالت العالیہ اور مولوی سید شجن احمد صاحب شطاری کا انتخاب کر کے منظوری کیلئے بارگاہ خسروی میں دعا نامہ پیش کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔

جامعہ نظامیہ میں نظامیین کی نمائندگی | نظامیین کے لئے یہ امر موجب مسرت ہے کہ مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ اور انجمن طلبہ قدیم کے درمیان مجلس انتظامی جامعہ میں نظامیین کی نمائندگی سے متعلق جو اختلافات تھے وہ بحمد اللہ جناب صدر صاحب انجمن کی مساعی سے دور ہو گئے اور آخر مجلس انتظامی نے بمصالح بارگاہ خسروی میں اس قسم کا ایک معروضہ پیش کیا کہ:۔

امیر جامعہ نظامیہ کا دعا نامہ | پیشگاہ حضرت اقدس اعلیٰ سے اراکین مجلس انتظامی مدرسہ نظامیہ کی منظوری شرف صدور پا چکی ہے اور اب مجلس انتظامی نہایت مستعدی سے اصلاح مدرسہ میں مصروف عمل ہے اس مدرسہ کے طلبہ نے ایک مجلس انجمن طلبہ قدیم کے نام سے قایم کی ہے ان کی استدعا ہے کہ انجمن مذکور کے اراکین میں سے بھی کچھ اصحاب مجلس انتظامی میں لئے جائیں چند نام بھی پیش کئے ہیں ان کے نام ایسے ہیں جن کا تقرر اگر مجلس انتظامی میں کیا جائے تو مناسب ہے۔ ایک مولوی سید شجن احمد صاحب شطاری جو انجمن کے صدر ہیں اور دوسرے جناب خواجہ عبد العزیز صاحب رکن عدالت العالیہ چونکہ مجلس انتظامی کی ترتیب اور اس کا ہر تغیر و تبدل محتاج منظوری اقدس و اعلیٰ ہے اور بغیر ارشاد ہمایونی کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ اس معروضہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کیجاتی ہے آئندہ جو حکم محکم شرف صدور لائے حسبہٗ تعمیل کیجائے گی (۱)

چنانچہ دفتر پیشی مبارک سے مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ میں نظامیین کے دو نمائندے مولوی سید شجن احمد صاحب شطاری صدر انجمن اور مولوی خواجہ عبد العزیز صاحب رکن عدالت العالیہ کے

---

(۱) معروضہ مورخہ ۲۳ ر صفر المظفر ۱۳۵۹ھ

ماموری کی منظوری شرف اصدار لائی(۱)، اس طرح موجودہ مجلس انتظامی میں سب سے اہم امر کی جو کمی تھی اس کی تکمیل ہوئی۔

مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ کی مکمل تشکیل | مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ کی آخری تشکیل حسب ذیل قرار پائی ؂ ۔

۱۔ مولوی محمد عبد القدیر صاحب بدایونی امیر جامعہ

۲۔ نواب احسن یار جنگ بہادر معتمد جامعہ

ارا کین

۳۔ مولانا سید صابر حسینی صاحب سجادہ

۴۔ مولانا سید مناظر احسن صاحب (نظامیہ) صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

۵۔ نواب ناظر یار جنگ بہادر

۶۔ نواب معشوق یار جنگ بہادر

۷۔ جناب قاری قطب الدین صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ

۸۔ جناب ماموں صاحب دمشقی مدرس مدرسہ دینیات سرکار عالی

۹۔ جناب محمد عبد الہادی صاحب

۱۰۔ از طرف نظامیئن ؂۔ مولوی سید شجن احمد صاحب شطاری صدر انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

۱۱۔ مولوی خواجہ عبد العزیز صاحب (نظامیہ) رکن ہائیکورٹ

جدید مجلس انتظامی کا پہلا کارنامہ | حال میر مجلس صاحب نے جدید کابینہ کی منظوری کے بعد سب سے پہلے حسب ذیل تقررات کئے ہے۔

۱۔ خدمت نظامت پر اپنے صاحبزادے جناب عبد الہادی صاحب بدایونی کو مامور فرمایا (۲) مودبی پر فخر الحسن صاحب بدایونی کا انتظام کیا۔

۳۔ ایک جدید خدمت مسجل کی قایم کیگئی (۲)

یوم تاسیس جامعۂ نظامیہ | نواب فخر یار جنگ بہادر کے عہد میں سال ۱۳۴۹ف کے جلسہ یوم تاسیس میں بیجا اور نا واجبی رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں جس پر نہ صرف انجمن طلبہ قدیم نے

(۱) از اخبار رہبر دکن ۱۸ ر تیر ۱۳۴۹ف (۲) از اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۳۴۹ف

احتجاج کیا، بلکہ ملک کے مفکرین اور مدیران اخبارات نے ارباب مدرسہ کو توجہ دلائی کہ کسی وجہ سے بھی یوم تاسیس نظامیہ کے جلسوں کو روکا نہ جائے یوم تاسیس کے جلسے حقیقی معنوں میں نظامیہ کے لئے مظاہر حیات ہیں جس کا نتیجہ ہوا کہ

ارباب مدرسہ نے بھی دوبارہ مسئلہ کی اہمیت اور وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے انعقاد جلسہ کی اجازت دیدی (۱) اس اجازت کے بعد تھوڑا عرصہ گذرنے نہیں پایا تھا کہ حال میر مجلس صاحب کا اقتدار قائم ہوا۔

افسوس ہے کہ اس عہد میں بھی رکاوٹیں پیدا کرنے کی ناکام سعی کیگئی آخر میں مدرسہ کے ہردلعزیز معتمد نواب احسن یار جنگ بہادر نے انجمن اور مدرسہ کے درمیان جس قسم کے اختلافات تھے ان سب کو اپنے تدبر اور تجربہ کی بناء پر دور فرمایا اور یوم تاسیس کے جلسوں کی اجازت دیدی (۲) اور مولوی سید عبد العزیز صاحب صدر المہام عدالت و مذہبی کی صدارت میں یہ جلسہ تبارنج ۱۵ ارخورداد ۱۳۴۹ف جامعہ نظامیہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔

جامعہ نظامیہ کی سرعت پذیر تبدیلیوں کا اطمینان بخش تصفیہ

مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ میں نظامئین کی نمائندگی سے متعلق جو فرمان خسروی شرف صدور پایا اس سلسلہ میں اظہار تشکر و عقیدت کے طور پر مجلس انتظامی انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے ذیل کا ایک بیان شائع کیا۔

انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کا اپنے ابتدائے قیام سے یہ خیال اور مطالبہ رہا ہے کہ مجلس منتظمہ جامعہ نظامیہ میں فارغین نظامیہ کے نمائندوں کا ہونا اس دینی درسگاہ کی ترقی اور تحفظ روایات کیلئے ناگزیر ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ جدید میر مجلس صاحب اور ان کی زمانہ شناس کابینہ نے اس مطالبہ کی معقولیت کو تسلیم فرمالیا اور سرپرست جامعہ اعلیحضرت بندگان عالی کی خدمت میں دعانامہ پیش فرمایا کہ انجمن طلبہ قدیم کے بھی دو نمائندے مجلس منتظمہ جامعہ نظامیہ میں شریک فرمائے جائیں چنانچہ اب بارگاہ اعلیحضرت شمس الملت والدین جلالت مآب سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ سے اس کی منظوری شرف صدور لا لی ہے کہ

(۱) مراسلہ دفتر جامعہ نظامیہ ۱۷۹۸ مورخہ ۱۵ ار اسفندار ۱۳۴۶ف (۲) مراسلہ دفتر جامعہ نظامیہ ۳۶۹ مورخہ ۹ ارخورداد ۱۳۴۹ف

انجمن طلبہ قدیم کے پیش کردہ چھ ناموں میں سے جسٹس مولانا خواجہ عبد العزیز صاحب (نظامیہ) اور مولانا سید شیخن احمد صاحب شطاری صدر انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کا بطور ارکان مجلس منتظمہ تقرر عمل میں لایا جائے ۔

انجمن ہذا فضیلت مآب امیر جامعہ نظامیہ اور ان کی کابینہ کی اس حقیقت شناسی پر دلی اظہار قدردانی کرتی ہے اور بارگاہ علیم و قدیر جل وعلا میں دست بدعا ہے کہ ہمارے ظل اللہ سلطان العلوم شمس الملت والدین جلالت مآب شاہ دکن کی عمر و اقبال میں ترقی عطا فرمائیے اور جلالت مآب کے ہاتھوں ملت و دین کے روز افزوں بڑے کام سدا انجام پاتے رہیں ۔

مجلس مشاورت کا قیام اس سلسلہ میں انجمن ہذا نے یہ بھی طے کیا کہ اپنے ان نمائندوں کے ذریعہ لائحۂ عمل اصلاح جامعہ نظامیہ کی عاجلانہ تکمیل پر متوجہ ہو اور اپنے ان نمائندوں کو ایک مستحکم مجلس مشاورت کے خدمات بھی مہیا کر دے تاکہ وہ اپنی نمائندگی میں نظامیین کی بہترین آراء اور خدمات سے ہر وقت مستفید ہوتے رہیں ۔

جامعہ نظامیہ کے تقررات مجلس عاملہ انجمن نے جامعہ نظامیہ کے تقررات سے متعلق ذیل کی قرارداد منظور کی ۔

طے ہوا کہ جامعہ نظامیہ میں تقررات کے وقت فارغین نظامیہ کے حقوق کو مرجح رکھنے کی پوری کوشش کی جائے اور فی الوقت جو تقررات جامعہ میں ہو رہے ہیں ان کے متعلق بطور خاص مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ کی توجہ منعطف کرائی جاتی ہے (۱) ۔

اس تحریک کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مودب کی خدمت پر جو ایک غیر نظامیین کو مامور کیا گیا تھا ان سے جامعہ کا نظم سنبھل نہ سکا مجبوراً مستعفی ہو جانا پڑا اسی سلسلہ میں جامعہ نظامیہ کی خدمت نظامت پر نظامیین سے ماموری کی خواہش تھی تاکہ مادر علمی کی حقیقی معنوں میں اصلاح و ترقی ہو اور انجمن کی یہ کوشش تخمیناً (۱۶) سال سے جاری تھی اس مرتبہ نمائندگان نظامیین کی خاص جد وجہد کا یہ محمود نتیجہ ہے کہ مولوی محمد عبد الهادی صاحب فرزند جناب مفتی مولوی عبد القدیر صاحب بدایونی میر مجلس خدمت نظامت سے مستعفی ہوئے اور حسب فرمان خسروی نظامت جیسی اہم خدمت پر علامہ مفتی سید محمود صاحب (نظامیہ) کا تقرر کیم ذی الحجہ شوال ۱۳۵۹ھ عمل میں آیا (۲)

---

(۱) از اخبار رہبر دکن ۲۷ تیر ۱۳۴۹ف (۲) از اخبار رہبر دکن مورخہ ۸ آذر ۱۳۵۰ف و کیم ۲۷ آذر ۱۳۵۰ف

رجسٹر نمبر آصفیہ ۱۴۹

حسن اور طاقت

دنیا کا کون فرد بشر ہے جسے مرغوب نہیں

ملکی شفاخانہ یونانی نے کثیر اخراجات، وافر محنت اور دلسوزی سے کام لے کر

مردوں کے لئے عورتوں کے لئے

ماکا ناکا

دو خاص دوائیں ایجاد کی ہیں جنھیں گذشتہ دنوں ہزاروں نے استعمال کر کے گمشدہ قوتوں اور زائل شدہ حسن کو از سر نو حاصل کر لیا یہ ہر مزاج عمر اور حالت میں مفید اور ہر موسم میں قابل استعمال ہے

مفصل فوائد کیلئے کتابچہ "معلومات" مفت طلب کیجئے

ملکی شفاخانہ یونانی پتھر گٹی حیدرآباد دکن

مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ترجمان

مجلّہ نظامیہ



مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین (نظامی)

معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ

۱۳۵۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلۂ نظامیہ

مدیر ابوالخیر کنج نشین

قیمت سالانہ ہے ۱۲ر

قیمت رعائتی عہ ۸

مقام اشاعت حسینی علم حیدرآباد دکن

شمارہ مشترکہ

فہرس

جلد ۹ بہمن - اسفندار ۱۳۵۰ ف م ذیقعدہ - ذی الحجہ ۱۳۵۹ ھجری عدد ۳-۴

اسلام اور نسوانی حقوق

بہ سلسلۂ گذشتہ

مہر مناسب | اگر کوئی نکاح اس شرط کے ساتھ منعقد ہو کہ کوئی مہر نہیں دیا جائیگا تب بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت مہر مثل کے مستحق ہو گی (۱)

خلوت صحیحہ | امام شافعی کی رائے میں اگر مرد قبل خلوت صحیحہ کے فوت ہو جائے تو عورت کسی مہر کی مستحق نہیں لیکن شافعی علما بھی اس مسئلہ میں حنفی فقہ سے متفق ہیں کہ عورت مہر مثل کی مستحق ہے (۲)

ولایت نکاح | شافعی اور مالکی مذہب کے لحاظ سے باپ یا دادا نہونے اور حنفیوں کے نزدیک باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ داروں کے نہ ہونے کی صورت میں ولایت نکاح کا حق بادشاہ وقت یا قاضی کو حاصل ہوتا ہے

زر مہر اور سامان جہیز | زر مہر کے سلسلہ میں یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زر مہر اور سامان جہیز جو عورت اپنے گھر سے شوہر کے گھر لیجاتی ہے یا شوہر کے جانب سے جو اشیا عورت کو پہنائے جاتے ہیں وہ کس کے ملک ہیں فقہا کا یہ متفقہ تصفیہ ہے کہ زر مہر چونکہ زوجہ کے ساتھ حق وطی کا معاوضہ ہے اسلئے زر مہر کی مالک زوجہ ہوگی سامان جہیز جو ماں باپ یا کسی ولی جائز کی جانب سے دیا جاتا ہے اور یہ بالعموم عورت کو اس کے استعمال کیلئے دیا جاتا ہے اسلئے یہ اشیا بھی عورت کی ملک کہلائینگے اور ان میں وراثت کا عمل قایم رہیگا (۳) اس کے مقابلہ میں جو اشیا دشوہر کی جانب سے زوجہ کو دئے

---

(۱) عورت کے باپ کے رشتہ دار ہم عمر اور مساوی اوصاف عورتوں (بہنیں - پھوپیاں - چچا پھوپی کی لڑکیاں) کے مہر کو مہر مثل کہتے ہیں - (۲) فتح المعین جلد ۱ صفحہ ۱۱ و اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی صفحہ ۱۶۹ (۳) درمختار

[illegible]

جاتے ہیں ان کی حیثیت ہبہ یا مہر کی حیثیت سے ہوگی تو عورت کی ملک ہو گی عاریت کی صورت میں شوہر کی ملک کھلائی جائیے گی (۱)

زوج کے وفات کے بعد مہر کی ادائی | چونکہ یہ دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے اسلئے میت کے تمام قرضوں کی ادائی جس طرح کہ اس کی ہر قسم کی جائداد سے کیجاتی ہے اسی طرح مہر کی ادائی بھی اس کے متروکہ سے واجب ہوگی۔

کمسن لڑکے کا مہر اور اس کی ادائی | کمسن لڑکا جبکہ نادار اور مفلس ہو تو اس کی زوجہ کے مہر کا مطالبہ اس کے ولی سے نہیں کیا جاسکیگا مگر جب کہ ولی بر وقت نکاح مہر کی ذمہ داری اپنے پر لے تو اس وقت اس کو بحیثیت ضامن مہر ادا کرنا ضروری ہوگا (۲)

حسن سلوک | اسلام نے جہاں مرد کو عورت پر برتری دی ہے وہاں مرد کو یہ بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے عورتوں کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا برتاؤ رکھے اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جسے اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائیے اور عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی میری وصیت قبول کرے کیونکہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں جو سب سے بڑی پسلی ہے وہ سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائیگی اور یوں ہی رہنے دو تو ہمیشہ تیڑھی رہے گی۔ میری وصیت ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی قبول کرو۔ (۴) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا کہ

اور کہو اپنی بیویوں کو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو ضرر نہ پہنچاؤ (۵) اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اسلام نے جس وسعت اور احتیاط سے عورت کو مرد کا برابر اور حقوق و معاملات میں جو برابری دی ہے اس کی نظیر کسی مذہب و ملت میں نہیں ملتی جس طرح اسلام نے عورت کو گھر میں اولاد پر حکمران قرار دیا اسی طرح اس حکمران کی بقا اور قیام کے لئے آسان قاعدے اور ان کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں بھی معین کی ہیں اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ نکاح جس کا مقصد زوجین کی مصلحت اور دفع ضرر ہے۔ اس لحاظ سے

(۱) درمختار برحاشیہ رد المحتار صفحہ ۳۵۷ (۲) درمختار جلد ۲ باب المہر) (۳) عاشروھن بالمعروف ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے گذر کرو۔ (۴) بخاری کتاب النکاح (۵) اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا

انتظام شب باشی | عورت کو اس امر کا حق دیا گیا کہ وہ مرد سے وطی کا مطالبہ کرے کیونکہ مرد کا اس کیلئے حلال ہونا اس کا حق ہے۔ جیسا کہ عورت کا مرد کیلئے حلال ہونا مرد کا حق ہے جب عورت مطالبہ کرے تو حکم میں ایک دفعہ مجبور کیا جاتا ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ دیانتاً واجب ہے مگر حکم میں واجب نہیں لیکن بعض اصحاب کے نزدیک حکم میں بھی زیادتی واجب ہے (۱) اگر کسی شخص کی متعدد زوجات ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرتا ہو یا ایک ہی زوجہ ہو مگر وہ اس کے پاس نہ رہتا ہو تو عدالت اس کو عدل کرنے اور اپنی زوجات کے پاس باری باری سے رہنے کا حکم دیگی اور ایک ہی زوجہ ہونے کی صورت میں کم سے کم ہر چوتھے روز اس کے ساتھ شب باشی کرنیکا حکم دیگی (۲) اگر ایسی شکایت پہلی دفعہ پیش ہونے پر عدالت تعزیر سے کام نہ لیگی صرف ہدایت پر اکتفا کریگی (۳) اور اگر عدالتی حکم کو نہ مانے تو باستثنائے سزائے قید مناسب سزا کا مستحق ہوگا (۴) نکاح کے بعد عورت کی خواہش نفسانی کو پورا کرنا مرد کیلئے لازمی ہے۔ اسلئے حضرت امام غزالی کی رائے ہے کہ خاوند پر لازم ہے کہ چوتھے دن اپنی عورت سے مقاربت کیا کرے اور اگر اس میں کمی یا زیادتی کی ضرورت ہو تو حسب ضرورت تاخیر و تعجیل بھی کر سکتا ہے (۵)

مباشرت سے پہلے زوجہ کا نفقہ کس پر ہوگا | اگر عورت اپنے ماں باپ کے مکان میں رہے اور شوہر اس کو اپنے گھر نہ لے گیا ہو تو ایسی حالت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر ہوگا کیونکہ اس کو اس سے حظ نفس کے مواقع حاصل ہیں ایسی حالت میں عورت کا اس قسم کا عمل جائز کہلائیگا۔ اور شوہر پر نفقے کی ادائی لازمی ہوگی کیونکہ شوہر کو جو رکاوٹ پیش آرہی ہے۔ وہ عورت کی جانب سے نہیں بلکہ شوہر کی طرف سے ہے البتہ مہر کی رقم ادا کرنے کے بعد عورت مباشرت سے منع کرے تو ایسی صورت میں مرد پر عورت کا نفقہ لازمی نہیں ہوگا کیونکہ عورت نے بغیر کسی استحقاق کے مرد کو صحبت سے روکی ہے۔

عورت کا نفقہ اور اس کے اصول | نکاح کے بعد زوجہ کا نفقہ شوہر کیلئے لازمی ہے اس کا نفقہ یعنی کھانا، کپڑا، مکان زوجین کی مالی حیثیت کے لحاظ سے شوہر پر مقرر ہوگا۔ اگر کسی عورت کا شوہر متمول ہو تو ایسی حالت میں شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کے لئے ایک متوسط نفقہ مقرر کرے نہ اس میں کمی ہو اور نہ زیادتی مثلاً شوہر مرغ۔ حلوے اور مختلف قسم کے کھانے استعمال کرتا ہے تو عورت کے لئے بھی کم از کم گیہوں کی روٹی اور دو قسم کے سالنوں کا انتظام کرائے۔ باوجود اس کے کہ بیوی اپنے والدین یا قرابت داروں کے مکان میں اس قسم کے کھانے کا استعمال کرتی ہو یا نہ ہو ان ہر دو صورتوں میں ایک متوسط نفقہ مقرر کرنا ضروری ہے امام خصاف کی بھی یہی رائے ہے کہ شوہر اپنی

---

(۱) رد المحتار جلد دوم صفحہ ۴۲۳ (۲ و ۳) درمختار جلد ۲ باب القسم صفحہ ۶۲۰ (۴) رد المحتار جلد ۲ باب القسم صفحہ ۶۱۸
(۵) احیاء العلوم جلد (۲) صفحہ ۴۳

حیثیت کے موافق نفقہ مقرر کرے مبسوط اور ادب القاضی میں یہی موجود ہے اور اسی پر فتویٰ ہے[1]

اگر مرد متمول نہ ہو بلکہ مفلس ہو اور عورت متمول ہو تو ایسی صورت میں شوہر کو چاہیئے کہ عورت کیلئے متوسط نفقہ مثلاً گیہوں کی روٹی اور ایک دو قسم کے سالنے مقرر کرے تاکہ عورت کی صحت پر کسی قسم کا مضرت بخش اثر نہ پڑے خلاصہ یہ کہ امام خصاف کی رائے ہے کہ نفقہ میں مرد یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے حالات پر اعتبار کیا جائے۔

امام خصاف (صاحب کتاب) نے یہ نہیں بیان کیا کہ شوہر بیوی کے ساتھ بیٹھکر کھا سکتا ہے یا نہیں لیکن دوسرے علماء کی رائے ہے کہ شوہر اس قسم سے کھا پی سکتا ہے اور اس کا یہ فعل مستحب ہے کیونکہ شوہر بیوی کے ساتھ حسن سلوک کیلئے مامور ہے اور یہی ایک صورت نفقہ میں مساوات کی ہے (باقی)

رسالہ سیاست حیدرآباد دکن۔

ایڈیٹر۔ یوسف حسین خاں صاحب ریڈر تاریخ جامعہ عثمانیہ۔ قیمت سالانہ (صہ)

جنوری ۱۹۳۰ء سے سیاست کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہو رہا ہے انسانی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنا اس کا اہم مقصد ہے اور علمی نقطہ نظر سے تمدنی اور سیاسی مسائل سے بحث اس کا خاص نصب العین ہوگا چنانچہ زیر بحث رسالہ میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ سب تحقیقی اور نہایت مفید ہیں خصوصاً جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ کے مضامین عہد نبوی کی سیاست کاری اور ہجرت پر جو لکھے گئے ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ غرض عصر جدید میں جبکہ قوموں کی ترقی و عروج کا راز سیاست دانی اور سیاست شناسی میں مضمر سمجھا گیا ہے اس لحاظ سے باعتبار فن اصول سیاست سے واقف رہنا آج پہلے سے زیادہ ہر فرد کیلئے لازمی اور ضروری ہے اور اس مقصد کو رسالہ سیاست اچھی طرح پورا کر سکتا ہے شکر ہے کہ "سیاست" کی اجرائی کا فخر بھی حیدرآباد ہی کو نصیب ہوا ہے ہمیں توقع ہے کہ اہل علم "سیاست" کی قدر افزائی اور اس کی سرپرستی میں کافی حصہ لیں گے۔

تذکرۃ الہند المعروف بہ یادگار رضاعی

یہ کتاب علامہ حکیم رضا علی خاں صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی ہے جس میں ہندی کی جڑی بوٹیوں کے علاوہ دیگر بہت سی جڑی بوٹیوں کے افعال و خواص اور ان کی ماہیتوں کو نہایت کمال تحقیق سے بتلایا ہے جس کی وجہ سے اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی اس کی دوبارہ طباعت میں انجمن اطبا یونانی کی مساعی شریک رہی ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب دو حصوں میں چھپ کر شائع ہوئی ہے باعتبار طباعت و کتابت دیدہ زیب اور کاغذ عمدہ قسم کا لگایا گیا ہے لیکن انڈکس نہ ہونے سے یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ میں دشواریاں پیدا کرنے کا سبب ہوگی طب کی کتاب میں انڈکس کی زیادہ اہمیت ہے بہرحال ہمیں توقع ہے کہ اس انجمن کے معتمد مولوی حکیم محمد حبیب اللہ صاحب فاضل طبابت سے جن کی سعی محمود سے دوسرا حصہ شائع ہوا ہے وہ اشارات کی ترتیب کی طرف متوجہ ہو کر اہل علم کی تشنگی کو بجھائیں گے۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب ذخائر طب کیلئے [illegible]

(۱) ردالمحتار جلد (۲)، صفحہ ۶۶۲ پر بھی اسی قسم کا فتویٰ دیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیمت سالانہ ۱؎
قیمت رعایتی عہ
مقام اشاعت حسینی علم حیدرآباد دکن
شمارہ مشترکہ

مجلہ نظامیہ

مدیر ابوالخیر کنج نشین

فہرس

جلد ۲ - بہمن - اسفندار ۱۳۵۰ ف م ذیقعدہ - ذی الحجہ ۱۳۵۹ ہجری عدد ۳-۴

اسلام اور نسوانی حقوق

بہ سلسلۂ گذشتہ

مہر مناسب | اگر کوئی نکاح اس شرط کے ساتھ منعقد ہو کہ کوئی مہر نہیں دیا جائیگا تب بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت مہر مثل کی مستحق ہو گی (۱)

خلوت صحیحہ | امام شافعی کی رائے میں اگر مرد قبل خلوت صحیحہ کے فوت ہوجائے تو عورت کسی مہر کی مستحق نہیں لیکن شافعی علما بھی اس مسئلہ میں حنفی فقہ سے متفق ہیں کہ عورت مہر مثل کی مستحق ہے (۲)

ولایت نکاح | شافعی اور مالکی مذہب کے لحاظ سے باپ یا دادا نہونے اور حنفیوں کے نزدیک باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ داروں کے نہ ہونے کی صورت میں ولایت نکاح کا حق بادشاہ وقت یا قاضی کو حاصل ہوتا ہے

زر مہر اور سامان جہیز | زر مہر کے سلسلہ میں یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زر مہر اور سامان جہیز جو عورت اپنے گھر سے شوہر کے گھر لیجاتی ہے یا شوہر کے جانب سے جو اشیا عورت کو پہنائے جاتے ہیں وہ کس کے ملک ہیں فقہا کا یہ متفقہ تصفیہ ہے کہ زر مہر چونکہ زوجہ کے ساتھ حق وطی کا معاوضہ ہے اسلئے زر مہر کی مالک زوجہ ہوگی سامان جہیز جو ماں باپ یا کسی ولی جائز کی جانب سے دیا جاتا ہے اور یہ بالعموم عورت کو اس کے استعمال کیلئے دیا جاتا ہے اسلئے یہ اشیا بھی عورت کی ملک کہلائیں گے اور ان میں وراثت کا عمل قایم رہے گا (۳) اس کے مقابلہ میں جو اشیاء شوہر کی جانب سے زوجہ کو دئے

---

(۱) عورت کے باپ کے رشتہ دار ہم عمر اور مساوی اوصاف عورتوں (بہنیں - پھوپیاں - چچا - پھوپی کی لڑکیاں) اسکے مہر کو مہر مثل کہتے ہیں - (۲) فتح المعین جلد ۱ صفحہ ۱۱ و اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی صفحہ ۱۶۹ (۳) در مختار برحاشیہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۵۶۴ فتاوی مجموعہ باب المہر جلد ۱ صفحہ ۱۳۳

جاتے ہیں ان کی حیثیت ہبہ یا مہر کی حیثیت سے ہوگی تو عورت کی ملک ہوگی عاریت کی صورت میں شوہر کی ملک کہلائی جائیے گی (۱)

زوج کے وفات کے بعد مہر کی ادائی | چونکہ یہ دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے اسلئے میت کے تمام قرضوں کی ادائی جس طرح کہ اس کی ہر قسم کی جائداد سے کیجاتی ہے اسی طرح مہر کی ادائی بھی اس کے متروکہ سے واجب ہوگی۔

کمسن لڑکے کا مہر اور اس کی ادائی | کمسن لڑکا جبکہ نادار اور مفلس ہو تو اس کی زوجہ کے مہر کا مطالبہ اس کے ولی سے نہیں کیا جاسکیگا مگر جب کہ ولی بروقت نکاح مہر کی ذمہ داری اپنے پر لے تو اس وقت اس کو بحیثیت ضامن مہر ادا کرنا ضروری ہوگا (۲)

حسن سلوک | اسلام نے جہاں مرد کو عورت پر برتری دی ہے وہیں مرد کو یہ بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے عورتوں کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا برتاؤ رکھے اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمائی ۔ (۳) حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" جسے اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائیے اور عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی میری وصیت قبول کرے کیونکہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں جو سب سے ٹیڑھی پسلی ہے وہ سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائیگی اور یوں ہی رہنے دو تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ میری وصیت ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی قبول کرو۔ (۴) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا کہ

اور رکھو اپنی بیویوں کو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو ضرر نہ پہنچاؤ (۵) اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اسلام نے جس وسعت اور احتیاط سے عورت کو مرد کا برابر اور حقوق و معاملات میں جو برابری دی ہے اس کی نظیر کسی مذہب و ملت میں نہیں ملتی جس طرح اسلام نے عورت کو گھر میں اولاد پر حکمران قرار دیا اسی طرح اس حکمران کی بقا اور قیام کے لئے آسان قاعدے اور ان کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں بھی معین کی ہیں اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ نکاح جس کا مقصد زوجین کی مصلحت اور دفع ضرر ہے۔ اس لحاظ سے

---

(۱) درمختار برحاشیہ رد المحتار صلا۳ (۲) درمختار جلد۲ باب المہر) (۳) عاشروھن بالمعروف ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے گذران کرو (۴) بخاری کتاب النکاح (۵) واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا

انتظام شب باشی | عورت کو اس امر کا حق دیا گیا کہ وہ مرد سے وطی کا مطالبہ کرے کیونکہ مرد کا اس کیلئے حلال ہونا اس کا حق ہے۔ جیسا کہ عورت کا مرد کیلئے حلال ہونا مرد کا حق ہے جب عورت مطالبہ کرے تو حکم میں ایک دفعہ مجبور کیا جاتا ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ دیانتاً واجب ہے مگر حکم میں واجب نہیں لیکن بعض اصحاب کے نزدیک حکم میں بھی زیادتی واجب ہے (۱) اگر کسی شخص کی متعدد زوجات ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرتا ہو یا ایک ہی زوجہ ہو مگر وہ اس کے پاس نہ رہتا ہو تو عدالت اس کو عدل کرنے اور اپنی زوجات کے پاس باری باری رہنے کا حکم دیگی اور ایک ہی زوجہ ہونے کی صورت میں کم سے کم ہر چوتھے روز اس کے ساتھ شب باشی کرنیکا حکم دیگی (۲) اگر ایسی شکایت پہلی دفعہ پیش ہونے پر عدالت تعزیر سے کام نہ لیگی صرف ہدایت پر اکتفا کریگی (۳) اور اگر عدالتی حکم کو نہ مانے تو باستثنائے سزائے قید مناسب سزا کا مستحق ہوگا (۴) نکاح کے بعد عورت کی خواہش نفسانی کو پورا کرنا مرد کیلئے لازمی ہے۔ اسلئے حضرت امام غزالیؒ کی رائے ہے کہ خاوند پر لازم ہے کہ چوتھے دن اپنی عورت سے مقاربت کیا کرے اور اگر اس میں کمی یا زیادتی کی ضرورت ہو تو حسب ضرورت تاخیر و تعجیل بھی کر سکتا ہے (۵)

مباشرت سے پہلے زوجہ کا نفقہ کس پر ہوگا | اگر عورت اپنے ماں باپ کے مکان میں رہے اور شوہر اس کو اپنے گھر نہ لے گیا ہو تو ایسی حالت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر ہوگا کیونکہ اس کو اس سے حظ نفس کے مواقع حاصل نہیں ایسی حالت میں عورت کا اس قسم کا عمل جائز کہلائے گا۔ اور شوہر پر نفقے کی ادائی لازمی ہوگی کیونکہ شوہر کو جو رکاوٹ پیش آرہی ہے وہ عورت کی جانب سے نہیں بلکہ شوہر کی طرف سے ہے البتہ مہر کی رقم ادا کرنے کے بعد عورت مباشرت سے منع کرے تو ایسی صورت میں مرد پر عورت کا نفقہ لازمی نہیں ہوگا کیونکہ عورت نے بغیر کسی استحقاق کے مرد کو صحبت سے روکی ہے۔

عورت کا نفقہ اور اس کے اصول | نکاح کے بعد زوجہ کا نفقہ شوہر کیلئے لازمی ہے اس کا نفقہ یعنی کھانا، کپڑا، مکان زوجین کی مالی حیثیت کے لحاظ سے شوہر پر مقرر ہوگا۔ اگر کسی عورت کا شوہر متمول ہو تو ایسی حالت میں شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے لئے ایک متوسط نفقہ مقرر کرے نہ اس میں کمی ہو اور نہ زیادتی مثلاً شوہر مرغ۔ حلوے اور مختلف قسم کے کھانے استعمال کرتا ہے تو عورت کے لئے بھی کم از کم گیہوں کی روٹی اور دو قسم کے سالنوں کا انتظام کرائے۔ باوجود اس کے کہ بیوی اپنے والدین یا قرابت داروں کے مکان میں اس قسم کے کھانے کا استعمال کرتی ہو یا نہ ہو ان ہر دو صورتوں میں ایک متوسط نفقہ مقرر کرنا ضروری ہے امام خصاف کی بھی یہی رائے ہے کہ شوہر اپنی

---

(۱) رد المحتار جلد دوم صفحہ ۴۳۲ (۲ و ۳) درمختار جلد ۲ باب القسم صفحہ ۶۱۸ (۴) رد المحتار جلد ۲ باب القسم صفحہ ۶۱۸
(۵) احیاء العلوم جلد (۲) صفحہ ۴۳

حیثیت کے موافق نفقہ مقرر کرے مبسوط اور ادب القاضی میں بھی موجود ہے اور اسی پر فتوی ہے[1] اگر مرد متمول نہ ہو بلکہ مفلس ہو اور عورت متمول ہو تو ایسی صورت میں شوہر کو چاہیئے کہ عورت کیلئے متوسط نفقہ مثلاً گیہوں کی روٹی اور ایک دو قسم کے سالنے مقرر کرے تاکہ عورت کی صحت پر کسی قسم کا مضرت بخش اثر نہ پڑے خلاصہ یہ کہ امام خصاف کی رائے ہے کہ نفقہ میں مرد یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے حالات پر اعتبار کیا جائے۔

امام خصاف (صاحب کتاب) نے یہ نہیں بیان کیا کہ شوہر بیوی کے ساتھ بیٹھکر کھا سکتا ہے یا نہیں لیکن دوسرے علماء کی رائے ہے کہ شوہر اس قسم سے کھا بھی سکتا ہے اور اس کا یہ فعل مستحب ہے کیونکہ شوہر بیوی کے ساتھ حسن سلوک کیلئے مامور ہے اور یہی ایک صورت نفقہ میں مساوات کی ہے (باقی)

رسالہ سیاست - حیدرآباد دکن - { ایڈیٹر یوسف حسین خاں صاحب ریڈر تاریخ جامعہ عثمانیہ۔ قیمت سالانہ (ے)

جنوری ۱۹۲۸ء سے سیاست کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہو رہا ہے انسانی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنا اس کا اہم مقصد ہے اور علمی نقطہ نظر سے تمدنی اور سیاسی مسائل سے بحث اس کا خاص نصب العین ہوگا چنانچہ زیر بحث رسالہ میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ سب تحقیقی اور نہایت مفید ہیں خصوصاً جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ کے مضامین عہد نبوی کی سیاست کاری اور بحسرت بر جو لکھے گئے ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں غرض موجودہ عہد میں جبکہ قوموں کی ترقی و عروج کا راز سیاست دانی اور سیاست شناسی میں مضمر سمجھا گیا ہے اس لحاظ سے باعتبار فن اصول سیاست سے واقف رہنا آج پہلے سے زیادہ ہر فرد کیلئے لازمی اور ضروری ہے اور اس مقصد کو رسالہ سیاست اچھی طرح پورا کر سکتا ہے شکر ہے کہ "سیاست" کی اجرائی کا فخر بھی حیدرآباد ہی کو نصیب ہوا ہے ہمیں توقع ہے کہ اہل علم "سیاست" کی قدر فرمائیں اور اس کی سرپرستی میں کافی حصہ لیں گے۔"

تذکرۃ الہند المعروف بہ یادگار رضاعی یہ کتاب علامہ حکیم رضا علی خاں صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی ہے جس میں ہند کی جڑی بوٹیوں کے علاوہ دیگر بہت سی جڑی بوٹیوں کے افعال و خواص اور ان کی ماہیتوں کو نہایت کمال تحقیق سے بتلایا ہے جس کی وجہ سے اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی اس کی دوبارہ طباعت انجمن اطبا یونانی کی مساعی شریکہ ہی ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب دو حصوں میں چھپ کر شائع ہوئی ہے باعتبار طباعت کتابت دیدہ زیب اور کاغذ عمدہ قسم کا لگایا گیا ہے لیکن انڈکس نہ ہونے سے یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ میں دشواریاں پیدا کرنے کا سبب ہوگی طب کی کتاب میں انڈکس کی زیادہ اہمیت ہے بہر حال ہمیں توقع ہے کہ اس انجمن کے معتمد مولوی حکیم محمد حبیب اللہ صاحب فاضل نظامیہ جن کی سعی کوشش سے دوسرا حصہ شائع ہوا ہے وہ اشارات کی ترتیب کی طرف متوجہ ہو کر اہل علم کی تشنگی کو بجھا دیں گے۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب دنیائے طب کیلئے قابل قدر ہے دونوں حصوں کی قیمت دس روپیہ ہے ملنے کا پتہ دفتر انجمن ... ملک پیٹ

(۱) رد المحتار جلد (۲) صفحہ ۶۶۲ پر بھی اسی قسم کا فتوی دیا گیا ہے

جامعہ میں طلبہ کے مجالس ابتدا سے جامعہ نظامیہ میں طلبہ کے کئی مجالس موجود تھے ان میں سے معراج الاسلام اور مخزن الانوار جیسے مجالس کو خاص اہمیت تھی ان کے مقاصد واغراض میں یہ جز بھی شامل تھا کہ طلبہ اصول مناظرہ کی سختی سے پابندی کریں اور اس کے ساتھ مذہب اسلام کی خوبیوں کو ثابت اور غیر مذاہب کے مطاعن واعتراضات کا بطریق احسن جواب دینے کی اہلیت پیدا کریں، غرض ایک عرصہ تک اس قسم کے مجالس جامعہ میں قایم اور اپنے مقاصد واغراض میں کامیاب رہے۔ یہانتک کہ ان مجالس کے اہتمام میں ان کے قایم کردہ کتب خانے بھی تھے جہاں توسیع معلومات کے لئے بہت سے عربی اور اردو اخبارات ورسائل آیا کرتے تھے۔ طلبہ کے اس قسم کے مشاغل اور مصروفیات کی وجہ سے جامعہ میں ایک خاص قسم کی علمی و مذہبی فضا پیدا ہوگئی تھی اور جامعہ کے درودیوار سے علمی فضا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں غرض اس عہد میں نفخ روح کے بہت سے اسباب پیدا کرائے گئے تھے[1]

اسناد جامعہ نظامیہ جامعہ نظامیہ کی تعلیمی حالت اور اس کا معیار تعلیم بلند ہونے کے سبب حکومت سرکار عالی نے بھی اسناد جامعہ نظامیہ کے معیار کو مغربی جامعات کے مانند مماثل قرار دیا اس اعتبار سے مولوی فاضل اور بی۔ اے دونوں کے مساوی ومماثل حقوق قرار دیئے گئے[2] اور محکمہ سرکار صیغہ فنیانس کیجانب سے احکام اجرا ہونیکی وجہ سے دفاتر اور مدارس میں نظامیین کی ماموری سے متعلق کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں[2]

اعلیٰ خدمات پر نظامیین کی ماموری اور اس کے احکام حضرت جلالت مآب شاہ دکن وبرار کے توجہات شاہانہ کا یہ محمود نتیجہ ہے کہ مولوی فاضل کامیاب اشخاص بھی تحصیلداری، تعلقداری اور اسی قسم کے اعلیٰ خدمات پر ماموراور کارگزار ہیں مگر چند روز سے ان اعلیٰ خدمات پر ماموری عمل میں نہیں آرہی تھی، دوبارہ محکمہ مال کو توجہ دلانے پر یہ تصفیہ ہوا کہ ان خدمات پر مولوی فاضل کو بھی بی۔ اے کے ساتھ منتخب ہونے کا کامل حق رہے گا[3]

خلاصہ یہ کہ دولت آصفیہ اسلامیہ کے یہ محمود برکات ہیں کہ اس ریاست میں علماء کی قدرومنزلت اوران کی وقعت وعظمت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں، ایک عالم واعظ بھی ہے تو اہلکار بھی عدالت کی اعلیٰ خدمت رکنیت پر بھی فائز ہے غرض دولت اسلامیہ آصفیہ نے دنیا کو یہ ثابت کردکھایا کہ مذہب اور سیاست دونوں ایک ہیں، اور اس وقت ملک کے

(۱) رپورٹ پنج سالہ جامعہ نظامیہ بابتہ ۱۳۱۹ف لغایتہ ۱۳۲۳ھ (۲) گشتی دفتر صدر محاسب سرکار عالی ۲۲ ۱۹ ار اردی بہشت ۱۳۲۲ف نشان نمبر ۱۵۰ صیغہ عام ۱۳۳۲ف (۳) مراسلہ محکمہ سرکار صیغہ مالگذاری ۲۱۶ ۲۰ اردی [illegible]

اعلیٰ خدمات پر جامعہ نظامیہ اور جامعہ عثمانیہ کے قابل افراد فائز اور ملک کی خدمتگزاری کا شرف حاصل کر رہے ہیں ۔

ملازمین جامعہ کے لئے وظیفہ یا پنشن

حضرت اقدس واعلیٰ نے جس طرح اس دینی جامعہ کے بقاء کا ضروری خیال فرماکر اس کی سرپرستی قبول فرمائی اور اس کی ترقی وعروج کے لئے وقتاً فوقتاً مناسب ہدایات نافذ فرماتے رہے اسی طرح بکمال قدر افزائی اس جامعہ کے ملازمین کے لئے بھی وظائف کا حق منظور فرمایا۔ اب اس جامعہ کی تمام جائدادیں قابل وظیفہ قرار پاچکی ہیں ۔ (۱)

جامعہ نظامیہ میں صاحبان خدمات مذہبی کی تعلیم کا لزوم

دولت آصفیہ میں مذہبی خدمات قاضی، مفتی، محتسب، الملخدمات شرعیہ اور صاحبان درگاہ کی ایک کثیر جماعت موجود ہے جن کے نام حکومت کی جانب سے انعامات اور جاگیریں بحال ہیں حضرت اقدس واعلیٰ نے جن کو بلالحاظ مذہب وملت ملک کی عام تعلیم اور طبقات کی فلاح وبہبودی سے خاص شغف ہے بذریعہ فرمان مبارک مذکور الصدر صاحبان خدمت کی اولاد کی تعلیم وترتیب جامعہ نظامیہ میں لازمی قرار دی ہے تاوقتیکہ جامعہ نظامیہ کے اسناد علمی پیش نہ ہوں اس وقت تک سررشتہ مال معاش بحال کرنے کا مجاز نہیں (۲) اس خصوص میں

جنرل کمیٹی جاگیردار کالج کی قرارداد

جنرل کمیٹی جاگیردار کالج منعقدہ ۵ ارفروری ۱۳۳۳ف کی قرارداد بھی قابل غور ہے ۔

"جنرل کمیٹی کو صدر الصدور صاحب کی رائے سے اتفاق ہے کہ معاشداران مشروط الخدمتہ مذہبی کے اولاد کی تعلیم کا جملہ انتظام مدرسۂ نظامیہ میں ہونا چاہیئے اور ان جاگیرات سے جو ٹیکس جاگیردار کالج کو وصول ہوتا ہے وہ مدرسۂ نظامیہ کی آمدنی میں منتقل ہوجائے گا اس عمل سے جنرل کمیٹی جاگیردار کالج کو اتفاق ہے چنانچہ اسی بناء پر انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کی جانب سے محکمہ سرکار میں کارروائی جاری کیگئی ۔ بالآخر طے پایا کہ مشروط الخدمت جاگیرات کا ٹیکس نوفیصدی کی حد تک مدرسہ نظامیہ کو دیا جائے ۔ مراسلہ محکمہ سرکار صیغہ مذہبی نشان ۱۴۳۱ ۲۲ رتیر ۱۳۴۲ف نشانمثل ۱۳۴۲ف

جامعہ نظامیہ کی عمارت

جامعہ نظامیہ کی عمارت سے متعلق حضرت اقدس واعلیٰ نے دو

(۱) احکام محکمہ سرکار صیغہ فینانس ۳۳۰ صیغہ فوج ۲۰ رخورداد ۱۳۴۲ف نشانمثل ۲۹۵/۲ ام ف
(۲) احکام محکمہ سرکار صیغہ مذہبی ۱۱ رآذر ۱۳۲۰ف م ۱۳ رصفر ۳۳۱ ۱۳۲۹ھ

فرمان مبارک نافذ فرمایے پہلے فرمان مبارک میں یہ ارشاد ہوا کہ پندرہ بیس ہزار کی لاگت میں مدرسہ کی عمارت تعمیر کردیجائے۔[1] دوسرا فرمان مبارک مرقومہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ میں پچاس ساٹھ ہزار کی عمارت تعمیر کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا۔ ابھی تک اس کارروائی کا کوئی مناسب تصفیہ نہیں ہوا اگر تصفیہ ہوجائے تو جامعہ نظامیہ کے لئے ایک نمایاں عمارت تیار ہوجائے گی جو عہد عثمانی کی بہترین علمی و مذہبی یادگار رہے گی۔

جامعہ نظامیہ وجامعہ عثمانیہ | جامعہ عثمانیہ نے جامعہ نظامیہ کے اسناد کو مسلمہ قرار دے کر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کے مساوی حقوق ملازمت کا تصفیہ فرمایا و نیز اجلاس مجلس انعقاد جامعہ عثمانیہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۳ فروردی ۱۳۴۵ف میں ذیل کی قرار داد منظور کی۔

" جامعہ نظامیہ کے مولوی کامیاب طلبہ امتحان میٹریکیولیشن جامعہ عثمانیہ کے صرف مضمون انگریزی میں شریک ہوسکتے ہیں اور اس میں کامیابی کے بعد انٹرمیڈیٹ شعبہ دینیات کے سال اول میں شریک ہوسکتے ہیں "

اس سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کے جانب سے ایک اور تحریک اس قسم کی پیش ہوئی کہ

ایف۔اے اور بی۔اے میں بھی عالم اور فاضل کو مولوی کی طرح شرکت کا موقع دیا جائے اس خصوص میں حامی تعلیم مذہبی نواب مہدی یار جنگ بہادر نائب امیر جامعہ عثمانیہ کے خاص توجہات مبذول ہیں نواب صاحب موصوف کی علم دوستی سے توقع ہے کہ جامعہ نظامیہ کو مذکور الصدر مزید رعائت بھی حاصل ہوجائے گی اور رہتی دنیا تک نواب صاحب کا یہ علمی کارنامہ یادگار عالم رہے گا۔

جامعہ نظامیہ کا نصاب | جامعہ نظامیہ کا نصاب تعلیم وہی ہے جو بالعموم ہندوستان کے تمام مدارس اسلامیہ میں پڑھایا جاتا ہے لیکن جامعہ نظامیہ کے نصاب نظامیہ اور ہندوستان کے درس نظامیہ میں نمایاں فرق ہے۔

جامعہ نظامیہ کے نصاب میں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے بعض کتابوں میں تبدیلی اور اور بعض فنون کی زیادتی بھی ہوئی ہے۔ تحتانی اور وسطانی جماعتوں میں حساب، ریاضی اور

[1] فرمان مبارک مرقومہ ۱۹ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

اقلیدس تاریخ وجغرافیہ جیسے مضامین بڑھائے گئے ہیں۔ حضرت بانی جامعہ علیہ الرحمہ کے آخری عہد میں نصاب نظامیہ کو مولوی۔ عالم۔ فاضل اور کامل کی جماعتوں میں تقسیم کیا گیا اس طور سے اس تقسیم کی ابتداء ۱۳۳۵ھ سے شروع ہوئی اور نواب صدر یار جنگ بہادر میر مجلس وقت کے عہد میں تکمیل ہوئی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ (۲)

مولوی مفتی محمد احمد صاحب میر مجلس اور نواب فخر یار جنگ بہادر کے دور صدارت میں نصاب میں نمایاں تغیرات ہوئے۔ اس تغیر کی وجہ سے نصاب میں سختی بڑھا دی گئی المخدمات شرعیہ جن کی تعلیم وتربیت جامعہ کے تفویض بھی ان کے لیئے ایک علیحدہ نصاب مرتب کیا گیا اور چند سال تک یہ نصاب جاری رہا حال (۲) میر مجلس صاحب کے عہد میں تبدیلی نصاب کی سعی کی جا رہی ہے۔ اور ایک کمیٹی اسی کام کے لئے بنائی گئی ہے جس میں ملک کے تجربہ کار علماء اور جامعہ کے اساتذہ شریک نہیں کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے منشاء حضرت بانی علیہ الرحمہ کے فوت ہونیکا اندیشہ ہو رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہرحال جو تغیر بھی ہو اس میں منشاء بانی جامعہ کا پہلو غالب رہے۔ تب ہی ایسا نصاب مسلمان اور جامعہ دونوں کیلئے مفید ہو سکیگا۔

قواعد امتحانات حضرت بانی جامعہ علیہ الرحمہ کے عہد مبارک میں طریقہ تعلیم امتحانات اور اقامت خانے کے قواعد مرتب ونافذ العمل تھے اور سختی سے ان قواعد کی پابندی کرائی جاتی تھی مہینے میں چار مرتبہ اساتذہ امتحان لیا کرتے تھے اور سالانہ امتحان کے لیئے باہر کے علماء آتے تقریری اور تحریری دونوں حیثیتوں سے امتحان لیا کرتے تھے مولوی مفتی محمد احمد صاحب اور نواب فخر یار جنگ بہادر کے دور صدارت میں امتحانات کے قواعد کی ترتیب عام جامعات کی طرح کیگئی۔ اور بعض امتحانوں میں جامعات ہند سے زیادہ سخت قواعد رکھے گئے غرض جامعہ نظامیہ نصاب تعلیم مدت تعلیم، نگرانی تعلیم اور قرارداد امتحانات بلکہ ہر حیثیت سے ہند کے مشرقی جامعات میں ایک نمایاں خصوصیات کا حامل ہے۔

طب کی تعلیم حضرت بانی جامعہ کے عہد میں فن طب کی تعلیم کا بھی اہتمام تھا جہاں فارغ التحصیل طلبہ طب کی تعلیم پاتے تھے مگر بعد کے دور میں طب کی تعلیم کا انتظام برخواست کر دیا گیا۔

۲۔ مولوی مفتی عبد القدیر صاحب بدایونی۔

انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے دوبارہ ارباب جامعہ سے طب کی تعلیم کو جاری کرنے کی سفارش کی ہے۔

ورزش | طلبہ کی صحت اور ان کو قوی بنانے کی غرض سے حضرت بانی علیہ الرحمہ کے عہد میں ورزش جسمانی کا انتظام تھا لیکن اس شعبہ کو جیسی ترقی ملنی چاہیئے نہیں ملی بعد کے دو دور میں اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ آخر فخر یار جنگ بہادر کے عہد میں مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی کی تحریک پر ورزش کا شعبہ کھول دیا گیا جس میں طلبہ کو کود پھاند لکڑی چلانا اور مخصوص ورزشیں سکھلائی جاتی ہیں حقیقت میں یہ شعبہ حصول تندرستی کے ساتھ مسلمانوں کو ان کا اصلی مگر بھولا ہوا سبق یاد دلانے اور ان میں جراءت و حوصلہ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے توقع ہے کہ حال میر مجلس صاحب کے عہد میں اس شعبہ کو اور وسعت ہوگی، اور انجمن کی تحریک فوجی تعلیم کا رواج بھی ہوگا۔

(نوٹ) افسوس ہے کہ جامعہ میں شعبہ احتساب حفظ، فصل خصومات صفائی اور تعمیرات کے جدا جدا شعبے موجود نہیں ہیں اگر یہ شعبے قایم ہو جائیں تو طلبہ کی زندگی میں ایک خاص روح پیدا ہو جانے کی توقع ہو سکتی ہے۔

موجودہ حضرات اساتذہ کا ایثار | جامعہ نظامیہ کے اساتذہ جس ایثار اور خلوص سے تعلیم دیتے ہیں اس کی نظیر سرکاری مدارس میں نہیں ملسکتی۔ سرکاری مدارس اور جامعہ میں اساتذہ ہفتہ میں چند گھنٹے تعلیم دیتے ہیں، ان کی تنخواہ کا معیار دو سو سے ہزار تک ہوتا ہے۔ مگر جامعہ نظامیہ کے باکمال اساتذہ روزآنہ (۸) گھنٹے پڑھاتے ہیں، ان کی تنخواہ کا اوسط تیس روپیہ ماہانہ ہے کالج کے دو سینیر پروفیسروں کی تنخواہ میں جامعہ نظامیہ کے جملہ مصارف چلائے جاتے ہیں و نیز ہندوستان کے قومی عربی مدارس کے مشاہرات پر بھی نظر ڈالی جائیے تو معلوم ہوگا کہ ان کے مقابلہ میں بھی اساتذہ نظامیہ کی تنخواہیں نہایت کم ہیں مثال کے طور پر دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس کی تنخواہ (ماصہ) کلدار حالی ماصہ عثمانیہ ہے، اس اندازہ سے جامعہ نظامیہ کے اساتذہ جس خلوص و للہیت سے اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں منہمک اور مصروف عمل ہیں اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ نہیں کر سکتا غرض

دکن ہند اور عالم اسلام کا کوئی شہر کوئی قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں جامعہ نظامیہ کے سرچشمہ کی کوئی نہر مسلمانوں کو سیراب نہ کر رہی ہو۔

یاد رفتگان

تاریخ جامعہ نظامیہ کے سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ نظامیہ کے قدیم ممتحنین مرحوم اساتذہ اور قدیم طلبہ کے مختصر حالات کا تذکرہ بھی لکھا جائے تاکہ ان کے حالات مستقبل میں ہمارے لیے مشعل راہ ثابت [illegible]

جامعہ نظامیہ کے قدیم ممتحنین ہندوستان کے جملہ [illegible] کا بالعموم یہ طریقہ رہا ہے کہ رجب کے آخری دنوں میں سالانہ امتحانات شروع ہوکر آخر شعبان تک ختم ہو جاتے ہیں اور رمضان المبارک کے کامل مہینے کی چھٹیاں دیجاتی ہیں یہ طریقہ ابتدا سے جامعہ نظامیہ میں بھی رہا ہے اس کے سالانہ امتحانات کیلئے باہر سے علماء [illegible] امتحانات تقریری اور تحریری لیا کرتے تھے اور ہر کتاب میں (۳۳) نمبر حاصل [illegible] طالب [illegible] ضروری تھا اگر کسی کتاب کے تقریری یا تحریری امتحان میں (۳۰) نمبر سے کم حاصل کرنے کی صورت میں طالب علم کو کسی جماعت میں کوئی ترقی نہیں دیجاتی اور اس طریقۂ عمل کی پابندی شدت سے کیجاتی تھی جو کسی اور مدرسہ میں عموماً نہیں پائی جاتی۔

یہ عمل حضرت بانیؒ کے عہد تک جاری رہا آپکے بعد تقریری اور تحریری امتحانات کے طریقوں میں بہت سی اصلاحیں کی گئیں اور تقریری امتحان کے طریقہ کو موقوف کیا گیا اور اس کے بجائے تحریری امتحان کے اصول کو رائج کیا گیا۔ اس کے لیئے خاص قواعد مرتب کئے گئے جو کسی طرح سرکاری مدارس اور جامعات کے امتحانات سے کم نہیں ہیں۔

ذیل میں عہد قدیم کے ممتاز اور قابل ممتحنین کی ایک فہرست لکھی جاتی ہے جس سے یہ اندازہ قائم ہوسکیگا کہ کس پایہ کے علماء جامعہ نظامیہ کے ممتحن مقرر ہوا کرتے تھے۔

مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب مفتی عدالت العالیہ۔ مولانا عبدالصمد صاحب۔ مولوی حکیم منصور علی خاں صاحب۔ مولوی عبدالعزیز صاحب استاذ مدرسہ منصبداران کرگاہ مولوی

عبدالجبار خاں صاحب صدر مدرسہ اعزہ۔ مولوی[۸] عبدالوہاب صاحب صدر مدرسہ نورالدین شاہ۔ مولوی[۹] محمد عزیز الدین صاحب۔ مولوی[۱۰] حبیب الرحمن صاحب مدرس دارالعلوم۔ مولوی[۱۱] حسن علی صاحب۔ مولوی[۱۲] عبدالغنی صاحب۔ مولوی[۱۳] سید ابراہیم صاحب منتظم مدرسہ فخریہ۔ مولوی[۱۴] سید کریم اللہ صاحب۔ مولوی[۱۵] حبیب اللہ صاحب۔ مولوی[۱۶] محمد شاہ صاحب۔ مولوی[۱۷] شرف الدین احمد صاحب۔ مولوی[۱۸] حسن علی صاحب۔ مولوی[۱۹] سرفراز الدین صاحب۔ مولوی[۲۰] سید غلام افضل صاحب۔ مولوی[۲۱] سید مظفر الحسین صاحب۔ مولوی[۲۲] عبدالحکیم صاحب۔ مولوی[۲۳] سید مرتضیٰ صاحب ناظم ترقی علوم فنون۔ مولوی[۲۴] سید نادر الدین صاحب مدرس دارالعلوم۔ مولانا[۲۵] حکیم عبدالرحمن صاحب سہارنپوری محدث۔ مولوی[۲۶] محمد عباس علی خاں صاحب[۲۷]۔ مولوی[۲۸] شیر علی صاحب مدرس دارالعلوم۔ مولوی عبدالغنی صاحب مدرس مدرسہ عربی۔ مولوی[۲۹] الٰہی بخش صاحب صدر مدرس مدرسہ ابوالعلائی۔ مولوی[۳۰] میر جعفر حسین صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ۔

دورِ جدید کے منتخبین | جامعہ نظامیہ کے عہد حاضر میں حسب ذیل اصحاب اس کے منتخبین ہیں۔

۱۔ مولانا سید شبیر علی صاحب استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ (۲) مولانا عبدالواسع صاحب استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ (۳) مولانا استاذ محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی سابق صدر شعبہ دینیات (۴) مولوی سید مناظر احسن صاحب گیلانی (۵) مولانا مفتی محمد رحیم الدین صاحب شیخ الجامعہ (۶) مولانا سید وحید باد شاہ صاحب قادری (۵) مولوی قاری قطب الدین صاحب پروفیسر (۶) مولوی حکیم محمد حبیب اللہ صاحب استاذ نظامیہ طبی کالج (۷) مولوی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (۸) مولوی عبدالمجید صاحب پروفیسر (۹) مولوی فضل احمد صاحب پروفیسر (۱۰) مولوی ہارون خان صاحب شیروانی (۱۱) مولوی احمد حسن صاحب سابق استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ (۱۲) مولانا مفتی سید محمود صاحب (۱۳) مولوی حکیم محمود صمدانی صاحب (۱۴) مولوی عبدالقادر صاحب ایم اے عثمانیہ ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب (۱۶) مولوی سیف بن سلطان صاحب مولوی سید ابراہیم صاحب ادیب مولوی عبداللہ صاحب نقشبندی اعزہ

مولانا قاضی محمد امیر الدین صاحب پونیری | آپ دکن کے قصبات سے تھے قصبہ پونیر علاقہ ناندیڑ کے رہنے والے تھے۔ علوم دینیہ میں دستگاہ حاصل تھی اور ہمیشہ ترویج تعلیم علوم دینیہ میں کوششیں کیں ایک عرصہ تک جامعہ نظامیہ کی خدمت اہتمام کو نہایت عمدگی سے انجام دیا بڑے متورع اور متقی بزرگ تھے۔ سال ۱۳۰۸ھ م ۱۲۹۳ف میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۱۳۱۵ھ

میں انتقال فرمایا اس وقت آپ کے ایک صاحبزادے مولوی قاضی عبدالمنان صاحب تعلقہ پاتھری ضلع پربھنی میں علم و مذہب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

علامہ ملا محمد عبد القیوم صاحب سن ولادت تقریباً ۱۲۷۰ھ ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دار العلوم میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم ہندوستان میں ہوئی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ملازم ہوئے سنہ ۱۲۹۴ف میں مددگار ناظم تعلیمات ہوئے سنہ ۱۲۹۶ف میں ڈپٹی کمشنر انعام ہوئے اور سنہ ۱۳۰۶ف میں ضلع لنگسگور کے تعلقدار ہوئے۔ آپ کی ملازمت میں یہ پالیسی تھی کہ کسی طرح رعایا مرفہ الحال اور خوش حال رہے۔

آپ نے اپنی صلح پسندی اور حسن اخلاق سے ملک میں ایک عالمگیر شہرت حاصل کرلی تھی۔ ہندو اور مسلمان دونوں آپ سے خوش اور آپ کے خدمات ملی کے دل سے قائل تھے۔

آپ جبری تعلیم کے بڑے حامی اور موئد تھے اور ایک رسالہ تعلیم جبری کے نام سے بھی شائع فرمایا جس سے مقصود یہ تھا کہ حکومت کو جبری تعلیم کی طرف آمادہ کیا جائے آپ اس قسم کی تعلیم کے حامی تھے کہ قوت نظری اور دماغی کی تعلیم کے بجائے حکمت علمی کی تعلیم ملک میں عام ہو جسمانی ضروریات کے استیفاء کے بغیر کسی طرح ملک دنیوی و اخروی سعادات کا اکتساب نہیں کرسکتا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اہل ملک کو وہ تعلیم دیجائے جس کے ذریعہ وہ ختم تعلیم کے بعد اپنی روزی اپنے دست سے کما کر کھا سکیں معیشت میں سرکار کے دست نگر نہ رہیں طریقہ تعلیم کے اختیار کرنے میں ہم کو امریکہ - جاپان - اور یورپ کی پیروی اور تقلید کرنی چاہیئے ان ممالک کی ترقی جامعاتی اسناد کے ذریعہ نہیں ہوئی بلکہ اشاعت صنعت و حرفت و تجارت سے ہوئی بہرحال جو قوم اپنی ضروریات کو خود پورا نہ کرے اور دیگر اقوام کی محتاج و دست نگر رہے وہ کبھی بھی غلامی کی پستی سے ترقی و تہذیب کے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ آپ جامعہ نظامیہ کے بھی رکن انتظامی تھے اسلیئے آپ نے اپنے عہد میں جامعہ میں صنعت و حرفت کی تعلیم کا شعبہ بھی قایم کرنے کی سعی کی تھی۔ کتب خانہ آصفیہ اور دائرۃ المعارف کے قیام اور اس کی ترقیوں میں آپ کے خاص مساعی شریک رہی ہیں۔

جشن جوبلی چہل سالہ حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ کے موقع پر تعلیم صنعت و حرفت کے لیئے ایک فنڈ قایم کیا تھا اور مجلس چندہ حجاز و ریلوے بھی قایم کی تھی۔ غرض ملا صاحب مرحوم کے متعدد تجاویز اور تحریکات اور اصلاحی مشاغل ایسے ہیں جن کو لکھنے سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے

ملک کے تعلیمی امور اور رفاہ عامہ میں حضرت مُلّا صاحب نے کیا کیا کوششیں اور کون کون سی تدبیریں کی تھیں۔ اس اعتبار سے حضرت مُلّا کو فخر قوم کا اعزاز دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

آپ میں ایک نمایاں صفت یہ بھی تھی کہ آپ اپنے عزم کے پکّے اور مستقل مزاج تھے اور اس عزم کا یہ محمود نتیجہ تھا کہ آپ کی سعی اور کوشش کی حرکت ہمیشہ اپنی طاقت کے انتہائی نقطہ پر آکے ختم ہوتی اور اکثر اوقات انہوں نے اپنے مقاصد میں کامیابی بھی حاصل کی۔ آخر علم و عمل کا یہ باکمال آفتاب ۹ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ کی صبح کو نماز سے فارغ ہوکر اس عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کے انتقال پر دکن اور ہندوستان کے ہر حصہ میں عالمگیر ماتم رہا۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں اور ان میں سے دو اعلیٰ خدمات پر فائز ہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے فخر قوم کی تفصیلی سوانح حیات ابھی تک شائع نہیں ہوئی اور نہ ایسے جامع الاخلاق کی کوئی یادگار قایم ہوئی۔ ضرورت ہے کہ ملک اس یکتائے آفاق کے کارناموں سے واقف ہوکر عمل کی طرف بڑھے۔ گلبرگہ میں روضہ حضرت خواجہ دکنؒ میں دفن ہوئے۔ مرزا اعزاز علی صاحب اعزاز نے تاریخ وفات اس طرح کہی ہے۔ (۱)

سالِ فوتِ ہجر یش آید بروں — (ہائے مُلّا مرد) خوانی چار بار
۱۳۲۴ھ

مولانا محمد یسین صاحب — یہ جامعہ نظامیہ کے قابل اور لایق طالبعلم تھے مدرسہ منصبداران میں جہاں علوم عربیہ کی اعلیٰ تعلیم دیجاتی تھی مدرس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک قوم کو علمی فائدہ پہنچاتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ م ۱۳۲۱ف میں انتقال فرمایا۔

مولانا محمد حسین صاحب شاہ نوری — یہ شاہ نور کے رہنے والے تھے جامعہ نظامیہ میں دینیات کی تکمیل کی اور ختم تعلیم کے بعد جامعہ میں تدریس کی خدمت کو انجام دیتے رہے ۱۳۳۰ھ م ۱۳۲۱ف میں رحلت کر گئے۔

مولانا حافظ سید شاہ غلام غوث صاحب قادری الشطاری — واعظ، قاری، فقیہ، ادیب اور محدث تھے۔ بلدۂ حیدرآباد کے مشاہیر علما اور ممتاز و با اثر مشائخین میں آپکا شمار ہے۔ زہد و اتقاء اور تبحر علمی کیساتھ حلم و انکسار کا جو ہر بھی قدرت کی جانب سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ آپکے حلقہ درس حدیث میں شرکت کیلئے روزآنہ دُور دُور سے لوگ آیا کرتے۔ بالخصوص ادب، فقہ، منطق اور حدیث و رجال پر ایسا عبور تھا کہ شاید و باید۔ آپکے اساتذہ میں خاص طور پر بحر العلوم مولانا محمد عباس علی خاں صاحبؒ اور امام القراء قاری محمد تونسی صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔ دو مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ مسلمانوں کو معاشی پستی سے نکالنے

---

(۱) ۳۵ سال کے بعد سال حال ۹ رمضان ۱۳۵۹ھ مسجد چوک میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی صدارت میں ایک جلسہ یادگاری نظامیہ کی جانب سے مقرر ہوا تھا جس میں ۵،۰ اور ۶ ہزار سے زائد کا اجتماع تھا۔

کیلئے عروۃ الوثقیٰ کے نام سے ایک مجلس تجارت قایم فرمائی تھی - آخر عمر تک جامعہ نظامیہ کی خدمت کرتے رہے -
۲۷ محرم ۱۳۳۱ھ م ۲۴ اسفندار ۱۳۲۲ف میں واصل بحق ہوئے - رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام محبوب صاحب | جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل محققی اور شوقین طلبہ سے تھے ۱۳۱۳ف م ۱۳۲۲ھ میں سند فضیلت حاصل کی اور ۱۰ محرم ۱۳۳۲ھ م ۶ بہمن ۱۳۲۳ف میں اس عالم فانی سے رحلت فرمائی -

مولانا حکیم حافظ احمد عبد العلی صاحب | جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ سے تھے علوم دینیہ میں آپ کو کافی شغف تھا ایک عرصہ تک جامعہ نظامیہ میں خدمت تدریس کو نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے اور آخر میں اس جامعہ کے پرنسپل ہوئے اپنی اعلیٰ قابلیت و دیانتداری کے ساتھ جامعہ نظامیہ کو عروج و کمال کے انتہائی درجہ پر پہنچانے کی بے انتہا کوششیں کیں اور اس خدمت کو انجام دیتے ہوئے پورا قرآن بھی یاد کرلیا - آخر ۱۲ رجب ۱۳۳۲ھ م ۲ امرداد ۱۳۲۳ف میں وفات پائی -

مولانا محمد مظفر الدین صاحب معلیٰ | سن ولادت ۹ ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ ہے - وطن تعلقہ احمد پور ضلع بیدر ہے - نسباً صدیقی ہیں - ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے پائی اور حضرت زماں خاں صاحب شہید سے درسیات کی تکمیل فرمائی - سرکار عالی کے سررشتہ ٹپہ میں مددگار ناظم مقرر ہوئے اور سرکاری خدمت کو نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے - تاہم دین و مذہب اور قوم و ملت کی خدمت کا حق پورے طور پر ادا کرتے رہے - مدرسہ محبوبیہ دائرۃ المعارف اور جامعۂ نظامیہ کے معتمد رہے ، اور ان قومی اداروں کو نہایت عمدگی سے چلاتے رہے -

سلوک اور تصوف سے بھی طبعی رغبت تھی - شیخ الوقت مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ سے بیعت کی - تین مرتبہ اپنے شیخ کی معیت میں حج بیت اللہ اور چار دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے -

نہایت باخدا خلیق مزاج ذی مروّت علم دوست اور صوم وصلوٰۃ کے پابند شب بیدار بزرگ تھے -

شعر وسخن سے بھی خاصی دلچسپی تھی - عربی - فارسی اور اردو میں آپ کا ذوق رہا ہے -

ریاض معلی کے نام سے آپ کے کلام کا مجموعہ شائع ہوا ہے وفات سے پہلے اپنے وفات پر اس طرح فرمایا:-

اے معلی گرچہ ہوں عصیاں میں غرق — رحمت خالق پہ تکیہ ہے میرا
رحمتی سبقت علی غضبی عیاں — بہر بخشائش وثیقہ ہے میرا
کہ اسی رحمت کی سبقت کے سبب — شافع محشر وسیلہ ہے میرا
رب کریم اور ہیں حبیب اس کے کریم — دو کریموں پر بھروسہ ہے میرا
جان نکل کر جسم سے کہتی ہے سن — بخشنے والا اب اللہ ہے میرا
۱۳۳۵ھ

پوری زندگی تقویٰ وطہارت میں بسر ہوئی ۲۶ شوال ۱۳۳۵ھ م ۹ مہر ۱۳۲۶ف میں انتقال ہوا۔ رود موسی کے کنارے کتب خانہ آصفیہ کے عقبی حصہ میں دفن ہوئے۔

مولانا حافظ سید شاہ محمد علی صاحب قادری شطاری | خاندان شطاریہ کے رکن رکین عالم باعمل تھے تمام عمر شب بیداری اور عبادت میں بسر کی تحصیل علم کی سند بحر العلوم مولانا محمد عباس علیخاں صاحب سے اور سبعہ قراءت کی سند امام القراء قاری محمد تونسی صاحب سے حاصل فرمائی۔ خدمت خلق آپ کی زندگی کا مقصد وحید تھا معین المسلمین کے نام سے مجلس قرضہ حسنہ قایم فرمائی اور آخر عمر تک نہایت جفاکشی اور دیانت داری سے ابتغاءً لوجہ اللہ اس کو چلاتے رہے۔ ہزارہا مسلمانوں کو لاکھوں کے ~~قرضہ جات دیئے~~ آپ کو حج وزیارت نبوی کا شرف بھی حاصل تھا۔ جامعہ نظامیہ کی خدمت انجام دیتے ہوئے ۱۲ رجب ۱۳۳۶ھ م ۲۰ خورداد ۱۳۲۷ف میں رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا وحید الدین عالی | وحید الدین نام عالی تخلص قریشی النسل تھے۔ کوہیر ضلع بیدر کے باشندے تھے۔ آپ کے والد منشی محمد صاحب پیدائش سے پہلے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ وہ بازار سے کچھ مچھلیاں لائے ہیں اور ان میں سے ایک مچھلی کے پیٹ سے ایک نیر نکلا مولانا عبداللہ [illegible] نے خواب کی تعبیر یہ دی تھی کہ منشی صاحب کو ایک لڑکا ہوگا جو علوم عربیہ کا متبحر عالم بنے گا چنانچہ آپ ۲۶ محرم ۱۲۸۹ھ م پیدا ہوئے اور خواب کی تعبیر صحیح ہوئی درس نظامیہ کے فارغ تھے متبحر عالم اور خداداد قابلیت کے مالک ہوئے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے حدیث اور مولوی حکیم منصور علی خاں صاحب اور مولوی حکیم احمد سعید صاحب سے طب کی تکمیل کی۔ دائرۃ المعارف کے کتب

حدیث و علوم قدیمہ کی تصحیح آخر کا کام آخر وقت تک انجام دیتے رہے۔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس۔ اشاعت العلوم۔ کمیٹی انتظام مکہ مسجد۔ دائرۃ المعارف۔ مجلس طبابت سرکار عالی اور انجمن اطبا دار الشخیص کے اعزازی رکن تھے اور ان سب خدمات کو نہایت کمال سے انجام دیتے رہے۔ آخر (۵۴) سال کی عمر میں ۱۹ ر شعبان ۱۳۴۲ھ م ۲۲ ر آردی بہشت ۱۳۳۳ ف رحلت کرگئے۔ مرحوم کی تعریف و توصیف میں آقا سید علی شوستری مرحوم نے اس طرح فرمایا تھا۔

للہ در وحید الدین من فطن ما لاح لی مثلہ من ساکن الدکن

وحید الدین جو صاحب نظامت شخص ہیں ان کی خوبیاں خدا کی خوبیاں ہیں مجھے ساکنان دکن سے ایسا شخص آج تک نظر نہیں آیا۔

وحید الدین فی الفضلاء وحید ولیس لقولنا ہذا جحید

وحید الدین فضلا میں وحید تھے اس ہمارے دعوہ کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

وحید الدین والدنیا لطبع ذکاء فیہ تحسدہ ذکاء

دنیا اور دین میں اس کی طبیعت کی وجہ سے یکتا ہے جس کی ذکاوت کی روشنی سے آفتاب کو حسد ہے۔

مولانا سید شاہ صلاح الدین صاحب شطاری | جامعہ نظامیہ کے رکن انتظامی تھے مولانا عباس علی خاں صاحب سے درسیات کی تکمیل کے ساتھ سند حدیث بھی حاصل فرمائی۔ ۶ ر صفر ۱۳۵۴ھ م ۲۳ ر تیر ۱۳۴۴ ف انتقال فرمایا۔

مولانا سید غوث الدین صاحب قادری | سن ولادت نامعلوم ہے۔ سن رشد کو پہنچے تو جامعہ نظامیہ میں تعلیم کیلئے شریک ہوئے اور ۱۳۲۱ھ میں سند فراغ حاصل کرکے جامعہ میں درس و تدریس کی خدمت کو انجام دیتے رہے اور شیخ الفقہ کی اہم خدمت پر پہنچ گئے جس کی وجہ سے آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور ہر طرف سے طالبان علم آتے درس میں شریک ہوکر فیضیاب جاتے تھے تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ آپ کی ایک تصنیف مرغوب نامی مجلس اشاعت العلوم کی جانب سے شائع ہوچکی ہے جو ملک اور بیرون ملک میں بیحد مقبول ہوئی

اس کتاب میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حد تک علم غیب حاصل تھا اس کو نہایت وضاحت سے مدلل تبلایا ہے ابتک اس فن میں اس سے بہتر کوئی تصنیف شائع نہیں ہوئی۔
۴ار ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ م ۸ ر دے ۱۳۳۳ف میں انتقال فرمایا۔

مولانا سید عبد الکریم صاحب | عالم اجل فاضل اکمل تھے۔ افغانستان کے شریف اور معزز خاندان اور سادات سے تھے۔ حضرت العلامہ مولانا شاہ محمدؐ صاحب رامپوری سے سند حدیث حاصل کی۔ علوم عقلیہ پر بہت ہی وسیع نظر تھی اور اس فن میں شان اجتہاد رکھتے تھے عبادت و ریاضت کی کثرت کے سبب رات کو بھی دن کی طرح مشغول رہتے جب حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ نے آپ کو جامعہ نظامیہ کی صدارت تفویض فرمائی تو آپ نے اس علمی اور مذہبی خدمت کو نہایت عمدگی سے انجام دی۔ نماز فجر سے مغرب تک پورا وقت درس میں صرف ہوتا اور طلبہ کے پیشکردہ ہر مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت حسن وخوبی سے حل فرما دیا کرتے تھے۔

طالبان علوم کے سوا وقت کے بہت سے علماء و مشائخ آپ کے ہاں آتے اور دولت علم و عرفان سے مالا مال ہو جاتے تھے درس وتدریس کے سوا افتاء بھی آپ کی زندگی کا دلچسپ مشغلہ تھا روزآنہ بہت سے استفتے ملک اور بیرون ملک کے وصول ہوتے اور اس کے جوابات لکھادئے جاتے تھے۔ پوری زندگی توکل اور سادگی پر گذاری۔ ساری عمر جامعہ نظامیہ سے ۵۰ روپے سے زائد نہیں پائی۔ آخر یہ علم وفن کا آفتاب ہمیشہ کیلئے اہل دنیا سے غائب ہو گیا تاریخ وفات ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ م ۱۱ آذر ۱۳۳۴ف ہے۔

سرپرست جامعہ جلالت الملک شمس الملت والدین خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ نے بمراحم الطاف خسروانہ مولانا موصوف کے پسماندگان کے نام (۵۰ روپے) ماہانہ کی امداد منظور فرمائی۔

مولانا سید احمد صاحب رضوی | یہ جامعہ نظامیہ کے لائق اور قابل فرزند میں جنہوں نے عربی ادب میں خاص کمال حاصل کیا تھا۔ خوش اخلاق منکسر المزاج تھے ۱۲ ر جمادی الاول ۱۳۴۳ھ م ۸ ربہمن ۱۳۳۴ف رحلت کر گئے۔

مولانا ابو المظفر سعید الدین انصاری | قصبہ رامپور ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے باپ کا نام شجاع الدین انصاری تھا نسب کا سلسلہ حضرت ایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم

اپنے والد سے پائی اور درسیات کی تکمیل مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی، مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری اور مولوی حافظ عنایت اللہ صاحب رامپوری سے تکمیل کی۔

خوش خلق تھے اور انکسار و تواضع مزاج کا خمیر تھے۔ دو مرتبہ جامعہ نظامیہ میں خدمت درس کیلئے مامور ہوئے علوم عقلیہ کے استاد تھے مسائل عقلیہ کو نہایت خوبی سے سمجھاتے تھے روزآنہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور دلائل الخیرات کا ورد فرمایا کرتے تھے آپ کی محفل میں سوائے تذکار علوم دینیہ کے کسی اور قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ شاعرانہ طبیعت کے بھی مالک تھے کبھی کبھی اردو۔ فارسی اور عربی میں کہا کرتے تھے۔ سعید تخلص اور ابوالمظفر کنیت رکھتے تھے۔

۱۶ر جمادی الاول سنہ ۱۳۴۷ھ م ۱۰ر بہمن سنہ ۱۳۳۷ف میں آپ نے اس عالم فانی سے بعارضہ اسہال کبدی رحلت فرمائی۔

آپ کے پسماندگان میں تین لڑکے ایک لڑکی اور ایک اہلیہ بقید حیات موجود ہیں ان پسماندگان کے نام حضرت اقدس اعلیٰ نے بمراحم الطاف خسروانہ مبلغ (۵۰) ماہوار مقرر فرمائی ہے۔

مرحوم کے دوسرے فرزند حکیم غفران احمد انصاری جو حکیم انصاری کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ الاعظم۔ طوفان۔ اقبال ہفتہ وار اعظم نیوز سروس کے ایڈیٹر اور ملکی شفاخانہ یونانی کے مالک ہیں۔ دنیائے صحافت اور طب میں غیر معمولی شہرت و امتیاز کے مالک ہیں۔

مولانا سید عبدالرحمن صاحب قادری رفاعی بغدادیؒ | سنہ ولادت ۱۰ر شوال سنہ ۱۲۸۰ھ اور وطن بغداد ہے بچپن ہی میں تعلیم و تربیت والد بزرگوار حضرت سید عبدالرحیم صاحب قادری رفاعی کے سایہ عاطفت میں ہوئی اور خرقہ خلافت اور اجازت بیعت بھی حاصل فرمائی صاحب علم و فضل اور باعمل ارباب باطن ہوئے۔ اعلیحضرت غفران مکان علیہ الرحمہ کے عہد میں بتاریخ ۵ر محرم الحرام سنہ [illegible] حیدرآباد دکن آئے آپ کے تقدس و تورع کی شہرت پھیلی۔ غریب سے امیر تک آپ کے فیض صحبت سے اکتساب فیض کی سعی کی اور جو کوئی آپ کی مجلس میں بیٹھتا اس کا دامن گوہر مقصود سے معمور ہوتا۔ یہی وجہ ہے حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی اور اعلیحضرت شمس الملت والدین متع اللہ عالمہ و سلطنتہ بھی آپ کی بڑی عظمت و توقیر فرماتے۔ غرض

غرض سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ایک ہزار ماہوار مقرر فرمائی وہ وصال تک برابر ایصال ہوتی رہی۔

ذکر و اشغال کے ساتھ ترویج علوم دینیہ میں بھی آپ کا انہماک رہا۔ حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کے حیات تک جامعہ نظامیہ کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ عبادت و ریاضت کی کثرت کے باعث رات کو بھی دن کی طرح مشغول رہتے۔ اسوہ حسنہ کے حامل اور مجسمہ خلق عظیم تھے۔ انتقال کے وقت قرآن شریف کی تلاوت شروع فرمائی " لقد جاءکم " پڑھنے لگے جیسے ہی " رؤف رحیم " پر پہنچے سربسجود ہوگئے اور معشوق حقیقی سے جا ملے۔ تاریخ وفات ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۶۴ھ م ۲۶ ر شہر یور ۱۳۵۴ف روز شنبہ ہے۔ حسب فرمان خسروی درگاہ حضرت یوسف صاحبؒ و حضرت شریف صاحبؒ علیہ الرحمہ کے قریب مقام مدفون ہوئے بعد میں اس مقام کا نام خطہ صالحین رکھا گیا جس کا تاریخی مادہ ۱۳۶۴ھ ہے اس حساب سے آپ کا سن وصال اور تعمیر خطہ صالحین ایک ہی ہے آپ کے آثار باقیات ہیں ایک اہلیہ محترمہ اور تین صاحبزادے اس وقت موجود ہیں(۱) رحمہم اللہ تعالی

مولانا محمد رکن الدین صاحب | ابتدائی تعلیم والد ماجد سے پڑھی درسیات کی تکمیل جامعہ نظامیہ میں ہوئی۔ آپ جامعہ نظامیہ کے قابل فارغ التحصیل طلبہ سے ہیں حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد جامعہ نظامیہ میں مدرس ہوئے۔ افتاء اور شیخ الجامعہ کی خدمت کو بھی انجام دیئے اور زندگی بھر جامعہ نظامیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔

حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کو آپ سے غایت درجہ محبت تھی۔ سلوک اور تصوف میں بھی آپ ہی سے فائز المرام ہوئے۔

بڑے متورع اور متقی بزرگ تھے۔ عزم کے پکے تھے۔ کسی اہل دولت یا صاحب حکومت کا رعب آپ کے دل پر مسلط نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی حضرت فضیلت جنگ نے آپ کو حضرت شہزادگان دکن (حضرت والا شان پرنس ولیعہد بہادر اور حضرت والا شان نواب معظم جاہ بہادر) اطال اللہ عمرھما کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ نے اس خدمت کو نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے

---

(۱) جناب سید عبد الکریم حسینی صاحب۔ سید محمد عبد الخالق حسینی صاحب اور میاں سید محمد عبد السلام حسینی صاحب۔

جامعہ نظامیہ کی ایک کارروائی کے سلسلہ میں حضرت اقدس و اعلیٰ کا یہ فرمان شرف صدور لایا کہ :-

" اس سے بڑھکر ان کے کیار کٹر کی صداقت کیا ہوسکتی ہے کہ
وہ سردست صاحبزادوں کی مدرسی پر مقرر رہیں ورنہ وہ اس
خدمت کے اہل نہ سمجھے جاتے " (۱)

غرض آپ نے اپنے عہد میں دین و مذہب اور قوم و ملّت کی خدمت کا حق پورے طور ادا کرنے کی سعی کی اور ساتھ ساتھ حج و زیارت نبوی سے بھی مشرف ہوئے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند خوش اخلاق منکسر المزاج بزرگ تھے آثار باقیات میں دو صاحبزادے صاحب علم فضل چھوڑے(۲) ۶ / رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ م ۱۶ / فروردی ۱۳۴۷ف اس عالم فانی سے رحلت کر گئے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب محدث | آپ اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے والد کا نام مولوی محمد پیارے صاحب تھا۔ ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی اور حج و زیارت نبوی سے فارغ ہونے کے بعد مولانا احمد حسین صاحب کانپوری سے مدرسہ فیض عام کانپور میں درسیات کی تکمیل فرمائی۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوھی اور شیخ الھند مولانا محمود الحسن صاحب سے حدیث کی سند حاصل کی۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا مفتی محمد عبد اللطیف صاحب سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا محمد عمر صاحب کرنولی آپ کے ہم درس تھے۔

حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کے عہد میں بلدہ حیدرآباد تشریف لائے جامعہ نظامیہ میں دین و مذہب کی خدمتگزاری کیلئے مامور ہوئے۔ عسرت سے زندگی کو ترجیح دے کر خدمت خلق و خالق میں مصروف رہے، ۲۵ سے ۱۰۰ تک تنخواہ پائی۔

علوم میں قرآن و حدیث فقہ پر پوری دسترس حاصل تھی۔ افہام اور تفہیم میں خاصی مہارت تھی حسن و خوبی کے ساتھ ہر مشکل مسئلہ کو سمجھانے کے سبب طلبہ نہایت آسانی سے سمجھ جاتے تھے۔ ہزارہا تشنگان علم اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے طرز عمل نہایت ہی سنجیدہ اور دلنشین تھا۔ آخر عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا تھا ۱۳۵۵ھ ۱۳۴۴ف میں حج و زیارت نبوی سے مشرف ہوئے اور ہر آن یاد الٰہی میں مشغول رہے۔ آخر علم و عمل حکمت و معرفت کا یہ

---

(۱) فرمان مبارک صادرہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ (۲) مولوی محمد وجیہ الدین صاحب کامل نظامیہ اور مولوی محمد فصیح الدین صاحب عالم نظامیہ۔

یہ درخشندہ آفتاب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۴ فروردی ۱۳۴۳ف روز پنجشنبہ کو غروب ہوگیا۔ درگاہ حضرت شجاع الدین صاحبؒ کے احاطہ میں آپ کی قبر موجود ہے۔

مولانا حکیم محمود صمدانی صاحب | ذیقعدہ ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے جامعہ نظامیہ میں ابتدائی اور انتہائی تعلیم پائی ۱۳۱۲ف میں سند فضیلت حاصل کی اور علم طب کی تعلیم حکیم احمد سعید امروہی اور حکیم مقصود علی خاں صاحب سے حاصل کی اور سرکاری امتحان میں بدرجہ اول کامیابی حاصل کی۔

نام کی برکت و گھرانے کی عالمانہ فضیلت نے اس ہونہار کی فطری سعادت مندی میں سونے پر سہاگہ کا کام دیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ خدمت طبابت کو آخر دم تک انجام دیتے رہے۔ ابتداء میں صدر شفاخانہ یونانی کے مہتمم و ... مقرر ہوئے اور آخر میں افسر الاطبا کی خدمت تک پہنچ گئے نواب حکمت جنگ مرحوم کی علالت میں کامل تین سال تک دواخانہ پیشی مبارک پر بھی مامور رہے۔ نواب لطف الدولہ بہادر کے استاد انجمن اطباء یونانی اور مجلس اشاعۃ العلوم کے معتمد بھی رہ چکے ہیں اور جامعہ نظامیہ کی خدمت نظامت بھی نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے اس طرح پبلک خدمات کی انجام دہی میں خاص امتیاز کے حامل رہے اور خادم قوم کہلائے جانے کے مستحق ہوئے

حکیم فیروز الدین صاحب نے لکھا ہے کہ :-

آپ بہت سی کتابوں کے مولف اور مصنف ہیں کتابیں ایسی نہیں جیسی آج کل لکھی جارہی ہیں کہ ادھر ادھر سے رکھایا اور جمع کردیا بلکہ محققانہ ہیں (۱)

آپ کے جملہ تصانیف کی تعداد (۷۵) بتلائی جاتی ہے جس میں طب سے متعلق (۳۵) اور کیمیا[۱] طبیعات[۲] قیافہ[۳] منقول[۴] منطق[۵] مناظرہ[۶] مرایا[۷] ہیئت[۸] تاریخ[۹] فقہ[۱۰] حدیث[۱۱] سے متعلق (۲۵) سے ہے کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

تذکرہ[۱] طاعون - قرابا[۲] دین بیری - قارورہ[۳] - الابصار[۴] - ایسا[۵] - اصلاح ادویہ چشم[۶] - اغلاط[۷] بصر - ضعف بصر[۸] - کحل البصر[۹] - الات نفذ[۱۰] - قرابادین عثمانی[۱۱] - اختلاط[۱۲] - جگر[۱۳] - ماء الجبن[۱۴] - شکنجبین[۱۵] - آشوب چشم[۱۶] - العجینہ[۱۷] - ماء الشعیر[۱۸] - معیار الاطبا[۱۹] - حکایات[۲۰] الاطبا - قرابادین[۲۱] محمودی - قلب[۲۲] - دماغ[۲۳] - براز[۲۴] - الحمیات[۲۵] - جامع[۲۶] مفردات عثمانیہ - تعلیم[۲۷] الاوزان - ایجاد[۲۸] طبی - نقاد[۲۹] الخیل -

(۱) رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۲۶۷ مطبوعہ ۱۹۲۵ء

معیار الحدیث[۳۰] ۔ اصول فقہ[۳۱] ۔ معیار الاصول[۳۲] ۔ شرح مسلم[۳۳] ۔ محمود النصائح[۳۴] ۔ الکیمیا[۳۵] ۔ استقاد[۳۶] ۔ زینت الانسان[۳۷] ۔ شرح علم قیافہ[۳۸] منطق[۳۹] ۔ ہدایت النظار[۴۰] ۔ احقاق[۴۱]

۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۳۴۸ف رحلت کر گئے اور احاطہ درگاہ حضرت شجاع الدین رح میں آسودہ ہوئے ۔ مرحوم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے چشم و چراغ تھے اس طرح آپ کا سلسلہ نصب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے ۔ آپکے جد اعلی قاضی نظام الدین ملتان سے دہلی اور پھر دولت آباد آئے ۔ آپ کے اجداد بہنی دونت کے عہد میں ضلع بیڑ میں قضاءت کے عہدے پر مامور رہے اور دولت آصفیہ کے عہد میں بھی یہ خاندان ممتاز اور اعلی خدمات کا حامل رہا ۔

مرحوم کو چشتی قادری، سہروردی، اور نقشبندی سلسلوں کے صاحب اجازت اور عالم با عمل تھے حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف تھے ۔ نہایت خوش خلق اور منکسر المزاج تھے طلبہ اور حاجتمندوں سے عمدگی سے پیش آتے اور حتی المقدور ان کی مدد کرتے تھے ۔ غرض مرحوم میں بہت سی خوبیاں تھیں جن کا نعم البدل ملنا اس وقت ہمارے لیئے نہایت مشکل ہے رحمۃ اللہ تعالی

مولانا حکیم ابو الفدا محمود احمد صاحب | مولانا حکیم حاجی شاہ محمد صاحب صدیقی کے صاحبزادے تھے جو کانپور کے ایک موضع کے رہنے والے تھے سن ولادت ۲۷ ریا ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ ہے ۔ آپ کے والد جوہر شناس تھے اسی کا تقاضا تھا کہ تعلیم و تربیت کسی جوہر شناس کے سپرد ہو چنانچہ آپ کی تعلیم و تربیت جامعہ نظامیہ کے سپرد ہوئی ۔ مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی صحبت میں فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ۔

جامعہ نظامیہ سے ختم تعلیم کے بعد مدرسہ طبیہ سرکار عالی میں طب یونانی کی تعلیم حاصل کی علاج المرضا میں کمال حاصل کیا ۔ چند روز میں آپ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ جائے مطب پر ہروقت ہندو مسلمان مردوں اور عورتوں کا کثیر ہجوم رہنے لگا ۔

مرحوم جامعہ نظامیہ کے بہترین اور قابل فرزندوں سے تھے حضرت بانی علیہ الرحمہ کے عہد میں مدرسہ میں ملازم ہوئے اور مدرسہ کی خدمت کو نہایت مستعدی اور خاص قابلیت سے انجام دیتے رہے یہی وجہ ہے کہ مولانا فضیلت جنگ کو آپ سے بیحد محبت ہوگئی اور آپکے

مشوروں اور مفید تحریکات کو وقعت دیگئی۔

آپ اپنے عہد میں جامعہ نظامیہ کی تعلیمات میں انقلاب پیدا کرنے کی سعی کی مولانا علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ۱۳۳۹ھ میں جامعہ نظامیہ کی خدمت مہتمی (پرنسپل) پر پہنچ گئے ۱۳۴۳ھ تک اس خدمت کو نہایت عمدگی اور اعلیٰ قابلیت سے انجام دیتے رہے آپ کے مبارک اور مسعود دور میں جامعہ نظامیہ کیلئے ایک دستور مرتب اور منظور ہوا، اور جب آپ کا تعلق جامعہ نظامیہ سے علیحدہ ہوگیا تو اس تاریخ سے جامعہ کی شہرت تعلیمی وعلمی میں فرق نمایاں ہونے لگا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

جامعہ نظامیہ کی خدمت سے کنارہ کشی کے بعد حکیم صاحب موصوف نے اپنا پورا وقت طب یونانی کی خدمت پر صرف کیا۔ معالجات اور تشخیص میں وہ نمایاں خصوصیت پیدا کرلی کہ حیدرآباد میں اس وقت آپ کا کوئی مثل نہیں تھا۔ آپ انجمن اطبا یونانی اور احیاء المعارف النعمانیہ کے معتمد اور انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کے صدر تھے اور طبی بورڈ کے بھی روح رواں تھے ۱۳۵۳ھ میں حج وزیارت نبوی سے مشرف ہوئے شگفتہ مزاج اور تکلف سے بری تھے۔ چھوٹے اور بڑوں سے علی قدر مراتب شفقت اور محبت سے گفتگو فرماتے تھے۔ احباب کا حلقہ وسیع تھا مزاج میں تقدس مابی اور جلوہ نمائی نہ تھی انکسار وتواضع مزاج کا خمیر تھا۔ سیر چشم، فیاض اور خوش اخلاق تھے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے پانچ چھ ماہ تک ذیابطیس میں مبتلا رہے۔ صحت بھی ہوئی۔ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا فرمائی پھر بیمار ہوئے۔ آخر ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۲۸ اسفندار ۱۳۴۶ف روز سہ شنبہ بوقت ۴ بج کر ۶ منٹ صبح رحلت فرمائی[1]۔ آپ کے انتقال پر اطبا اور نظامئین کیجانب سے تعزیتی اور ختم قرآن کے جلسے ہوئے جس میں مرحوم کے خدمات تعلیمی اور طبی کا اعتراف کیا گیا اور یہ محسوس کیا گیا کہ مرحوم ملک کے روشن چراغ تھے جو افسوس ہے کہ ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔ مرحوم کے پسماندگان میں مرحوم کی بیوی اور مرحوم کے بھائی ابوصالح مولوی حکیم ریاض الدین صاحب استاذ ریاضی جامعہ نظامیہ ہیں جن کو مرحوم نے اپنے زمانہ میں طب کی تعلیم دی جو آج خدمت طب کو انجام دیرہے ہیں۔[2]

(۱) اسلم جنگ کے قریب قبرستان میں مدفون ہوئے کسی نے مادہ تاریخ وفات المغفور (۱۳۵۵) کہا ہے جو قبر پر کندہ ہے۔

(۲) از مجلہ نظامیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱ و ۳۵

مولوی محمد مبشر الدین صاحب | یہ جامعہ نظامیہ کے قدیم طالبعلم تھے۔ ۱۳۲۱ھ میں سند حاصل کی فارسی میں کمال حاصل تھا۔ ختم تعلیم کے بعد جامعہ میں استاذ فارسی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ سرکار عالی کے امتحان وکالت میں بھی کامیاب تھے چند عرصہ تک اس خدمت کو بھی عمدگی سے انجام دیا خوش خلق متین اور ہمدرد تھے طلبہ سے وقار اور عظمت سے ملتے اور ان کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۴۱ھ م ۲۶ر بہمن ۱۳۳۲ف میں وفات پائی۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہزاروی | یہ جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل تھے ختم تعلیم کے بعد جامعہ میں مدرس فقہ پر مامور ہوئے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور شب بیدار تھے للہیت کے آثار چہرے پر ظاہر تھے۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ م ۱۲ر مہر ۱۳۳۰ف میں وفات پائی۔

ان اہل علم بزرگوں کے سوا [illegible] علماء کے نام اور بھی ہیں مثلاً مولوی ولی الدین صاحب مہتمم اشاعۃ العلوم [illegible] فتح الدین صاحب مولوی سید ابراہیم صاحب استاذ حضرت صلابت جاہ مرحوم۔ مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب استاذ حدیث جامعہ عثمانیہ ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کے اسماء اور ان کی زندگی کی تفصیلات سے ہم بالکل ناواقف ہیں۔

بشارت نبوئی | بتاریخ ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ جامعہ نظامیہ میں تقسیم اسناد کا جلسہ مقرر کیا گیا تھا۔ جس میں بلدہ حیدرآباد کے مشاہیر مشائخین وعلماء اور امراء شریک تھے مولانا عبد الصمد صاحب قندھاری نے اپنے دست مبارک سے سندیں تقسیم فرمائیں اور مولانا رکن الدین صاحب نے فضیلت علم پر تقریر کی اور مولانا عبد الحق صاحب مصنف تفسیر حقانی نے تعلیم علوم دینیہ کی اہمیت اور ضرورت پر ایک عالمانہ تقریر فرمائی اسی شب میں حضرت مولانا مولوی شرف الدین احمد صاحب رودلوئی نے خواب دیکھا کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بر آمد ہیں اور سندیں جو اس جلسہ میں عطا ہوئیں ان کو دستخط خاص سے مزین فرمانے کے لئے طلب فرما رہے ہیں۔ چنانچہ منتظم صاحب مدرسہ (۸) سندیں لیکر حاضر خدمت ہوئے یہ بشارت فقط انھیں صاحبوں کیلئے نہیں ہے جن کو سندیں عطا ہوئی ہیں بلکہ تمام معاونین مدرسہ کو بھی بڑی خوشخبری ہے کہ

ان حضرات کی سعی مقبول بارگاہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے (۱)

جامعہ نظامیہ کی تعلیم اور اس کے فوائد کا یہ وہ خاکہ تھا جو ایک اسلامی اور قومی جامعہ کے شایان شان تھا۔ جامعہ نظامیہ نے حتی الامکان مسلمانوں کو اسلام پر رکھنے کی کوششیں کیں تاکہ مسلمان قرآن وحدیث کے سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔ اس کے فیض یافتہ اصحاب نہ صرف دکن میں پھیلے بلکہ ہندوستان کے علاوہ تمام عالم اسلامی میں علم مذہب کی خدمتگذاری میں مصروف عمل ہیں۔

جس طرح جامعہ نظامیہ نے مسلمانوں کو دین سے آگاہ کرنے کی سعی کی اسی طرح اس نے دنیوی ضروریات کا بھی اپنے ہاں انتظام رکھا تاکہ یہاں کے تعلیم یافتہ اصحاب صرف مسجد کے ملّا نہ بنے رہیں بلکہ ضرورت پر مساجد کی امامت، قوم کی خطابت، عدالتوں کی قضاءت، غرض دنیا کے ہر شعبے میں اس کے تلامذہ حصہ لے سکیں اور دین و دنیا کا کوئی دروازہ ان پر بند نہ ہو۔ اس غرض کے تحت دینیات کے نصاب کے ساتھ ادب، تاریخ، فلسفہ، ریاضی، اور علم ہندسہ کے مضامین بھی خاص طور پر شریک ہیں اسلئے ہمارا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جامعہ نظامیہ کا نصاب تعلیم اور اس کے طریقے تعلیم و انتظامات کی کوئی نظیر آج ہندوستان کے کسی عربی مدرسہ میں نہیں مل سکتی۔

حضرت بانی علیہ الرحمہ کے مبارک عہد میں یہ نظم بھی رکھا گیا تھا کہ اگر حکومت کے افراد طلبہ جامعہ کے لئے دنیا کے اور راستے بند کر دیں تو ایسی صورت میں طلبہ جامعہ اکل حلال سے مایوس نہ ہونے کیلئے دستکاری کی تعلیم کا انتظام تھا تاکہ باعزت طریقوں سے رزق حاصل کیا جاسکے اور ایسی روزی حاصل کرنے میں بڑے سرمایہ کی حاجت بھی نہ ہو چنانچہ اس عہد میں نجاری اور پارچہ بافی کی تعلیم کا نظم کیا گیا تھا۔ مگر یہ محمود طریقہ حضرت بانی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد فوراً ملتوی کر دیا گیا۔ اگر اب بھی جامعہ میں ضروری دستکاری کی

(۱) اس مبارک جلسہ میں حسب ذیل اصحاب صاحب سند قرار پائے (۱) مولانا حکیم ابوالخیر محمدؒ پیر صاحب طبیب شاہی (۲) مولانا مفتی محمد رکن الدین صاحبؒ استاذ والاشان حضرت ولیعہد بہادر (۳) مولانا سید غوث الدین صاحبؒ فقیہ جامعہ نظامیہ (۴) مولوی محمد مشیر الدین صاحبؒ (۵) مولانا محمد قاسم صاحبؒ شیخ المنطق والفلسفہ جامعہ نظامیہ بقیہ ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ (۵۸)

تعلیم کا نظم ہو جائے تو یقین ہے کہ طلبہ خالص دماغی کام کے ذریعہ ہی سے روزی کمانے پر مجبور نہ ہونگے بلکہ جسمانی محنت سے بھی روزی کمانے کے قابل ہو سکیں گے اور ضرورت کے وقت اہل قلم سے اہل سیف کی بھی قابلیت اپنے میں رکھیں گے۔

خلاصہ یہ کہ جامعہ نظامیہ اس وقت اپنے مقاصد میں کامیاب و بامراد رہے گا جبکہ قوم اس کا تعاون کرے اور اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا عہد کرے یقین ہے کہ اسی جامعہ کے ذریعہ حیدرآباد کو آزادی اور حریت میں وہ مرتبہ ملے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

ایک نظم | جامعہ نظامیہ کے خدمات سے متعلق یوم تاسیس کی تقریب کے موقع پر ملک کے قابل شاعر مولانا میر اشرف علی صاحب اشرف کامل (نظامیہ) مفتی محکمۂ صدارت العالیہ سرکار عالی نے فی البدیہہ اپنے خیالات کو منظوم فرمایا ناظرین کی دلچسپی کیلئے درج ذیل کیجاتی ہے۔

عزیزو بھائیو اے مدرسہ کے طالبعلمو — کہ تم کیا چیز ہو اس چیز کو سوچو ذرا سمجھو
ترقی دین و دنیا میں خدائے پاک دے تم کو — بزرگوں کی طرح فیضان عرفاں سے پھلو پھولو

سبب ہر چیز کے ہو باعث ہر کامرانی ہو
حقیقت یہ کہ پچھلا حق پرستوں کی نشانی ہو

قدم کی شان خود تصویر امکاں ہو کے رہتی ہے — بہار آتی ہے تو بلبل غزل خواں ہو کے رہتی ہے
کبھی وہ دن بھی آتا ہے نہیں ہاں ہو کے رہتی ہے — خدا کی شان بندوں سے نمایاں ہو کے رہتی ہے

طلب کے راستہ میں جس کو حاصل استقامت ہے
یہ راز کامیابی فرق عادت ہے کرامت ہے

کہاں وہ زہد و تقویٰ کہاں وہ شان و شوکت — کہاں ہے وہ نوازش وہ کرم وہ جاہ و جاہت
جہاں پائی کسی انسان کی انسان پر شفقت — نگاہوں میں لگی پھرنے فضیلت جنگ کی صورت

---

(۶) مولانا غلام محبوب صاحبؒ (۷) مولوی شیخ محمد صاحبؒ

(۸) مولوی محمد ولی الدین صاحبؒ۔ مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم

(۲) از کارروائی مدرسہ نظامیہ بابتہ ۱۳۱۲ف صہ ۵

در و دیوار پر ابتک وہی انوار باقی ہے
اثر والے مقدس شخص کے آثار باقی ہے

داس جا کیلیے طالبعلمی کا حق ہم نے | یہیں سمجھے زمینوں آسمانوں کے طبق ہم نے
لئے ہیں حل یہیں سارے مضامین دق ہم نے | ابھی تک یاد ہیں حاصل کئے تھے جو سبق ہم نے

نمایاں کامیابی سے جو بندے تن کے نکلے ہیں
حقیقت ان کی اتنی ہے یہیں سے بن کے نکلے ہیں

یہ جادہ ہے جہاں قرآن کی تفسیر ہوتی ہے | رسول پاک کے ہر حکم کی توقیر ہوتی ہے
سنن کی پیروی بدعات کی تحقیر ہوتی ہے | یہاں اصلاح کی ہر ممکنہ تدبیر ہوتی ہے

بجا ہے گر کہوں اللہ کی رحمت برستی ہے
نظامیہ میں دینی طالبعلموں کی بستی ہے

بظاہر لاکھ محنت ہے مصیبت ہے مشقت ہے | مگر تصویر کا رخ دوسرا یہ ہے کہ عزت ہے
ابھی کمزور بندوں میں خدائی شان و شوکت ہے | یہاں کا بچہ بچہ حامل بار امانت ہے

بحمد اللہ سینوں میں ابھی قرآن باقی ہے
اسی گھر سے دکن کی عالمانہ شان باقی ہے

جو خود کو پیرو سردار دو عالم بتاتے ہیں | بگڑ جاتے ہیں تو بگڑی ہوئی قسمت بناتے ہیں
مسلم ہے علوم دین سے جو لو لگاتے ہیں | تو ان کے پاؤں کے نیچے فرشتے پر بچھاتے ہیں

یہاں سب کچھ اسے ملتا ہے جو خود کو جلاتا ہے
یہیں گم ہو نیوالا دولت دارین پاتا ہے

خدائے پاک پھر اشرف وہی شفقت کا دن لائے | عجب کیا ہے پھر وہی پچھلا زمانہ عود کر آئے
ہمارے صدر بن کر آج مرزا یار جنگ آئے | مبارک ہو کہ پہلے کی طرح پھر صدر ہم پائے

صدارت پھر وہی ہے مذہبی صدر المہامی کی
فضیلت ہے فضیلت جنگ کی قایم مقامی کی

یوم تاسیس جامعہ نظامیہ کا تیسرا سالانہ جلاس

جامعہ نظامیہ کی تقریب تاسیس کا تیسرا اجلاس رفعت مآب مولوی سید عبدالعزیز صاحب صدر المہام عدالت و مذہبی کی صدارت میں بتاریخ ۱۰ ربیع المنور ۱۳۵۹ھ م ۵ ارخورداد ۱۳۴۹ف روز جمعہ جامعہ نظامیہ میں منعقد ہوا۔

ملک کے علماء و مشائخین، امراء جاگیر دار، معززین غرض ہر طبقے کے کثیر افراد جمع تھے۔

صدر انجمن کی تعارفی تقریر | مولوی حافظ سید حسن شاہ صاحب کامل (نظامیہ) کی قرأت سے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی اور مولوی سید شیخن احمد صاحب شطاری صدر انجمن نے فضیلت مآب مولوی سید عبدالعزیز صاحب کی تشریف فرمائی پر خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی سید عبدالعزیز صاحب کے قومی اور مذہبی خدمات ہندوستان میں قابل ستائش رہی ہیں اور یقین ہے کہ ہمارے ملک میں اس سے زیادہ رہینگی سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا

طالبان علم کا مقصد کسب دنیا ہوتا ہے یا نفسانی اور روحانی ترقی جامعہ نظامیہ اور اس کے طلبہ کا مقصد صرف روحانی ترقی ہے کیونکہ وہ علم کو علم کیلئے حاصل کرتے ہیں آخر میں نظامئین کی طرف سے بہترین توقعات کی امید کا اظہار کرتے ہوئے صدارت جلسہ کی خواہش فرمائی۔

تقریر آنریبل سید عبدالعزیز صاحب | آنریبل سید عبدالعزیز صاحب صدر المہام عدالت و مذہبی نے ایک جامع تقریر فرمائی اور اس امر کو ظاہر فرمایا کہ مولانا سید شیخن احمد صاحب شطاری صدر انجمن نے مجھ سے جن توقعات کا اظہار فرمایا فی الحقیقت میرا ارادہ بھی یہی ہے کہ میں اس اسلامی سلطنت میں علم و مذہب کی خدمت انجام دیسکوں جامعہ نظامیہ کے حالات سے ابھی ابھی واقف ہوا ہوں ایک ایسے ادارے میں جہاں علماء کرام موجود ہوں اس جلسہ کی صدارت مجھ کو سپرد کیگئی ہے جس کے لیئے میں آپ سب کا شکر گزار ہوں۔

عربی زبان کی جامعیت سے متعلق اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک

زندہ اور مکمل اور کئی ممالک میں مسلمانوں کی مادری زبان ہے ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصوں میں
یہ زبان بطور روزمرہ کے بولی جاتی ہے اس زبان میں اچھے اچھے اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں
اور تصانیف و تالیف کا سلسلہ نہایت کثرت سے ابتک برابر جاری ہے۔

عربی زبان دنیا کی کلاسیکل زبانوں میں ایک ممتاز مرتبہ رکھتی ہے مسلمانوں کا اس زبان سے
مذہبی قومی اور ادبی تعلق ہے اور مسلمان اس زبان سے تعلق رکھے بغیر کسی ملک میں ایک
عرصہ تک باوقار و صحیح اسلامی زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ جس آئین و دستور سے ان کا وجود وابستہ
ہے اس کے حقیقی سرچشمے اس کے اندر پائے جاتے ہیں جہاں یہ مادری زبان نہیں ہے وہاں
اور ہندوستان میں مسلمانوں نے اس زبان کے ساتھ اپنے تعلقات کو درسگاہوں کے ذریعہ
قایم اور زندہ رکھا ہے جس کی مایۂ ناز یادگار جامعہ نظامیہ ہے جس کی یوم تاسیس کی تقریب میں
آج ہم سب لوگ یہاں شریک ہیں یہ وہ قدیم درسگاہ ہے جو ایک عرصہ سے مذہبی و علمی خدمت
انجام دے رہی ہے کس طرح مقدس بانیان کی مساعی جمیلہ کی بدولت یہ درسگاہ مختصر آغاز سے
ترقی کرکے رفعت و بلندی پر پہنچی اور پھر اس میں انحطاط کی سی کیفیت پیدا ہوئی لیکن
حضرت جلالت الملک سلطان العلوم شمس الملت والدین کی معارف پروری اور تہہ گیر فیاضانہ
سرپرستی جو اس جامعہ پر خصوصیت سے مبذول رہی، توقع ہے کہ اس جامعہ کو علم و مذہب
کی خدمتگزاری کا پہلے سے زیادہ موقع ملیگا اور سارے عالم اسلامی کو اس کا فیض جیسا پہلے
پہنچا تھا پہنچتا رہے گا۔ (۱)

آخر میں عربی تعلیم کے موجودہ نصاب تعلیم پر تبصرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ابتدأً جو نصاب
تعلیم مقرر کیا گیا تھا اس کے دو حصے تھے ایک مذہبی تعلیم دوسرا دنیوی علوم کی تعلیم اول الذکر
کے متعلق فرمایا کہ اس میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو مستحکم کردینا چاہیئے لیکن
دوسرے جزو کے متعلق کہا کہ اس وقت کی ضروریات کے پیش نظر یہ نصاب مقرر کیا گیا تھا
اب حالات بدل گئے ہیں ضروریات حاضرہ کے مدنظر نصاب کے دوسرے جزو میں اصلاح و
ترمیم کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اسلام میں دین اور دنیا دو علٰحدہ چیز نہیں ہیں اچھے
طریقہ سے جو کام کیا جاتا ہے وہ دین ہے اور غلط طریقے سے استعمال کرنے کا نام دنیا ہے۔

(۱) از اخبار رہبر دکن ۱۱ ربیع المنور ۱۳۵۵ھ م ۱۶ خورداد ۱۳۴۶ ف

ہر زمانے میں نصاب نظامیہ کے تعلیم یافتہ اصحاب نے دین و دنیا دونوں کی خدمت عمدگی سے انجام دی ہے، قاضی ہوئے۔ مفتی بنے۔ یہاں تک کہ ملک پر حکومت کی اور وقت پر سپاہی کا کام بھی انجام دیا۔ غرض دین کا عالم دنیا سے کسی طرح کورا نہیں رہ سکتا۔ اسی نظریہ کے تحت میرا ارادہ ہے کہ جامعہ نظامیہ کے نصاب کے دوسرے حصہ میں مناسب ترمیم کریں سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حیدرآباد ایک اسلامی سلطنت ہے اس کا فرمانروا نہایت ہی فیاض اور معارف نواز ہے۔ ایسے زرین عہد میں جامعہ نظامیہ کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنا چاہیئے تاکہ اس کی شعل ہدایت سے تمام ہند روشن اور منور ہوسکے (۱)

مقاصد یوم تاسیس | مولوی ابوالخیر صاحب کنج نشین معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ نے یوم تاسیس جامعہ نظامیہ کے اغراض و مقاصد کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

جناب صدر، علماء کرام اور برادران عزیز!

آج ہم جامعہ نظامیہ کی (۶۷) ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ کسی ادارے کے لئے (۶۶) سال ختم کرکے (۶۷) ویں سال میں قدم رکھنا کسی بھی ملک میں مسرت کا باعث ہوسکتا ہے لیکن دکن کی ہماری اس دینی تعلیم گاہ کے مختصر حالات عرض کرنے پر آج کی تقریب کی اہمیت مزید وضاحت کے ساتھ ذہن میں آسکتی ہے۔

حضرت حافظ مولانا محمد انوار اللہ خاں نواب فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کے سپرد خانوادہ آصفی کی تین پشتوں کی تعلیم رہی ہے۔ ۱۹ر ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ سے جامعہ نظامیہ قایم ہے اور ابتداہی سے حضرت استاذ السلاطین اس کی روح رواں رہے ہیں۔ حج کے بعد ۱۳۰۱ھ میں آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور ہمشیرہ اور اکلوتے فرزند کی وفات کے باعث دنیا سے کنارا کش ہوکر دیار حبیب صلعم میں مستقل توطن کا آپ نے ارادہ فرمالیا تھا لیکن بزرگان دین کے طریقے پر آپ نے استخارہ فرمایا تو آپ کو حیدرآباد واپس ہونے کی ہدایت دیگئی اور ایک چراغ بھی عطا ہوا۔ ایک مزید روایت میں یہ تفصیل ہے کہ ایک بچہ آپ کے سامنے کتاب کھولے بیٹھا ہے اور حضرت فضیلت جنگ کو ان کے والد ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس بچہ کو پڑھاؤ۔ تعمیل حکم میں آپ حیدرآباد تشریف لائے اور پہلے سے زیادہ توجہ جامعہ نظامیہ پر کرنے لگے۔ واپسی وطن کے بعد ہی شہزادہ ولیعہد بہادر یعنی ہمارے موجودہ حکمران جلالت مآب آصفجاہ [illegible]

(۱) اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۲ر خورداد ۱۳۴۹ف

کی تعلیم آپ کے سپرد ہوئی جو اگرچہ بذات خود جامعہ نظامیہ میں نہیں آتے تھے لیکن نظامیہ کو فخر ہے کہ ان کے ملک کا بادشاہ بھی انہیں کا استاد بھائی ہے متعنا اللہ بطول حیاتہ وعفا مقدار جمیلہ وحسناتہ۔

ایک اور واقعہ جامعہ نظامیہ کی روئداد بابت ۱۳۱۳ھ میں درج ہے کہ جامعہ ہذا کے استاذ حضرت مولانا شرف الدین رود ولوی نے خواب میں دیکھا کہ جامعہ نظامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد ہونے والا ہے اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فارغین نظامیہ کی سندوں کو طلب فرما رہے ہیں تاکہ اپنی دستخط سے انھیں مزین فرمائیں۔کیوں نہ ہو جو جامعہ اہل السنت والجماعت کے طریقہ پر علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرتی ہو اور علوم قرآن وفنون حدیث کی خدمت اس کا منشاء ہو، اس جامعہ کے امیر اور چانسلر کے عہدے کو سرور کائنات کی ذات مبارکہ سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ والحمد للہ علی نعمائہ۔

گزشتہ ساٹھ ستر سال میں ہماری اس دینی جامعہ سے ہزارہا فضلا، اقطاع عالم میں پھیل چکے ہیں۔ہندوستان ہی نہیں عرب وترکستان کے تک بیسیوں طلبہ یہاں آتے رہے ہیں اور حضرت انوار اللہ خاں کی شمع عرفان سے کسب نور کرکے اپنے ملکوں میں روشن کرتے رہے ہیں۔

درس نظامیہ کی مقبولیت کے باعث ہندوستان کے دینی مدارس میں عموماً اس کے مطابق تعلیم ہوتی ہے ہماری درسگاہ میں بھی کافی حد تک اس کا لحاظ ہے لیکن ایک تو تعلیمی باقاعدگی کے لئے یہاں درجہ بندی مکمل کیگئی ہے اور جامعتہائے مولوی وعالم وفاضل وکامل کسی نئی وضع کی مغربی جامعہ سے اس کو کسی بات میں کم نہیں رکھتیں تو دوسری طرف بعض علوم جدیدہ مثلاً جغرافیہ، تاریخ، ریاضی وغیرہ بھی شامل نصاب ہیں اور تاریخ اسلام کا تو کامل تک ایک شعبہ قایم ہے اس سے انکار نہیں کہ ابھی اس میں ترقی کی گنجائش ہے اور فن تالیف کی مشق جس طرح تحقیقات علمیہ کی جماعتوں میں کرائی جاتی اور ڈاکٹر کی ڈگری دیجاتی ہے۔اسی طرح ہمارے ہاں بھی اعلیٰ اساتذہ کی نگرانی میں حکیم التفسیر، حکیم الحدیث۔حکیم الفقہ وغیرہ کے سندیں کسی اچھے مقالے کے پیش کرنے پر دیجا سکتی ہیں۔یوں بھی ضروریات زمانہ کا ساتھ

دینے اور تبلیغ دین کے لئے ہماری جامعہ میں السنہ ملکی، تلنگی، مرہٹی وغیرہ کی تعلیم کا تصفیہ ہوا تھا جس کی عمل کی ضرورت ہے لیکن اس قدر یاد دلانا بہرحال ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج چوطرف تخصص پر زور دیا جارہا ہے تو خالص علوم دینیہ میں تخصص کی بھی ملک میں سہولت رہنی چاہیئے۔ ہمارے ملک میں خالص انگریزی تعلیم کے لئے سینیر کیمبرج کے مدارس ہیں۔ مدارس یونیورسٹی کی شاخ نظام کالج بھی ہے جو برطانوی ہند کے مروجہ نصاب کی تعلیم کے لئے قایم ہے۔ جامعہ عثمانیہ بھی ہے جہاں شعبہ جات فنون وسائنس میں اردو نصاب کے ساتھ دینیات لازم کی تعلیم کا بندوبست ہے اور شعبہ دینیات میں پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ تک تفسیر حدیث، فقہ اور کلام کی تعلیم کا انتظام ہے لیکن ان طلباء سے دینیات کا خاصا وقت انگریزی ادب اور عربی نثر و نظم کے پڑھنے میں بھی صرف ہوتا ہے۔ جب ملک میں اتنی قسم کی تعلیم کا انتظام ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک خالص دینی تعلیم کا ادارہ نہ ہو۔ ایک ادارہ دوسرے کے کام میں حارج نہیں اور نہ رقیب۔ مدارس فوقانیہ عثمانیہ کی موجودگی میں سینٹ جارج گرامر اسکول جب خالی نہیں ہوگیا بلکہ دونوں جگہ طلباء روزافزوں ہی ہیں تو پھر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ اور ہماری درس گاہ جامعہ نظامیہ کے ساتھ ساتھ ملک میں رہنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ضرورت ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رکھے جائیں اور ہر قسم کے مذاق کی تکمیل کا سامان ہو، اور ہمارے طلباء کو باہر جانے کی ضرورت نہ رہے۔

بے شبہ وقتاً فوقتاً نصاب میں نظر ثانی ہوسکتی ہے کتب نصاب بدلے جاسکتے ہیں ترجمہ و تقریر کے لئے اوقات نکالے جاسکتے ہیں۔ فنون مدافعت کی مکمل تعلیم جملہ طلباء کیلئے لازمی قرار دیجاسکتی ہے شوق دلانے کے لیئے دیگر اداروں کے طلبہ سے مسابقتی مواقع فراہم کئے جاسکتے ہیں لیکن بہرحال جامعہ نظامیہ کو خالص دینی تعلیم کا انتظام کرکے باقی ہر چیز سے آئندہ بھی بے تعلق رہنا چاہیئے اس کے نتائج کچھ برے نہیں رہے۔ آج ہمارے ایک قدیم تعلیمیافتہ عدالت العالیہ کے ممتاز جج ہیں۔ آج ہمارے ایک قدیم تعلیم یافتہ کوتوالی بلدہ کی ذمہ دار اور نازک خدمت کو عمدگی سے بجالارہے ہیں۔ آج ہمارے ایک قدیم طالبعلم جامعہ عثمانیہ میں شعبہ عربی کے صدر اور ایک اسی شعبے کے ریڈر ہیں۔ اور آج ہمارے ایک قدیم طالبعلم قانون بین الممالک

نڑ نیشنل لا) کے جامعہ عثمانیہ میں استاذ ہیں۔غیر سرکاری زندگی میں ملک کے سب سے بڑے واعظ
رواقف زمانہ مشائخ بھی ہمارے ہی تعلیم یافتہ ہیں۔ ملک کے بیسیوں مشہور وکلاء بھی اسی
ردیواری کے فیض یافتہ ہیں اور ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق کسب فیض کرتا ہے۔
غرض یہ وہ مختصر حالات ہیں جو ہماری مادر علمی کے سلسلہ میں بیان کرنے تھے۔ اس کا
م تاسیس ابھی صرف چار سال سے منایا جانے لگا ہے پیوستہ سال صدر المہام امور مذہبی نواب
زایار جنگ نے اس اجتماع کی صدارت فرمائی تو گذشتہ سال صدر المہام تعلیمات نواب مہدی
رجنگ یہاں رونق افروز تھے آج ہم خوش قسمت ہیں کہ حضرت بانی نظامیہ نواب فضیلت جنگ
مــــدر الصدور و معین المہام امور مذہبی کے جانشین یہاں تشریف فرما ہیں اور بانی
امعہ اپنی مرقد مبارک سے دعاؤں کے ساتھ ان کا استقبال کر رہے ہیں۔
اس یوم تاسیس کا آغاز ہماری انجمن طلبہ قدیم نظامیہ کی تحریک پر ہوا، اور اس کے
پہلے اجلاس میں صدر المہام فنیانس نواب فخر یار جنگ بہادر نے ہماری انجمن کے متعلق ارشاد
رمایا تھا:—

"جامعہ نظامیہ کی قدیم طلبہ کی انجمن نے جس کام کو سنبھالنے کا بیڑا اُٹھایا ہے وہ مبارک ہے، وہ نہ صرف حضرت فضیلت جنگ رح کی بہترین آرزوؤں کو پورا کرنا چاہتی ہے بلکہ امت مرحومہ کی اصلاح بھی اس کے پیش نظر ہے۔ میں مجلس انتظامی مدرسہ کی جانب سے انجمن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انجمن نے ہر وقت مادر علمی کی اصلاحی امور میں اپنے مفید مشوروں سے ہمیشہ فائدہ پہنچاتی رہی"

یہ بہت حوصلہ افزا رائے ہے جو ہماری کوششیں جامعہ نظامیہ کی ترقی و فلاح سے
متعلق رہی ہیں۔
حضرات! ہم فرزندان جامعہ کا یہ کہنا اور یقین دلانا شاید ہی ضروری ہو کہ ہم پورے
خلوص کے ساتھ ہماری مادر جامعہ کے ارباب انتظام کے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے
اور ہم دونوں کا اشتراک عمل اپنے مشترکہ مقصد یعنی خدمت جامعہ نظامیہ کے لئے چشم بددو
دیرگاہ جاری اور نتائج حسنہ کا باعث رہے گا۔ اس امر کا اظہار باعث مسرت ہوگا کہ

ہماری انجمن کی اب تک (۱۶) مقامات پر شاخیں قایم ہو چکی ہیں اور کثیر نظامیہ برادری اپنی انجمن کے ذریعے آج جناب والا کو خوش آمدید کہتی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ خدا اعلیحضرت سلطان العلوم جلالت ماب شمس الملت والدین آصف سابع کو دیرگاہ خدمت دین و ملت کے لئے سلامت باکرامت رکھے اور آپ کے اقبال میں ترقی اور آپ کی رعایا کی سرسبزی میں اضافہ ہو اور ملک میں سنت نبوی کا بول بالا ہو۔ آمین یارب العالمین۔

نصاب نظامیہ کی اہمیت اور اس کی مقبولیت علامہ مفتی سید محمود صاحب کی تقریر

علامہ مفتی سید محمود صاحب سابق ناظم کلیہ جامعہ نظامیہ نے مذہبی تعلیم اور اس کی اصلی غرض و غایت پر ایک تفصیلی تقریر فرمائی دوران تقریر میں اس امر کو واضح فرمایا کہ اب بھی بعض مسلمان ایسے موجود ہیں جن کو علوم اسلامیہ کی تعلیم اور علماء سے کمال درجہ کی نفرت ہے ان کا خیال ہے کہ دین کی ترقی میں دنیا کا تنزل اور دینی اعتقاد مانع ترقی قوم ہیں حالانکہ یہ نظریہ کسی طرح صحیح نہیں۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں کو دنیوی ترقیاں اس وقت تک حاصل ہوتی رہیں جب تک اون کے دینی عقائد میں پختگی رہی اور جب مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں ضعف آتا گیا ان میں تنزل اور انحطاط کا دور شروع ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر دین کا مدار اس کے علوم مختصہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ اگر وہ علوم مفقود ہو جائیں تو دین کا باقی رہنا دشوار ہے کیونکہ دین جسد ہے تو اس کی روح علم ہے فی زمانہ اسلامی تعلیم و تربیت کے صحیح اداروں کا فقدان ہے جہاں ان کے دینی علوم اور مذہبی ثقافت کی حفاظت کا ساماں ہو۔

تحصیل و اشاعت علوم دینیہ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات ہیں جن سے ثابت ہے کہ بعد فرائض کوئی عبادت علم سے زیادہ مقبول اور باوقعت نہیں حضرت فضیلت جنگ نور اللہ مرقدہ نے آج سے (۶۵) سال قبل جامعہ نظامیہ کو اس غرض کے لئے قایم فرمایا تھا کہ اس جامعہ کے ذریعہ علوم عربیہ دینیہ کا فیضان عام ہو۔ آج دنیا میں تحصیل علوم دینیہ کے دو طریقے رائج ہیں ایک ولایت کا اور دوسرا ہند کا ولایت (افغانستان، عرب۔

ر، وغیرہ) کی تعلیم میں تحصیل علم مقصود ہے اور ہند میں تحصیل استعداد، اسلئے یہاں کے طلبہ بجائے
مسائل کے نفس کتاب کے سمجھنے اور قوت مطالعہ کے بڑھانے پر مجبور کئے جاتے ہیں اور اس
کی تمام سہولیتیں نصاب نظامیہ میں شریک ہیں جس کی وجہ سے اس نصاب کو ملک میں غیر معمولی
ولیت نصیب ہوئی افسوس ہے کہ آج ملک میں ایسے اصحاب بھی موجود ہیں جو اس نصاب
ناقص تبلانے کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کا یہ نظریہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا یہ نصاب
رہا علماء کے تجربہ سے تحصیل علوم دینیہ کے لئے مفید ثابت ہو چکا ہے اس وجہ سے
رت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ نے اس جامعہ کا نصاب درس نظامیہ مقرر فرمایا۔ بانی جامعہ
امیہ کے اس مبارک ارادے کے تحت حضرت اقدس واعلیٰ کی پیشگاہ سے یہ فرمان شرف صدور
کہ اس جامعہ کے نصاب نظامیہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا یہ تصورات
پ کے سامنے پیش کیئے گئے وہ حضرت بانی جامعہ علیہ الرحمہ کے افادات سے تھے جو
کے مصنفات اور کارروائی سہ سالہ ۱۳۱۲ھ تا ۱۵ھ سے اخذ ہیں ۔

قراءت کا عملی مظاہرہ مولوی حافظ قاری محمد عبد الرحمٰن صاحب شیخ التجوید
قراءت جامعہ نظامیہ نے فن قراءت اور اس کی اہمیت پر ایک مختصر تقریر فرمائی ۔
حاضرین اجلاس کو فن قراءت سے دلچسپی پیدا ہونے اور اس سے شغف پیدا کرنے کی
سے عاصم ۔ سبعہ اور عشرہ کے قراءت کے چند نمونے پیش فرمائے آخر میں حاضرین سے
دعا کی کہ بغیر تجوید کے قرآن کے حسن و خوبی سے واقفیت نہیں ہوسکتی تعلیم قراءت
نونوں کو جو خاص اہتمام اور نظم سے پیش ہوئے تھے جناب صدر نے بجد پسند فرمایا اور حاضرین
جہ دلائی کہ وہ قرآن کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوششیں کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ی مامون صاحب کی تقریر مولوی عبد الوہاب مامون صاحب دمشقی رکن
امی جامعہ نے بھی عربی تعلیم اور عربی ادب پر عربی میں مختصر سی تقریر فرمائی اور عربی زبان کے
ل الاصول ہونے کو مدلل طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی آخر میں مسلمانوں سے درخواست
، وہ علوم عربیہ کو حاصل کرنے میں سب سے زیادہ عجلت کریں کیونکہ اس زبان کی تحصیل مسلمانوں
ئے دنیا اور دین دونوں جگہ کار آمد ہے ۔

علمائے واقف زمانہ | شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب (نظامیہ) معتمد مجلس علماء دکن نے علمائے واقف زمانہ کے عنوان پر ایک جامع اور عالمانہ تقریر فرمائی دوران تقریر میں فرمایا :- واقف زمانہ علماء سے مراد وہ زمانہ کے رنگ میں رنگ ملانے والے علمائے سؤ مراد ہیں جنھوں نے زمانہ مامون میں بادشاہ کا رنگ دیکھکر خلق قرآن کا فتویٰ دیدیا اور علمائے ربانیین کو کوڑوں سے پٹوادیا جیل میں ڈلوادیا۔ دربار اکبر میں سجدہ کا فتویٰ دیکر ہزاروں سے اکبر کو سجدہ کرایا۔ تعداد ازدواج بادشاہ کے لئے چار تک محدود نہ رکھا حرام کو حلال کیا۔ فرائض کی فرضیت کو باطل۔ اس طرح چند دراہم و دنانیر کی خاطر ایمان فروشی کی، اپنی دنیا آباد کی۔ اپنی آخرت خراب۔ علمائے سؤ کا فتنہ اشد فتنہ ہے ان لوگوں نے خود کا نام "واقف زمانہ علماء" رکھا۔ اور بزعم خود مصلح قوم بنے۔ الا انہم ہم المفسدون۔

دوستو! واقف زمانہ علماء سے مراد یہ دین فروش علما نہیں بلکہ وہ علماء مراد ہیں جنھوں نے زمانہ اور اہل زمانہ کو اپنے رنگ میں رنگا صبغۃ اللہ کا رنگ بھی اہل دنیا پر چڑھادیا۔ انہیں اہل دین کی صف میں لا کھڑا کیا حق و صداقت کیلئے قربانیاں پیش کیں اور امت محمدیہ کو حیات جاوید بخشی۔ دنیا کی بناسیات اور دنیا کے سارے جھمیلوں کو انھوں نے ایمان کی کسوٹی پر پرکھا۔ کھوٹے کھرے کو الگ الگ کردکھایا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ وہی وارث انبیاء مرسلین ہیں دنیا کی سطوت نہ انھیں مرعوب کر سکی نہ اس کی جاذبیت ان کے پائے ثبات میں کبھی جنبش آئی ان کی موت وحیات دونوں اللہ سبحانہ کیلئے تھی۔ راہ حق میں فدا ہوجانا ان کا مقصد حیات تھا۔

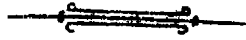
آخر پر بانی جامعہ حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی قبر کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اے بانی مدرسہ خدائے رحمن ورحیم کی ہزاروں رحمتیں تم پر نازل ہوں کہ ہم نے تمہاری زندگی میں بھی اور اب بھی ہمیشہ تم کو ایک سچا مرد مومن اور سچا عاشق رسولؐ جانکر عظمت کی اور ابتک تمہاری یاد دل میں چٹکیاں لے رہی ہے اسلئے نہیں کہ تم صدر الصدور تھے یا معین المہام امور مذہبی بلکہ اسلئے کہ تم ایک مرد مومن کی طرح جیئے۔ اور جب اجل آئی تو ایک مرد مجاہد کی طرح اپنی جان، جان جاناں کے سپرد کردی اور اپنی بہترین یادگار جامعہ نظامیہ کو چھوڑا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔"

آخر میں مولانا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے حاضرین اور جناب صدر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے افتتاح نمائش کی خواہش فرمائی۔ جناب صدر نے افتتاح نمائش کے وقت فرمایا کہ انجمن طلبہ قدیم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے یوم تاسیس کے جلسہ کو کامیاب طور پر منعقد کیا۔ ہمارا کام ہے کہ آپ کی ہمت بڑھائیں اور اس کو ترقی دیں۔۔۔ (تمام شد)



مجلہ طلوع منت

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار رسالہ



مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین

مولوی فاضل (نظامیہ)

شمس الاسلام پریس

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض و مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی اور تمدنی مسایل کا مطالعہ کرنا۔
۲۔ جلسے منعقد کرنا اور تحقیقاتی نتایج کو شائع کرنا۔
۳۔ ادارہ کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔
۴۔ جو اصحاب کم سے کم (عسہ) یکشت یا باقساط ادا کرینگے وہ رکن دوامی کہلائینگے اوران کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلا قیمت ارسال کئے جائینگے و نیز مجلہ نظامیہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔
۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتہ میں شائع ہوگا۔
۶۔ مجلہ نظامیہ دو جز ماہانہ پر شایع ہوگا لیکن بوجہ گرانی جنگ ایک جز پر شایع ہوگا۔
۷۔ قیمت سالانہ عہ رعایتی عام

سکرٹری ادارہ ترقی تعلیم اسلامی حسینی علم حیدرآباد دکن سے مراسلت کیجائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلۂ نظامیہ

مدیر ابوالخیر کنج نشین

قیمت سالانہ ۱؎
رعایتی ۸؎
عمان ۱؎
مقام اشاعت حسینی علم حیدرآباد دکن

فہرس

ملا عبدالقیوم شمارہ

مجلۂ نظامیہ کا خصوصی شمارہ ۵ ربیع الانور کو ملا عبدالقیومؒ کے نام سے شائع ہوگا جسمیں ملا صاحب کے خصوصیات قومی و علمی پر مبسوط بحث کم از کم (۱۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

جلد ۵	فروردی ۱۳۵۰ف محرم ۱۳٦۰ھ فروری ۱۹۴۱ء	عدد ۵

اداریہ

آج ہندوستان کے ہر حصے میں اس امر کی کوشش ہو رہی ہیں کہ رعایا کو حکومت میں کام کرنے کا موقع ملے اور حکومت یہ تسلیم کرے کہ صدر حکومت رعایا کے اقتدار اعلیٰ کا مظہر ہے یہی صورت حیدرآباد کی بھی ہے ہندو کہتے ہیں کہ صدر حکومت رعایا کے اقتدار اعلیٰ کا مظہر ہے مسلمان کہتے ہیں کہ صدر حکومت صرف مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر ہے ان دونوں کے خیالات میں جو فرق ہے وہ ہندو اور مسلمان کا ہے اگر یہ فرق مٹ جائے تو تمام نزاعات جو پیدا ہو چکے ہیں ان کا خاتمہ ہی ہوجاتا ہے اور دوبارہ ملک میں وہی صورت پیدا ہوتی ہے جو آج سے پچاس برس پہلے تھی نہ اسوقت کسی قوم کو حکمران ہونیکا خیال تھا اور نہ ماتحتی کا بلکہ ہر ایک کے پیش نظر امن وامان سے ترقی اور کامیابی کا خیال رہا۔

ہندو اور مسلمان ملک کی دو آنکھیں ہیں دونوں میں جب تک روشنی رہیگی اسوقت تک یہ دونو کارآمد ہوسکینگے اور جب ان میں سے کسی ایک میں ذراسی تکلیف پیدا ہوجائیگی اسوقت دوسری سے کامل مدد ملنے کی توقع نہوگی یہی حال گھر کا ہے قوم اور ملک کا ہے جب تک گھر، جماعت، قوم اور ملک میں اتفاق اور اتحاد نہوا اسوقت تک زندگی کا کوئی شعبہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہندو مذہب کے لحاظ سے بھی رعایا کو اقتدار اعلیٰ کا مظہر تصور نہیں کیا گیا اور نہ راجاؤں کے زمانے میں عام ہندوں کو حکومت میں حصہ لینے کا موقع دیا گیا ہندو مذہب کے لحاظ سے راجا کی اطاعت اور اسکی پرستش لازمی ہے اسکے سوا ہندوں کی تاریخ میں اس بات کا بھی مواد ملتا ہے کہ رعایا سے جو بھی راجا کے خلاف خواہ وہ صداقت پر کہے اسکو سخت سے سخت سزا دیجایا کرتی تھی ایسی صورت میں ہندوں کیلئے یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ ذمہ دارانہ حکومت کا مطالبہ کریں۔

اسلام ہی دنیا کا ایک واحد دین ہے جس نے اپنی تعلیمات میں ہمہ گیری کا دعویٰ الحکم للہ اور الملک للہ کے تحت عدل وانصاف کی بنیاد پر قایم کیا ہے۔ اسلام کے کسی عہد میں بھی عامہ مسلمین کا یہ ادعا نہیں رہا کہ ہم بادشاہ ہیں ہمارے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر خلیفہ یا بادشاہ وقت ہے۔

انتخاب خلافت کے بعد سب سے پہلے امیرالمومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں اس امر کو

واضح فرمایا۔ کہ حکومت میں مجھکو کچھ راحت نہیں میں نے کبھی بھی امیر بننے کی حرص کی اور نہ دعا کی مجھکو ایک ایسے امر عظیم کی تکلیف دیگئی ہے جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ وہ بدوں اللہ عزوجل کی مدد کے قابو میں آسکتا ہے میری ضرور یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا۔ اگر میں راہ راست پر چلوں تو مجھکو مدد دو اگر بے راہ چلوں تو مجھکو سیدھا کردو صدق امانت ہے اور کذب خیانت جو تم میں کمزور ہو وہ میرے لئے قوی ہے انشاء اللہ اسکا حق دلوادونگا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے اس سے انشاء اللہ حق لیکر چھوڑونگا جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے اسلام میں حکومت کا تخیل کیا تھا واضح ہو گیا آپ نے اپنی بے بضاعتی کو تبلاتے ہوئے حکمرانی کو امر عظیم کی تکلیف تبلایا ہے اور ہر وقت مدد الٰہی قیام عدل کو ضروری قرار دیا ہے صدق اور کذب کمزور اور طاقتور کے مسائل کو جس اسلوب سے ظاہر فرمایا ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے لیکن آج کہا جاتا ہے کہ حق صرف قوت کا ہے اور حق صرف اکثریت کا ہے۔

آج مسلمانوں کی خواہش ہے کہ دنیا کی طاقت جو کذب کی طرف بڑھ رہی ہے اس کا ساتھ دیں اقلیت اور اکثریت کی بحث میں اسقدر سرشار ہیں کہ قرآن اور مذہب کیا ہے نا معلوم نہیں صرف نام کے مسلمان اور کسی جامعہ کے گریجویٹ ہیں سیاسیات یورپ سے متاثر کذب کے میدان کے شاہسوار ہیں قوموں کو فریب دینے یا فریب میں پھنسانا کمال جانتے ہیں مسلمانوں کی موجودہ پستی اور انکی سرعت پذیر حالت کا درد رکھتے ہیں تشخیص مرض کے پہلے علاج کی طرف دوڑتے ہیں اور جو کچھ حق اور ناحق ہو وہ سب کر بیٹھتے ہیں مگر پھر بھی انھیں اپنے عزائم اور مقاصد میں ترقی اور کامیابی نہیں ہوتی لیکن یہ کبھی غور نہیں کرتے اور نہ سوچتے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے دس کروڑ مسلمان تیس کروڑ انسانوں کے ہر جائز اور ناجائز مظالم کا شکار ہو رہے ہیں

اسلامی تاریخ میں یہ امر مسلم رہا ہے کہ مسلمانوں نے عہد ماضی میں جو کچھ ترقی کی اسکی بنیاد دوسروں کی تاریخ پر نہ تھی بلکہ انہوں نے سرچشمۂ رسالت سے اپنی تمدنی اور سیاسی برتری کے اسباب کو لیا اور ساتھ ہی انکا طریق سلطنت اور نظام حکومت بھی بدل دیا یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (اور وہ نبی) صرف تعلیم نہیں دیتا بلکہ ان کا تزکیہ نفس کرتا یعنی دلوں کو پاک کرتا اور دانش سکھاتا ہے وہ تعلیم بھی دیتا ہے اور عمل بھی کراتا ہے) کو اپنا نصب العین قرار دیا غرض اسلام نے اپنی بادشاہت کا کبھی بھی اعلان نہیں کیا بلکہ اسلام نے کہا حکومت و فرمانروائی درحقیقت ایک خدمت ہے اور بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ خدائے تعالی کے بندوں کی بھلائی کیلئے کام کرے خدمت کرے پہلے بادشاہ مخدوم تھے اسلام نے خادم کردیا بادشاہ کی عزت صرف اسلئے کیجاتی ہے کہ وہ خدمت کرتا ہے اور اس خدمت کی وجہ سے مخدوم کا رتبہ حاصل کرتا ہے اسطرح اسلام نے راعی اور رعایا کے دماغوں سے حکومت کا تخیل نکالا دنیا نے دیکھ لیا خلفائے راشدین اس اسلامی طرز حکومت کا صحیح نمونہ تھے افسوس ہے کہ آج ہماری صورت سیرت اور اعمال پر اسلام کا اثر نہیں رہا اسی چیز نے ہمیں کمزور و خوشنودہ کردیا ہے خدا ہم سبکو توفیق دے کہ رسول اللہ کی تعلیم پر عمل کریں اور راہ مستقیم پر چل کردین و دنیا میں کامیاب ہوں۔

اسلام اور نسوانی حقوق

بہ سلسلہ گزشتہ

زوجہ اور اس کی رہائش کا انتظام شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی زوجہ کے رہنے کے لئے صالحین کے محلہ میں مکان خریدے یا کرایہ پر حاصل کرے

غیر شادی شدہ اشخاص کے لئے بھی فقہاء نے اس امر کی تاکید کی ہے کہ وہ بھی اپنے رہنے کے لئے صالحین کے محلہ میں مکان حاصل کریں تاکہ جب وہ متاہل ہوجائیں تو ان کو پہلے سے زیادہ اس قسم کے محلوں میں رہنے کی ضرورت ہوگی

شریعت نے مرد کو یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ اس امر پر زور دے کہ زوجہ گھر ہی میں رہے اور اس کے کوئی قرابت دار یا اسکے والدین کو گھر میں داخل ہونے سے روکے امام خصاف نے ادب القاضی میں اس کی وجہ یہ تبلائی ہے کہ مکان اس کی ملک ہے مالک اپنی ملک میں آنے سے ہر شخص کو منع کرنے کا اختیار رکھتا ہے اس اصول کے تحت شوہر زوجہ کے والدین یا قرابتداروں کو روکنے کا مجاز ہو سکے گا اس کے مقابلے میں عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر شوہر زوجہ کے ساتھ اپنی ماں بہن یا کسی قرابتدار کو رکھنے کا خیال رکھے اور مکان میں وسعت نہ ہو تو زوجہ شوہر کو اس خیال سے روکنے کی مجاز ہو سکیگی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مکان خالی نہ ہو تو یہ ممکن نہیں کہ بلا تکلف آرام اور حسب خواہش زیب و زینت کے اسباب شوہر کیلئے مہیا کر سکے۔

فقیہ ابو لیث نے فتاوی میں ابو بکر الاسکاف کی رائے لکھی ہے کہ اگر ایک مکان میں متعدد کمرے ہوں تو عورت شوہر کے خیال کو روکنے کی مجاز ہوگی مگر کمروں کی موجودگی میں روکنے کی کسی طرح مجاز نہ ہو سکیگی کیونکہ وسعت مکان کی صورت میں اب عورت کو شوہر سے مباشرت کرنے میں کسی قسم کی اخلاقی رکاوٹ نہیں رہی

عورت کا لباس اور اس کے بستر کا انتظام اسلام نے زوجہ کے لباس اور اسکے بستر کے انتظام سے متعلق حسب ذیل اصول قرار دیے ہیں۔

(۱) قاضی عورت کے لئے کس قدر کپڑوں کے جوڑے دینے کا حکم شوہر کے نام جاری کرے اس کے متعلق تبلایا گیا ہے کہ شوہر تنگدست ہو تو استطاعت کے موافق ایک

قمیص، ایک چادر اور ایک برقعہ کا انتظام کرے متمول ہونے کی صورت میں شوہر اپنی گنجائش کے موافق عورت کا لباس بنائے گا۔

عورت کے بستر کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ زوجہ کے سونے، بیٹھنے کے لئے شوہر کو فرش کا انتظام کرنا ہوگا موسم سرما میں گرم اشیاء کا انتظام بھی ضروری ہوگا لفظ فراش (بستر) کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے عام طور پر ایک فراش مراد لیا جاتا ہے لیکن عورت کے لئے ایک فراش کافی نہیں ہو سکتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ہر شخص کے لئے تین فراش ہونے چاہیں ایک اپنے لئے دوسرا اہل کے لئے تیسرا مہمان کیلئے (۲) اس کے سوا اگر چوتھا ہو تو شیطان کے لئے بتلایا گیا ہے یعنی ان تین بستر سے زائد بستر ہو تو وہ عورت کے لئے جبکہ وہ حائضہ یا بیمار ہو تو کارآمد ہو سکے گا۔

عورت کا قرابتداروں کے مکانوں میں جانا اس کے اوپر بتلایا گیا ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر مکان میں اپنے والدین یا قرابتداروں کو بلانے کی مجاز نہیں ہوگی مگر شوہر کی اجازت سے اپنے قرابتداروں اور عزیز و اقارب کو مدعو اور ان کے مکانوں میں جاسکیگی۔ ایسی صورت میں عورت مستحق نفقہ بھی ہوگی اگر والدین یا دیگر محارم بوجہ پیری یا علالت شدیدہ نہ آسکتے ہوں تو عورت بلا اجازت شوہر جانے کی مجاز ہوگی۔

انتظامات خانہ داری امور خانہ داری کے انتظام کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ ایسے کام کاج جو گھر کے انتظام سے متعلق ہوں عورت پر دیانتہً واجب ہیں لیکن قضاءً قاضی زوجہ کو ان کاموں کی تکمیل کے واسطے مجبور نہ کریگا (۳) اگر شوہر امور خانہ داری کے انتظام کے لئے کسی خادم (ملازم) کو مامور کرے تو شوہر زوجہ کو خورد و نوش اور بیمار ہو تو معالجہ یا تیمارداری اور اس قسم کے دیگر انتظامات کی انجام دہی کے لئے قضاءً مجبور کرنے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ عورت شوہر کی الفت، موانست اور حظ نفس کا ذریعہ ہے نہ کہ ان افعال کے کرنے کے لئے جن کو شوہر مثل خادمین کرانا چاہتا ہے۔

---

(۱) امام خصاف نے قمیص کا ذکر کیا ہے اور امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں "درع" بتلایا ہے ان دونوں کی حیثیت تقریباً یکساں ہے بعض عورتیں "درع" کا استعمال کرتی ہیں اور بعض قمیص کا "درع" اس لباس کو کہتے ہیں جس کا حصہ سینہ کی طرف کھلا ہوا کٹا ہوا قمیص اس لباس کو کہتے ہیں جس کا حصہ مونڈھے کی طرف کٹا ہوا ہو۔ شرح ادب القاضی میں عورتوں کے مختلف لباس کو صراحت سے بتلایا گیا ہے

(۲) ردالمحتار جلد ۲ صفحہ [illegible] فتاویٰ عالمگیری [illegible]

زوجہ کے خادمین اور ان کا نفقہ زوجہ کی خدمت کے لئے خادم (۱) ہو تو خادم کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اور اگر زوجہ اپنی خدمت کے لئے ایک خادم کے بجائے دو یا متعدد خادم رکھے۔ تو ان سب کے نفقہ کے متعلق فقہا کو اختلاف ہے

حضرت امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد رح کی رائے ہے کہ عورت کے صرف ایک خادم کے نفقہ کی ادائی شوہر پر ضروری ہوگی ایک سے زائد خادمین کے نفقہ کی ادائی واجب نہیں

امام ابی یوسف رح کی رائے ہے کہ شوہر پر عورت کے جملہ خادمین کے نفقہ کی ادائی واجب ہے، اس لئے کہ اگر عورت ایک متمول خاندان کی ہو اور پہلے مرتبہ اپنے ساتھ متعدد خادمین کو لائی ہو تو ایسی صورت میں ان تمام کا نفقہ شوہر پر ہوگا

بیوی اور خادم کے نفقہ کا فرق اس کے اوپر یہ بتلایا گیا ہے کہ عورت کا نفقہ مرد پر بوجہ استمتاع نفس ہے برخلاف اس کے خادم کا نفقہ خدمت کے معاوضہ میں ہے بلا خدمت وہ کسی معاوضہ یا نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔

زمانہ حج میں زوجہ کا نفقہ کس پر ہوگا زمانہ حج میں اگر عورت غیر محرم کے ساتھ سفر کرے تو ایسی صورت میں شوہر پر ان ایام کے نفقہ کی ادائی لازمی نہیں ہوگی البتہ زمانہ حج میں شوہر بھی ساتھ ہو تو حسب رائے حضرت امام ابی یوسف ان ایام کا نفقہ شوہر پر ہوگا کیونکہ شوہر کو اس سے انتفاع کے مواقع حاصل ہیں (۱) مقدار نفقہ کے متعلق امام خصاف رح کی رائے ہے کہ حج سے پہلے عورت کو جو نفقہ دیا جاتا تھا وہی ادا کیا جائے سفر اور دوسرے مقامات کے حالات پر اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ شوہر پر نفقہ معروف کی ادائی واجب ہے نہ کہ نفقہ مقامی

عدت عدت کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں شرع میں اس مدت کا نام ہے جس میں عقد نکاح کے فسخ کے بعد عورت کو دوسرا نکاح کرنے کے قبل انتظار کرنے کو کہتے ہیں عدت کا مقصد یہ ہے کہ اس اولاد کے نسب کا صحیح طور سے پتہ لگ جائے جو فسخ نکاح کے بعد یا بیوہ ہونے کے بعد اس عورت سے پیدا ہو مطلقہ عورتوں کے لئے مدت عدت حنفیوں کے نزدیک تین حیض ہے شافعی اور مالکیوں کی رائے میں تین طہر۔ آئسہ اور نابالغہ کے لئے تین مہینے بیوہ کے واسطے چار ماہ دس دن حاملہ کے لئے خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ وضع حمل تک عدت ہے

---

(۱) چونکہ عہد حاضرہ میں غلاموں کی خرید و فروخت کامل متروک ہوگیا ہے ایسی صورت میں اگر عورت اپنی خدمت کیلئے کسی ملازم کو رکھے تو اس کی اجرت کا بار شوہر پر ہوگا۔ (۱) جامع کبیر صفحہ ۱۹۳ (مطبوعہ احیاء معارف النعمانیہ)

ایام ختم کرنے کی ضرورت ہوگی (۱)

ایام عدت کا نفقہ طلاق کے بعد ایام عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا (۲)

عورت اور بیماری اسلام نے جس وسعت سے عورت کی قدر و منزلت کی اور اس کو جو حقوق دیے اس کی کوئی نظیر آج دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں مل سکتی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ اگر عورت کسی بیماری (۳) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا نفقہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ شوہر پر نفقہ کی ادائی واجب ہوگی ۔ اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ زوجہ کی حالت بیماری میں بھی مرد کو استئناس نظر کے ذریعہ انتفاع کا موقع حاصل رہتا ہے (۴)

ایلاء اور ظہار ایلاء کے معنے لغت میں قسم کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں یہ ہے کہ شوہر کا قسم کھانا اپنی منکوحہ سے چار مہینے یا اس سے زیادہ مدت تک صحبت نہ کرنے پر ایلاء کہلاتا ہے ضروری ہوگا کہ مدت معینہ کے اندر عورت سے صحبت کرے ایسی صورت میں صرف کفارہ دینا ہوگا مدت معینہ کے گزرنے کے بعد مباشرت نہ کرے تو عورت نکاح سے خارج ہو جائیگی ۔

شرع میں ظہار کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو کفارہ ادا کرنے کے بعد منکوحہ سے صحبت جائز ہوگی۔ قسم کا کفارہ شرع میں ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو صبح و شام پیٹ بھر کھانا کھلانا یا اسکی قیمت دینا اگر کوئی شخص ان تمام سے عاجز ہو تو اس کو چاہئے کہ تین روز پے در پے روزہ رکھے

ایلاء اور ظہار میں نفقہ کی ادائی کس پر ہوگی ایلاء اور ظہار کی حالتوں میں بھی نفقہ کی ادائی شوہر پر ضروری ہوگی اس لئے کہ اسوقت صحبت یا خط نفس کے جو موانعات پیدا ہو گئے ہیں ان کا وقوع شوہر کی طرف سے ہوا ہے اس لئے عورت مستحق حصول نفقہ ہوگی (۵)

ایام عدت میں حق وراثت کا پیدا ہونا اور اس کے مختلف اقسام خاوند اگر زوجہ کو طلاق رجعی دے تو اندرون عدت ایک دوسرے کا وارث ہے اور ختم عدت کے بعد وارث نہیں

---

(۱) ہدایہ باب العدۃ (۲) فتاوی عالمگیری جلد کتاب الطلاق باب النفقہ (۳) امراض کی تفصیل یہ ہے رتق۔ جذام۔ جنون برص وغیرہ (۴) ردالمحتار جلد ۲ کتاب النکاح وفتاوی عنایت صفحہ ۶۰ - (۵) کنز الدقایق -

اور اگر شوہر زوجہ کو بلا اس کی رضامندی کے مرض موت کی حالت میں طلاق بائن یا مغلظ دے تو اندرون مدت عدت زوجہ اس کی وارث ہوگی اور یہ اس کا وارث نہ ہوگا اور اگر زوجہ کی رضامندی سے طلاق دے تو اندرون عدت ہر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے اور ختم ایام عدت کے بعد کسی طلاق میں بھی زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکیں گے اس کے سوا شوہر بحالت صحت زوجہ کو طلاق بائن یا مغلظ دے تو ہر ایک نہ اندرون ایام عدت وارث ہے اور نہ بعد (۱)

اگر شوہر زندگی میں بحالت صحت اپنی کل جائداد زوجہ کے نام ہبہ کر کے زوجہ کو اس پر یعنی اشیاء ہبہ پر قبضہ دیدیا ہو تو بعد وفات شوہر ورثاء متوفی کو ان املاک سے متمتع ہونے کا حق نہ ہوگا کیونکہ اشیاء موہوبہ کی حیثیت متوفی کی ملک سے نہیں ہوگی! اور نہ ہبہ کو واپس لینا جائز ہوگا (۲)

جس عورت کو صحبت سے پہلے طلاق دے تو اس پر عدت لازم نہیں — اور زوجہ شوہر سے نصف مہر پانے کی مستحق ہوگی — اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ہو تو شوہر پر پورا مہر ہوگا (۳)

عورت کی تجہیز و تکفین اور اس کے مصارف کی ادائی کس پر ہوگی	زوجہ مالدار ہو یا نہ ہو مذہب اسلام نے عورت کی تجہیز و تکفین کے جملہ مصارف شوہر کے ذمے واجب قرار

دیے ہیں اور یہ قاعدہ بتایا ہے کہ زندگی میں جس پر نفقہ واجب ہے مرنے کے بعد بھی اس پر تجہیز و تکفین کے مصارف کی ادائی واجب ہوگی (۴)

نکاح باطل و فاسد	جو نکاح مستقل محارم (حقیقی بہن رضاعی بہن بھتیجی وغیرہ) کے ساتھ کیا جائے

وہ باطل ہے اور ایسی عورتوں سے جو عارضی طور سے ممنوع ہیں (۵) یا بغیر گواہوں کی موجودگی کے یا ایام عدت میں نکاح ہوا ہو تو وہ فاسد کہلائے گا (۶)

نکاح باطل و فاسد میں عدت اور اس کے متعلقہ اصول	نکاح باطل اور فاسد میں خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو بعد تفریق شوہر پر زوجہ کا مہر مثل جو مہر مسمی سے کم ہو واجب الادا ہوگا اور اس

قسم کی عورتوں کے لئے عدت میں بھی بیٹھنا ہوگا جیسا کہ رد المحتار جلد ۲ کتاب المہر صفحہ ۳۵۹ میں لکھا ہوا ہے

(۱) فتاوی عالمگیری جلد (۱) باب طلاق المریض و کتاب الآثار صفحہ (۱۳۶) (۲) ہدایہ کتاب الہبہ
(۳) فتاوی عالمگیری جلد (۱) باب العدۃ و باب المہر (۴) رد المحتار جلد (۱) صفحہ (۶۰۲) (۵) زوجہ کی حقیقی بہن یا اس کی حقیقی خالہ سے نکاح کرنے کو فاسد کہتے ہیں

وطی کے بعد قبل تنسیخ نکاح جو اولاد پیدا ہو ان کی حصانت اور ان کے نان ونفقہ کی ادائی بحیثیت تعلق کے باپ کے ذمہ ہوگا اس حد تک بچہ کا تعلق باپ سے متعلق رہے گا اگر ایسا نہ ہو تو بچہ کا تلف جان ہونا ممکن ہے مگر شرط یہ ہے کہ وطی سے (۶) مہینے یا اس سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو اگر چھ مہینے سے کم میں بچہ کی ولادت ہو تو ثبوت تعلق بقدر حق حصانت جاتا رہے گا۔

اگر خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے نکاح باطل اور فاسد کی تنسیخ عمل میں آسے تو عورت پر عدت بھی نہیں ہوگی اور نہ زوج پر مہر کی ادائی کا لزوم ہوگا از فتاوی نوازل حضرت امام ابی اللیث رحمۃ اللہ علیہ

نکاح فاسد اور باطل میں میراث | جو بچے نکاح باطل اور فاسد کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ باپ کی میراث سے کسی طرح تمتع حاصل کرنے کے مجاز نہ ہوسکیں گے اور نہ اس سے کوئی شرعی نتیجہ اخذ ہوگا جیسا کہ ردالمحتار جلد (۲) باب المہر صفحہ (۳۶۱) میں بسبب النسب کے سلسلے میں تبلایا گیا ہے۔ اما الارث فلا یثبت فیہ وکذا النکاح الموقوف۔

نکاح باطل اور فاسد میں تنسیخ عقد نکاح کے بعد پہلی زوجہ کا نفقہ | اگر ایک شخص اپنی بیوی کی موجودگی میں اسکی بہن حقیقی یا خالہ حقیقی سے شادی کرے اور بوقت نکاح اس کو ان رشتوں کا علم نہ ہوا ہو اور جب وہ واقف ہو جائے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ محارم بیوی کو فوراً علیحدہ کردے اور قاضی اس بات کا حکم دے گا کہ وہ پہلی بیوی سے اس وقت تک علیحدہ رہے جب تک محارم بیوی (علیحدہ شدہ) کی عدت ختم نہ ہو اس عرصہ تک پہلی پہلی بیوی کا نفقہ شوہر پر ضروری ہوگا فتاوی النوازل صفحہ (۱۱۰) میں تبلایا گیا ہے

بھاگی ہوئی عورتوں کا نفقہ | جو عورتیں نافرمانی یا اجنبی شخص سے زنا میں مرتکب ہوتی ہیں۔ ان کا نفقہ شوہر پر واجب نہ ہوگا اور نہ ایسی عورتیں نکاح سے خارج متصور ہوں گی اور نہ ان کے اس عمل سے مہر ساقط ہوگا اس لئے ارتکاب زنا کی صورت میں عورت شرعی سزا کی مستحق ہوگی البتہ ارتداد یا سوتیلے لڑکے سے تعلقات پیدا کرے تو نکاح سے خارج اور مہر ساقط ہوگا جیسا کہ ردالمحتار جلد ۲ صفحہ (۳۳۹) میں تبلایا گیا ہے۔

ضائع شدہ نفقہ اور اس کے اصول اگر عورت ایک عرصے تک شوہر سے نفقہ طلب نہ کرے اور بعد میں طلب نفقہ کا دعوی عدالت میں پیش کرے تو عدالت گزشتہ زمانہ کا نفقہ شرعاً دلانے کی مجاز نہ ہوگی (۱) اسی طرح اگر عورت حاصل کے ہوئے نفقہ کو ضائع کر دے تو اس شکل میں بھی شوہر کے لئے یہ ضروری نہ ہوگا کہ وہ زوجہ کو دوبارہ نفقہ ادا کرے کیونکہ عورت کو جو نفقہ دیا جاتا ہے وہ حاجت اور تکمین نفس کے مقابلہ میں ہے جس کی ادائی ایک مرتبہ ہو گی۔ اس لئے اب شوہر کے لئے یہ ضروری نہ ہو گا کہ وہ دوبارہ نفقہ ادا کرے جیسا کہ قاضی یا اس کے عمال خزانہ شاہی سے ماہوار حاصل کرنے کے بعد ضائع کر دیں تو حکومت پر ان کی دوبارہ اجرائی لازمی نہیں ۔ اس کے سوا محرم کے نفقہ کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی محرم کا نفقہ ضائع یا سرقہ ہو جائے تو ایسی صورت میں دوبارہ نفقہ کی ادائی شخص ذمہ دار پر لازمی ہو گی کیونکہ اس شکل میں محرم کو ضرورت لاحق ہونے سے دوبارہ حاصل کرنے کا حق پیدا ہوتا ہے۔

محرم کے لباس کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ اگر محرم دیئے ہوئے لباس کو استعمال نہ کیا ہو تو اس کو دوبارہ حاصل کرنے کا حق نہ ہو گا مگر زوجہ کے لئے جو لباس دیا گیا ہے اس کو استعمال نہ کرکے دوبارہ طالب لباس ہوئی ہو تو اس کو دوبارہ حاصل کرنے کا حق ہو گا

زیادتی نفقہ کے اصول زوجہ کے نفقہ میں زیادتی یا کمی اور حصول نفقہ میں جو شکایت عورت کو رہا کرتی ہے اس کے متعلق ذیل میں چند اصول لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اگر عورت شوہر سے ایک شئی معلوم پر مصالحت کر لینے کے بعد قاضی کے ہاں درخواست پیش کی کہ نفقہ جس پر مصالحت ہوئی تھی وہ ناکافی ہے وجوہ مدلل ہونے کی صورت میں قاضی کو اختیار حاصل ہے کہ عورت کے مقررہ نفقہ میں زیادتی کا حکم دے۔

(۲) اگر قاضی نے نفقہ میں روپیوں کے عوض اجناس مقرر کر دیا ہو اور یہ اجناس عورت کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو تو اس صورت میں بھی قاضی کو اضافہ

---

(۱) فتح القدیر جلد ۴ صفحہ (۲۰۰)

نفقہ کی اجرائی کا حق ہوگا خواہ شوہر کے ہاں اس وقت مال یا اجناس کے قسم سے جو بھی ہو اس سے نفقہ کی ادائیگی ہوگی ۔ اسی طرح اگر شوہر کے ہاں اجناس اور مال نہ ہو بلکہ پارچہ اور دیگر سامان ہو تو ایسی حالت میں بھی حسب رائے حضرت امام ابو حنیفہؒ ان اسباب کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے عورت کو نفقہ نہیں دلایا جائیگا مگر حسب رائے امام ابی یوسفؒ اور امام محمدؒ ان اشیاء کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نفقہ میں زیادتی کا عمل ہو سکے گا ۔

عدم ادائی نفقہ میں قاضی کے اختیارات | قاضی کے نفقہ مقرر کرنے کے بعد عورت اپنے شوہر کو قید کرنے کی درخواست کرے تو اس کی درخواست منظور نہیں ہوگی کیونکہ کسی کے لئے قید کا حکم دینا موجب عقوبت ہے اور جب تک ظلم شوہر کے جانب سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک شوہر کے نام قید کا حکم جاری نہیں ہو سکیگا البتہ دوسری مرتبہ عورت نے عدم ادائی نفقہ کی علت میں قید کی درخواست پیش کی تو تب اس کا دعوی قابل سماعت ہوگا کیونکہ اب اس سے ظلم ظاہر ہوا ہے ظلم کا رفع کرنا قاضی کے فرائض سے ہے خواہ نفقہ کی مقدار ایک درہم کی کیوں نہ ہو اور یہ اختیار اس کو صرف عدم ادائی نفقہ کی صورت میں حاصل نہ ہوگا بلکہ ہر ظلم کی علت میں ظالم کو قید کرنے کا اختیار رہے گا ۔

جس نفقہ کو قاضی مقرر کردے اور اس کو شوہر ادا نہ کرے تو ایسی صورت میں عورت کو اس امر کا حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی جائداد سے یا شوہر کے نام پر قرض حاصل کرکے نفقہ حاصل کرے اس کی ادائی شوہر کے لئے لازمی ہوگی کیونکہ قاضی اس کو قرض لینے کا اختیار دیا ہے ۔

قاضی جن جن اشخاص کو ظلم کی علت میں قید کا حکم دے گا ۔ وہ دو یا تین ماہ کے بعد انکے حالات دریافت کرنے کا بھی حق رکھے گا ۔

مفلس اشخاص کو کاروبار پر لگانے کی ضرورت | جو شخص فقیر ہو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے ایسا شخص جس کے پاس زکوۃ سے رقم وصول ہوئی ہو وہ کسی محارم کے ادائی نفقہ پر مجبور

نہیں کیا جائے گا البتہ وہ بیوی اور بچوں کے نفقہ پر مجبور ہوگا ایسی صورت میں وہ قید نہیں کیا جائے گا کیونکہ قید کی صورت میں — قوی احتمال ہے کہ اس کی حاجت میں مزید اضافہ ہو اگر قاضی کی تحقیقات میں مفلس شخص تنگ دست نہ ہو تو ضرور قید کیا جائے گا شارح کتاب ہذا کی رائے ہے۔ مفلس شخص اگر صنعت وحرفت اور مزدوری کرنے کا قابل ہو تو وہ باپ کے نفقہ کی ادائی کے لئے کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ اس کے عمل سے باپ کو نفقہ حاصل ہو سکے۔

حصول نفقہ میں زوجہ کی شکایات شرع میں بیوی پر شوہر کے احکام کی اطاعت ضروری ہے اس طرح شوہر کے فرائض سے ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو آرام وراحت سے رکھے اور اس کو برابر نفقہ پہونچاتا رہے۔ اگر حصول نفقہ میں زن وشو کے درمیان جھگڑا ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ خود روزآنہ شوہر سے نفقہ پہونچانے کا انتظام کرائے یا کسی معتبر شخص کے ہاں جمع رہنے کا حکم دے۔

تاکہ عورت کو روزآنہ نفقہ برابر حاصل ہوتا رہے اگر عورت قاضی کے ہاں درخواست پیش کرے کہ شوہر سے نفقہ وقت پر وصول نہ ہونے کی وجہ عسرت کی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں تحقیقات کے بعد قاضی اس کے لئے ایک ایسی مقدار نفقہ کی مقرر کرے گا جو اس کی ضروریات کو پورا ہو سکے۔ اگر عورت کفیل کی خواہش کرے۔ تو کفیل بھی مقرر کیا جائے گا تقرر کفیل کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رح کی رائے خلاف ہے امام ابی یوسف رح کی رائے میں ایک ماہ کیلئے کفیل کا تقرر کرنا جائز ہے اور اس پر جمہور علماء کا فتویٰ ہے۔

کفالت کسی مطالبہ میں ایک شخص کا اپنی ذمہ داری کو دوسرے شخص کی ذمہ داری میں شریک کر دینا کفالت کہلاتا ہے جو شخص ضامن ہوتا ہے وہ کفیل اور جس کی طرف سے ضامن ہوتا ہے اس کو مکفول عنہ اور جس کے واسطے ضامن ہوتا ہے اس کو مکفول لہ کہتے ہیں۔

عورت مجاز ہوگی کہ شوہر سے ادائی نفقہ کے متعلق معاہدہ کفالت حاصل

کرے جیسا کہ شوہر نے ایک شخص کو کفیل بنایا اور کفیل مکفول لہا سے اس طرح کہا کفلت لک بنفقتک کل شھر عشرۃ دراھم یعنی میں تیرے نفقہ کا کفیل ہوں تجھ کو ہر ماہ دس درہم دیا کروں گا اس کے متعلق امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ یہ کفالت صرف ایک ماہ کے لئے ہو گی کیونکہ کفیل نے لفظ شہر (مہینے) کو کل کے ساتھ بیان کیا اور لفظ کل (تمام) کا اطلاق عمومیت پر ہوتا ہے اور یہ محال ہے اس لئے کل سے مراد ایک مہینہ لینا ہو گا جیسا کہ ایک شخص لک علی کل درھم کہتا ہے تو اسکے اس اقرار سے ایک درہم مراد لیا جائے گا نہ کہ اس سے ہمیشگی مراد لیجائیگی اس لئے یہ ضروری ہوگا کہ اس قسم کے معاہدہ کفالت میں لفظ ہمیشگی یا زن وشو کے تعلقات قائم رہنے تک جیسے الفاظ اضافہ ہوں لیکن امام ابی یوسف رح کی رائے ہے کہ یہ کفالت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان دونوں میں زوجیت کا تعلق باقی رہے اسی پر جمہور علماء کا فتوی ہے۔

ایک دوسری صورت میں کفیل کفلت لک بنفقتک کل شھر عشرۃ دراھم ابدا او طلقھا الزوج یعنی میں تیرے نفقہ کا کفیل ہوں تجھکو ہمیشہ یا جب تک دونوں میں زن وشو کے تعلقات باقی رہینگے یا شوہر طلاق دیدے اس وقت تک نفقہ دیا کروں گا ایسی صورت میں کفیل کیلئے ضروری ہوگا کہ مکفول لہ کو زن وشو کے تعلقات قایم رہنے تک نفقہ ادا کرتا رہے۔

معاہدۂ کفالت کی بناء پر عورت کفیل سے نفقہ حاصل کرنے کی مجاز ہو گی اگر اس عرصے میں شوہر زوجہ کو طلاق دیدے تو ایام عدت کا نفقہ بھی کفیل سے حاصل کر سکے گی۔

مرض الموت میں وراثت کے احکام

مرض الموت کیا ہے | وہ ایسا مرض ہے جس سے عام طور پر اکثر موت کا خوف ہوتا ہے اور یہ مرض انسان کے دماغی اور جسمانی ضعف کے پیدا کرنے کا سبب ہوتا ہے اس لئے ایک مریض پر لازم ہے کہ وہ اپنے ذمہ کی عبادت کو جہاں تک اس کے امکان میں ہو ادا کرتے رہے اور جو اشخاص اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی جائداد سے ورثاء اور قرضخواہاں کے حقوق پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کی زندگی کی غلطیوں اور خطاؤں کی اصلاح کے لئے اس کو اپنی جائداد سے صرف ایک تہائی حصہ کے انتقال کا اختیار باقی رہتا ہے بعض معاملات میں اس کی ذمہ داری اس کی جائداد سے متعلق ہو جاتی ہے مثلاً اگر متوفی کسی جائداد کا امین ہو یا اپنی زندگی میں کسی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتا ہو تو ان صورتوں میں اشیاء امانی اور اشیاء مغصوبہ اشخاص امناء اور مالک اشیاء مغصوبہ کے حوالے ہو جائینگے اس کے سوا باقی سے تجہیز و تکفین اور ادائی قرضہ کے بعد جو کچھ بچے وہ ورثاء پر تقسیم ہوگا[1] اور عورت مرض موت میں بغیر رضامندی ورثاء مہر معاف نہیں کر سکتی۔ (فتاوی حضرت العالیہ بحوالہ تنقیح حامدیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۵)

چونکہ متوفی فطری طور پر اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہو جاتا ہے اس لئے اس سے تمام رشتہ داروں کے پرورش کی ذمہ داریاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔

وراثت کا نفاذ | مورث کی وفات کے بعد اس کا مال متروکہ کہلائیگا۔ اور یہ متروکہ ورثاء میں قابل تقسیم ہوگا برخلاف اس کے کسی وارث کو اس کی زندگی میں اس کے جائداد پر دعوی کا حق نہ ہوگا۔ اور نہ ایک شخص کے حقوق مر جانے کے بعد اس کی جائداد سے کلیتاً زائل ہوتے بلکہ اس کی ضروریات تجہیز و تکفین کی حد تک باقی رہتے ہیں (۲)

وراثت | مورث کی وفات کے بعد اس کی جائداد ان لوگوں پر منتقل ہوتی ہے جو بہ لحاظ شرکت خون و قرابت متوفی سے اپنا تعلق رکھتے ہوں۔

---

(۱) توضیح و تلویح صفحہ (۷۵۶) مطبوعہ مصر (۲) توضیح صفحہ (۷۵۷) و درمختار جلد ۵ کتاب الفرائض و [illegible] الفرائض

ورثاء کے اقسام | ورثاء کے حسب ذیل اقسام ہیں [1]

(۱) اصحاب الفرائض (۲) عصبہ (۳) ذوی الارحام (۴) مولی الموالات واوصیا

(۱) اصحاب الفرائض وہ اصحاب ہیں جن کے حصص قرآن کے ذریعہ مقرر ہیں وہ یہ ہیں۔

۴ مرد۔ باپ۔ دادا۔ اخیافی بھائی۔ شوہر

۸ عورتیں۔ زوجہ۔ بیٹی۔ پوتی۔ حقیقی بہن۔ اخیافی بہن۔ علاتی بہن۔ ماں جدہ صحیحہ

عصبات | غیر محجوب اور ذوی الفروض کے حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے اس کے مستحق عصبہ ہوتے ہیں یہ تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ

عصبہ بنفسہ چار قسم کے ہوتے ہیں (۱) جزء متوفی یعنی اسکے بیٹے اور پوتے خواہ کتنے ہی نیچے کیوں نہ ہو۔

(۲) اصل متوفی یعنی اس کا باپ و دادا خواہ کتنے ہی اوپر کے کیوں نہ ہو (۳) متوفی کے باپ کے اجزا یعنی اس کے بھائی یا بھائیوں کے بیٹے خواہ کتنے ہی نیچے کیوں نہ ہو

(۴) متوفی کے دادا کے اجزا یعنی چچا اور ان کے بیٹے خواہ کتنے ہی نیچے کیوں نہ ہوں

عصبہ بغیرہ وہ عورتیں ہیں جو بحیثیت ذوی الفروض کے نصف اور دو تھائی ترکہ پانے کی مستحق ہوتی ہیں لیکن وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہو کر برابر عصبات میں داخل ہو جاتی ہیں مثلاً ایک میت نے بیوہ - بھائی اور بہن کو چھوڑا تو بیوہ کو ایک چوتھائی ملے گا اور بقیہ تین چوتھائی میں سے بھائی دو حصے اور بہن ایک حصہ بحیثیت عصبہ پائیں گے۔

عصبہ مع غیرہ وہ وارث عورت ہے جو دوسری وارث عورت کے ساتھ ملکر عصبہ ہو جاتی ہے مثلاً جب ایک بہن ایک لڑکی کے ساتھ جمع ہو جائے۔

قرابتی عصبات کے سوائے بوجوہ خاص بعض عصبات ہو جاتے ہیں جیسے مولی العتاق اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو ترکہ کا باقی حصہ ذوی الفروض قرابتداروں میں بہ مناسبت ان کے حصوں کے تقسیم ہوگا۔

ذوی الارحام | اس فہرست میں وہ تمام رشتہ دار شریک ہیں جو نہ ذوی الفروض ہیں

---

[1] کنز الدقائق و سراجی

اور نہ عصبہ ایسے ورثاء ذوی الارحام کہلاتے ہیں اور یہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔
(۱) بعض متوفی کے اولاد میں ہوتے ہیں جیسا کہ بیٹوں اور پوتیوں کے لڑکے
(۲) وہ اصحاب جن کی اولاد میں خود متوفی ہو۔
(۳) وہ اصحاب جو متوفی کی والدین سے پیدا ہوئی ہوں جیسے بہن کی اولاد اور بھائیوں کی لڑکیاں۔
(۴) وہ اصحاب جو متوفی کے دادا اور نانا کی اولاد میں ہوں جیسا کہ ماموں پھوپیاں۔ خالائیں۔ ان ورثاء میں حق توریث بہ ترتیب متذکرہ بالا پہونچتا ہے۔

مولی الموالات | مولی الموالات وہ لوگ ہیں جن سے متوفی نے معاہدہ کر لیا ہو کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث ہوں گے یہ لوگ متوفی کے متعلق عہد کرتے تھے کہ اگر متوفی کے بعد کوئی جرمانہ یا دیت عاید ہوگی تو وہ اس کو ادا کرینگے

اوصیا | اگر متوفی کے بعد کسی قسم کے کوئی ورثاء ہوں تو اس کی جائداد ان لوگوں کو ملے گی جن کے حق میں متوفی وصیت کر گیا ہو ایسے لوگ اوصیا کہلائینگے۔

ملک کی تعریف | شریعت میں ملک کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ اس تعلق کا اظہار ہے جو ایک انسان اور اس شئی میں ہوتا ہے جو متذکرہ صدر انسان کے قطعی اختیار اور اقتدار میں ہونے سے کسی دوسرے انسان کو اس پر کسی قسم کے انتقال کا حق نہو (۱)

وصیت | شرع میں وصیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ ایسا انتقال ہے جو موصی کی وفات کے بعد عمل میں آتا ہے جو شخص وصیت کرتا ہے وہ موصی اور جس شخص کے واسطے وصیت کیجاتی ہے وہ موصی لہٗ اور جو شخص اس کے ہدایات کے موافق عمل کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے وہ وصی کہلاتا ہے۔

اشیاء وصیت پر قیود | شریعت نے اس مقصد کے لئے جائداد کے صرف ایک تہائی حصہ کو کافی تصور کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دوسرے لوگوں

---

(۱) شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ (۱۶۳)

کے حقوق پر اثر پڑتا ہے مصارف تجہیز و تکفین اور ادائی قرض کے بعد متروکہ کے تیسرے حصہ سے وصیت کی تکمیل ہوگی ثلث حصے سے زاید حصہ پر وصیت کا اثر پڑتا ہو تو اس میں ورثاء کی رضامندی ضروری ہوگی (۱)

وصیت کا نفاذ | بلحاظ اپنی نوعیت کے وصیت کا نفاذ موصی کی وفات سے ہوتا ہے اگر موصی لہ موصی کی وفات سے پہلے فوت ہوجائے تو سب کے نزدیک جائداد موصی بہا موصی کی جائداد میں شامل ہوجائیگی۔ "وصیت کا نفاذ واجبات اور فرائض میں ہوگا۔ (فتاوی صدارت العالیہ صـ۱۱۲ بحوالہ تنقیح حامدیہ جلد ۲ کتاب الوصایا صـ۲۸۲)

تنسخ وصیت | موصی کو جس طرح وصیت کرنے کا حق ہے اسی طرح موصی کو یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنی زندگی میں وصیت کو منسوخ کردے لیکن جب وہ اپنے غلام کے لئے وصیت کرے کہ وہ اس کے بعد آزاد ہوگا کسی طرح وہ ایسی وصیت کو اپنی زندگی میں منسوخ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

ودیعت | جب کوئی شخص اپنی جائداد کسی دوسرے شخص کے قبضہ میں معاہدہ کرکے بغرض حفاظت دیدے تو وہ ودیعت کہلاتی ہے

امین کی ذمہ داری | شریعت اسلام نے جہاں ہر ایک شخص کو دوسرے کی جائداد پر بطور امانت قبضہ رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے وہاں امین کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اشیاء امانت کو نہایت حفاظت سے رکھے اگر اشیاء امانت کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو قاضی کی اجازت سے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے پاس محفوظ رکھے اور جب مالک طلب کرے واپس کرے یا بعد تحقیق ورثاء پر بعد ادائی قرض تقسیم کردے لیکن کسی صورت میں بھی اشیاء امانت کو تلف یا خیر کے کاموں میں صرف کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد ۴ صـ۳۵۱ میں لکھا ہے۔

غاصب | اگر کوئی شخص کسی شی کو بغیر مالک کی اجازت کے اس نیت کے ساتھ کہ اس سے اصل مالک کو مستقل یا عارضی طور سے محروم کرکے خود قابض ہوجائے

درمختار کتاب الوصایا میں ہے۔ وتجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذالک لا الزیادہ علیہ الا ان تجیز ورثتہ بعد موتہ

ایسا شخص غاصب کہلائے گا اور غاصب بمقابلہ اصلی مالک کے جائداد کے غاصبانہ قبضہ کے نتائج کا ذمہ دار رہے گا یعنی اگر وہ جائداد اس کے زمانہ قبضہ میں ضائع ہو جائے یا اس کو نقصان پہونچے خواہ اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہ ہو تب بھی وہ ذمہ دار رہے گا۔

اشخاص متوفی کے ورثاء کا نفقہ

متمول ورثاء کا نفقہ ہر وارث جو متمول ہو اس کا نفقہ اس کے حصہ سے ادا ہوگا یہ ایک شریعت کا مسلّہ قاعدہ ہے اس اصول کے تحت اگر ایک مالدار شخص وفات پا جائے اور اس کے ورثہ میں چند چھوٹے لڑکے ہوں تو ان کا نفقہ ان کے حصوں سے ادا ہوگا اسی طرح اگر ایک عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کا نفقہ شوہر کی جائداد سے ایصال نہیں ہوگا بلکہ بحیثیت وراثت جو حصہ عورت کو ہوپہنچتا ہے اس کے حصے سے اس پر نفقہ کی ادائی کا حکم ہوگا کیونکہ شوہر جیسا کہ اوپر تبلایا گیا ہے بوجہ وفات پا جانے نفقہ کی ادائی سے مستثنیٰ ہے خواہ زوجہ حاملہ ہی کیوں نہ ہو۔

اشخاص متوفی کے جائداد کی حفاظت جب کوئی شخص وصی مقرر کئے بغیر وفات پا جائے ایسی حالت میں قاضی کو اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ متوفی کے نابالغ پسماندگان کی حفاظت و نگرانی اور قرضوں کی ادائی وصایے کی اجرائی اور اس کی جائداد کی حفاظت کے لئے وصی مقرر کرے اور ان سب پر اپنی نگرانی رکھے۔

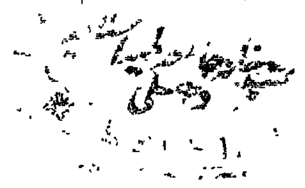
اشخاص نابالغ کی جائداد اور اس کی حفاظت کسی شہر میں قاضی کا تقرر نہ ہو اس شہر میں اگر بڑے بھائیوں نے اپنے چھوٹے بھائیوں پر یعنی نابالغ بھائیوں پر ان کے حصوں سے ان پر رقم بطور نفقہ خرچ کئے ہوں تو ان کا یہ عمل جائز نہ ہوگا کیوں کہ یہ ان کے حصوں کی رقم سے ان پر خرچ کرنے کے مجاز نہیں اور نہ

ان کی حیثیت وصی کی ہے اس لئے اگر چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائیوں کے مقابلے میں عدالت میں رجوع ہوں تو ان کا دعوی قابل قبول ہوگا اور اس سلسلے میں چھوٹوں پر بڑوں کا جو کچھ سلوک رہا۔ اس کو استحسان سمجھا جائے گا۔

اشخاص متوفیٰ اور ان کے ورثاء کا نفقہ اگر کوئی مالدار یا صاحب جائداد عورت فوت ہو جائے ورثہ میں چھوٹے لڑکے یا لڑکیاں ہوں تو چونکہ یہ متوفیہ کے وارث ہیں۔ اس لئے ان کا نفقہ ان کے حصص سے ادا ہوگا اور اگر ان بچوں کا محتاج باپ بھی ہو تو باپ کا نفقہ بچوں کے حصص سے ادا ہوگا خواہ بچے چھوٹے ہوں یا بڑے ہر حالت میں باپ کا نفقہ بچوں پر ہوگا و نیز باپ کے دوسری بیوی سے جو بچے ہوں ان کا نفقہ بھی ان ہی بچوں کے حصص سے ادا ہوگا اس لئے کہ باپ کے مفلسی کی حالت میں باپ کو بمنزلہ میت قرار دیا جائے گا۔ اس حالت میں ایک بھائی کا نفقہ خواہ وہ علاتی ہو یا حقیقی اس کے بھائی کے حصے سے ادا ہوگا۔

مفلس اقرباء کا نفقہ چند قیود کے ساتھ مفلس اقرباء بھی اپنے رشتہ داروں سے نفقہ پانے کے مستحق ہیں یہ حق صرف ان لوگوں کے مقابلے میں ہی جو محارم اور بلحاظ قرابت درجہ بدرجہ داخل ہیں جن کی چند صورتیں لکھی جاتی ہیں مفلس بہن کا نفقہ بھائی پر ہوگا اور بھائی ادائی نفقہ پر مجبور کیا جائے گا اگر بہن کے رہنے کے لئے وسیع گھر بھی ہو تو بھائی کو حق ہے کہ وسیع حصے سے باستثناء اس حصے کے جس میں بہن کو رہنے کا موقع ملے حصول نفقہ کے لئے باقی حصے کو فروخت کر کے اپنے نفس پر خرچ کرنے کی بہن کو ہدایت کرے۔

اگر ایک شخص وفات پائے ورثہ میں چھوٹے لڑکے باپ و زوجہ ہوں ایسی حالتیں بچے کا نفقہ دادا پر ہوگا کیوں کہ دادا کی حیثیت باپ کی سی ہوتی ہے ظاہر الروایہ کی بناء پر بحیثیت وراثت نفقہ قائم کیا جائیگا یعنی ایک ثلث ماں پر اور دو ثلث دادا پر ہونگے لیکن حسب رائے حضرت امام ابوحنیفہ رح کل نفقہ دادا پر ہوگا ایسی صورت میں بچے کی ماں مفلس ہو تو اسکے نفقہ کیلئے دادا مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اسلئے کہ محارم کا نفقہ واجب ہونے سے منفق (وارث) اسکے خدمتگاروں کے نفقہ پر مجبور نہیں ہوگا البتہ بچہ باپ اور اس کے خدمتگاروں کے نفقہ پر مجبور ہوگا۔



تاریخ طب یونانی میں حیرت ناک اضافہ

دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹڈ حیدرآباد دکن

بیس ہزار سکے سرمایہ سے قایم کر کے حکومت سرکار عالی میں تحت قانون رجسٹری کرائی گئی ہے۔ کمپنی کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ بڑے پیمانہ پر دیہات و قصبات اور جنگلوں سے جڑی بوٹیاں فراہم کرے۔ ضروری دوائیں مشینوں سے تیار کی جائیں۔ مختلف مقامات پر تجارتی دواخانے اور مطب قایم کئے جائیں۔ اور اس طرح دیسی دواؤں اور یونانی طریق علاج کو ترقی دیجائے۔

کمپنی کے حصص دس دس روپیہ کے ہیں ہر حصہ کی رقم ایک سال کے اندر چار قسط سے ادا کی جاسکتی ہے۔ ہر شخص عورت مرد بچہ بوڑھا کمپنی کے جس قدر چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ ہر سال کے اختتام پر کاروبار سے جو نفع ہوگا۔ وہ حصہ داروں کو تقسیم کیا جائیگا۔ اور ان کی رقم حصص کمپنی میں جمع رہیگی۔

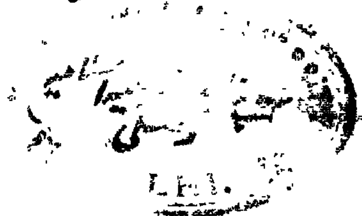
اگر آپ اس یقینی اور حد درجہ مفید کاروبار سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی درخواست بھیجکر حصص خرید لیجئے۔

کمپنی کے عملی کاروبار شروع ہوچکے ہیں نظام شاہی روڈ پر فروخت گاہ ادویات اور مریضوں کے علاج کے لئے تجربہ کار اطبا کو مقرر کر کے مطب قایم کردیا گیا ہے بتدریج ان کاروبار میں ترقی اور توسیع کی جائیگی اپنی طبی ضروریات کی تکمیل کیلئے اپنی کمپنی کو توجہ دلایئے۔

مرزا اینڈ انصاری منیجنگ ایجنٹس دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹڈ حیدرآباد دکن

مجلہ مستطاب

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار رسالہ



مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین

مولوی فاضل (نظامیہ)

شمس الاسلام پریس

١٣٦٠ھ

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض و مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی اور تمدنی مسایل کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ جلسے منعقد کرنا اور تحقیقاتی نتایج کو شائع کرنا۔

۳۔ ادارہ کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔

۴۔ جو اصحاب کم سے کم (عسہ) یکشت یا باقساط ادا کرینگے وہ رکن دوامی کہلائینگے اور ان کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلا قیمت ارسال کئے جائینگے و نیز مجلہ نظامیہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

۶۔ مجلہ نظامیہ دو جزماہانہ پر شایع ہوگا لیکن بوجہ گرانی جنگ ایک جز پر شایع ہوگا۔

۷۔ قیمت سالانہ سے رعایتی عہ

سکرٹری ادارہ ترقی تعلیم اسلامی حسینی علم حیدرآباد دکن سے مراسلت کیجائے

جلد (۵)	اردی بہشت سنہ ۱۳۳۵ف م صفر المظفر سنہ ۱۳۳۶ھ م مارچ سنہ ۱۹۱۹ع	عدد ۶

اصحاب محارم کے نام اجرائی نفقہ کے احکام

شریعت نے بیٹے پر ماں باپ دادا اور دادیوں کا نفقہ جبکہ یہ معذور ہوں واجب قرار دیا ہے اسی طرح محرم رشتہ دار جو محتاج اور کمانے سے عاجز ہوں ان کا نفقہ وارثوں پر بقدر وراثت قرار دیا ہے البتہ وہ معذور نہونے کی صورت میں ورثا ایصال نفقہ پر مجبور نہیں کئے جائینگے۔

نابالغ بچوں اور بچیوں کی صورت میں خواہ یہ بچے اور بچیاں معذور ہوں نگران کے نفقہ کی ادائی ماں باپ دادا اور نانا پر لازمی ہوگی چونکہ دادا اور نانا .... میں ابویت کی صفت شریک ہے اس لئے یہ سب ان بچوں کے ایصال نفقہ پر مجبور کئے جائینگے اور دادا کو نابالغ پوتے پر ولایت کا حق حاصل ہے اگر پوتا بالغ ہو معذور نہو ایسی صورت میں پوتے کا نفقہ دادا پر نہوگا البتہ پوتا معذور اور کسی کسب عمل پر قدرت نہ رکھتا ہو اس صورت میں پوتا حصول نفقہ کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کا کسب عمل پر قدرت نہ رکھنا بمنزلہ معذوری سمجھا جائیگا جو بچے طلب علم میں مصروف رہتے ہیں اور بوجہ مصروفیات علمی کسی کسب کے ذریعہ روزی کما نہیں سکتے ان کا نفقہ باپ پر ہوگا اور ان کی حالت طالب علمی معذوری سمجھی جائیگی اسی طرح لڑکیاں بھی جبکہ ناکتخدا ہوں ان کا نفقہ باپ یا ان کے محارم پر ہوگا۔

باپ کا نفقہ بیٹوں پر ہوگا اوپر تبلایا گیا ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے اگر باپ کو دو بیٹے ہوں اور یہ دونوں بقدر مراتب مالدار ہوں ایسی حالت میں بعض علماء کی رائے ہے کہ باپ کا نفقہ ان دونوں پر بلحاظ وسعت دولت ہوگا[۱] اور بعض کی رائے دونوں پر مساوی تقسیم کی ہے اسی پر علماء کا اتفاق ہے اگر ان میں سے ایک ایصال نفقہ سے انکار کرے تو اس صورت میں قاضی دوسرے کے نام باپ کے جملہ نفقہ کی اجرائی کا حکم دیگا اور دوسرے کو اجازت دیگا کہ وہ اپنے حصہ سے زاید جو کچھ خرچ کرے دوسرے بھائی پر لوٹ لے یہ اسلئے ہوگا کہ اگر باپ کو ایک ہی بیٹا ہونا تصور کیا جائے تو باپ کا نفقہ اسی ایک بیٹے پر واجب ہوگا اور یہ شریعت کا حکم ہے کہ باپ کے لئے اولاد ایصال نفقہ پر مجبور کیجائیگی۔

بیٹا اور بیٹی کی موجودگی میں باپ کے نفقہ کی تقسیم باپ کے ایصال نفقہ میں تقسیم کا عمل بلحاظ وراثت نہوگا

---

[۱] مبسوط جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے اس میں تفصیل سے ذکر ہے۔

بلکہ تقسیم کے وقت قرابت قریبہ کا لحاظ ملحوظ رکھا جائے گا اس لئے کسی تنگدست شخص کو لڑکا اور لڑکی ہو۔ ان دونوں میں ایصال نفقہ کی تقسیم مساوی ہوگی۔

تنگدست باپ اور اس کے چھوٹے لڑکوں کا نفقہ

اگر کوئی تنگدست ہو اور اس کے ساتھ چند حاجت مند نابالغ اولاد کے علاوہ ایک مالدار لڑکا بھی ہو ایسی صورت میں مالدار لڑکا اپنے باپ اور حاجت مند نابالغ بھائیوں یا بہنوں کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ باپ کی حالت تنگدستی میں باپ کی حیثیت مثل میت ہوگی اور مالدار بھائی پر تنگدست بھائیوں کا نفقہ لازمی ہوگا۔

علاتی ماں اور باپ کی ام ولد کا نفقہ کس پر ہوگا

اگر کوئی شخص مالدار ہو اور اس کو ایک علاتی ماں یا باپ کی ام ولد بھی ہو اس صورت میں مالدار شخص پر علاتی ماں اور باپ کی ام ولد کا نفقہ لازمی نہ ہوگا البتہ باپ کو خادمہ کی ضرورت ہو تو بوجہ ضرورت باپ کے خادمین کا نفقہ بیٹے پر ضروری ہوگا اس لحاظ سے علاتی ماں اور باپ کی ام ولد کا نفقہ مالدار بیٹے پر باپ کے خادمین کی حیثیت سے قرار دیا گیا ہے۔

زوجہ کے پہلے شوہر کے لڑکے پر کس حد تک ذمہ داری عاید ہوگی

زوجہ کا نفقہ زوج پر واجب ہے زوج اور زوجہ محتاج ہوں اور زوجہ کو پہلے شوہر سے ایک مالدار لڑکا ہو ایسی صورت میں بتلایا گیا ہے کہ اس مالدار لڑکے پر ضروری ہوگا کہ وہ قاضی کی اجازت سے اپنی ماں اور ماں کے شوہر پر بطور قرض خرچ کرے البتہ ماں کا شوہر نہ ہونے کی صورت میں ماں کا نفقہ بیٹے پر ہوگا

ایصال نفقہ کی مختلف صورتیں

شریعت نے محارم کے نام تقسیم نفقہ میں وراثت کا اصول ملحوظ نہیں رکھا بلکہ ہر صورت میں قرابت قریبہ کو ترجیح دی ہے اس قاعدے کے تحت اگر کسی شخص کے نواسا نواسی اور حقیقی بھائی سب کے سب مالدار (خوش حال) ہوں تو اس صورت میں شخص مذکور کا نفقہ نواسا اور نواسی پر ہوگا۔

اگر کوئی شخص معذور و محتاج ہو اور اپنے زیر پرورش نابالغ اولاد بھی رکھتا ہو۔ اور اس کو ایک مالدار بھائی بھی ہو ایسی صورت میں مالدار بھائی پر شخص مذکور اور اس کے تمام متعلقین کا نفقہ ہوگا اور وہ ایصال نفقہ پر مجبور کیا جائے گا۔

اگر ایک فقیر شخص اپنے بیٹے سے نفقہ طلب کرے جواب میں بیٹا خود کا تنگدست ہونا بتلائے اور باپ پر خرچ کرنے کی گنجائش کا نہ ہونا ظاہر کرے ایسی صورت میں قاضی بیٹے پر باپ کا نفقہ مقرر نہیں کریگا البتہ بیٹا کسی کام کے کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں اسکی آمدنی پر قاضی نگرانی قایم رکھے گا اور بعد نگرانی اس کی آمدنی سے اس کے ضروری خرچ کو منہا کر کے باقی حصے سے باپ کے نام اجرائی نفقہ کا حکم دیگا[1]

متمول ورثاء کی صورت میں بچوں کا نفقہ

شریعت نے تقسیم میں یہ قاعدہ مرتب کیا ہے کہ ورثا پر جب کسی کے نفقہ کی ادائی واجب ہو ایسی صورت میں تنگدست ورثاء کا شمار بوجہ عسرت استحقاق حق میں مثل میت متصور ہوگا اور ورثا متمول پر بقدر میراث نفقہ کی تقسیم عمل میں آئیگی لیکن تنگدست ورثا اظہار حصہ کے لئے مثل میت متصور ہونگے اس اصول کے تحت ذیل میں چند تمثیلات لکھی جاتی ہیں

(۱) اگر کسی بچے کی ماں بھائی اور دادا تینوں متمول ہوں ایسی صورت میں بچے کا نفقہ حسب رائے حضرت امام ابی یوسف اور حضرت امام محمد ماں پر ایک ثلث بھائی اور دادا پر ایک ایک ثلث ہوگا[2] اور حسب رائے حضرت امام ابو حنیفہ ماں پر ایک ثلث دادا پر دو ثلث ہوگا[3] ماں کے مفلسی کی صورت میں بچہ کا نفقہ بچہ کے بھائی اور دادا پر علی السویہ تقسیم ہوگا کیونکہ استحقاق حق کی صورت میں ماں کی حیثیت میت کے مانند قرار دیجائیگی۔

(۲) اگر بچہ کی ماں اور اس کے تین متفرق بھائی[4] مالدار ہوں ایسی صورت میں بچہ کا نفقہ ایک سدس ماں پر ایک سدس اخیافی بھائی پر اور چار سدس حقیقی بھائیوں پر تقسیم ہوگا کیونکہ بچہ کے فوت ہونے کی صورت میں بچے کی میراث اسی اصول پر تقسیم ہوگی۔

(۳) اگر بچہ کی ماں اور اس کے دو بھائی حقیقی اور علاتی مالدار ہوں اس صورت میں بحیثیت وراثت ماں پر ایک سدس اور حقیقی بھائی پر پانچ سدس نفقہ کی تقسیم ہوگی چونکہ علاتی بھائی بچہ کی وراثت میں محروم ہے اس لئے وہ نفقہ کی ذمہ داری سے مستثنی رہیگا

(۴) اگر کسی بچہ کو حقیقی بہن کے علاوہ علاتی اور اخیافی بہنیں ہوں ان میں ماں اور حقیقی بہن مالدار ہو اور علاتی و اخیافی بہنیں تنگدست ہوں اس صورت میں بچہ کا نفقہ ماں پر دو خمس حقیقی بہن پر تین خمس بقدر سہام ہوگا علاتی

---

[1] بعض علماء کی رائے ہے کہ اس صورت میں بیٹا متحمل ہو تو ہر حالت میں بیٹا باپ کے نفقہ پر مجبور کیا جائیگا اسی پر فتوی ہے۔
[2] حضرات صاحبین کی یہ رائے بربناء قول حضرت سیدنا زید رض ہے۔
[3] حضرت امام صاحب کی رائے بربناء قول حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ ہے۔
[4] متفرق بھائیوں سے مراد حقیقی علاتی اور اخیافی بھائیاں ہیں۔

اور اخیافی بہنیں نہ صرف عسرت کی وجہ سے بلکہ میراث میں محروم ہونیکی وجہ ادائی نفقہ کے عمل سے مستثنیٰ رہیں گی

(۵) کسی بچہ کی ماں تنگدست اور اس کے مقابلے میں حقیقی، علاتی، اور اخیافی خالائیں مالدار ہوں اس صورت میں بچے کا نفقہ بچے کی حقیقی خالہ پر ہوگا ماں بوجہ عسرت مثل میت قرار دیجائیگی علاتی اور اخیافی خالائیں بچے کی وراثت میں محروم الارث ہونے سے ادائی نفقہ میں مستثنیٰ سمجھی جائینگی البتہ بچے کی ماں کا نفقہ بقدر سہام اس کی حقیقی بہن پر تین خمس، علاتی اور اخیافی بہنوں پر ایک ایک خمس ہوگا متذکرہ صدر صورت میں اگر بچے کے بجائے بچی ہو تو ماں اور لڑکی کا نفقہ ماں کی حقیقی بہن (یعنی بچے کی حقیقی خالہ) پر ہوگا یہ امر واضح رہے کہ بیٹے کی موجودگی میں ماں کی وراثت کا عمل ہو تو ماں کی تمام بہنیں محروم ہو جاتی ہیں اور جب بیٹے کو بوجہ عسرت استحقاق حق میں مثل میت قرار دیا جائے تو ماں کی وراثت میں تمام بہنیں مستحق ہوں گی اس بناء پر ماں کی بہنوں پر بقدر سہام میراث کی تقسیم ہوگی اور استحقاق نفقہ میں تنگدست بہن کا نفقہ مالدار بہنوں پر ہوگا۔

لڑکی کی موجودگی میں جبکہ بہن کو میراث میں حق دیا گیا ہے ایسی حالت میں لڑکی کی حیثیت مثل میت قرار نہیں دیجائیگی بلکہ لڑکی کی موجودگی میں بچہ کی حقیقی خالہ مستحق حصول میراث ہوگی البتہ علاتی اور اخیافی خالائیں ادائی نفقہ سے مستثنیٰ متصور ہونگی۔ ان اصول کے تحت جو اشخاص تنگدست اور معذور ہوں ان کا نفقہ ان کے اصحاب ذوی الارحام پر ہوگا۔

بلوغ کے بعد بچوں کی نگرانی جب بچے بالغ ہو جائیں اور وہ بالکل ہوں (نیک کردار اچھے خصائل کے) ہوں تو بچوں کی نگرانی اور حفاظت کا تعلق باپ سے متعلق نہ رہے گا اور ایسے بالغ بچے باپ سے علٰحدہ رہنے کے مجاز ہونگے اگر باپ کو ان بالغ بچوں کے علٰحدہ رہنے میں خوف ہو تو دیانتہً ان پر اپنی نگرانی قایم رکھنے کا حق ہوگا تاکہ ان کو آیندہ کسی قسم کا کوئی ضرر نہ پہونچے بالغ ثیبہ لڑکی جبکہ اس کو محفوظ حالت میں رہنے کا یقین ہو اور باپ کو اس کی حالت سے اطمینان ہو ایسی صورت میں باپ کے لئے ضروری نہ ہوگا کہ وہ اپنی نگرانی اس پر قایم رکھے بصورت خوف لڑکی کو اپنی حفاظت میں رکھنے کا حق رکھے گا خواہ اس مسئلہ میں باپ اور بیٹی کے درمیان سخت اختلاف ہو جاسے ہر حالت میں بالغ لڑکی پر باپ کی نگرانی قایم رہے گا۔

باپ کی عدم موجودگی میں بھائیوں چچاؤں یا دیگر قرابتداروں کو بھی جبکہ یہ سب اچھے

عادات و نیک کردار کے حامل ہوں ان بالغ لڑکیوں پر نگرانی قایم رکھنے کا حق رکھینگے یا اگر قرابتداروں میں کوئی بھی ماموں نہوں اس صورت میں شریعت کا حکم ہے کہ نیک کردار اور دیندار عورتوں کی نگرانی اپنے پر قایم رکھیں تاکہ آرام اور حفاظت سے رہ سکیں [1]

والدین پر بچوں کے حقوق[2] بچوں کے حقوق باپ پر یہ ہیں کہ باپ بچہ کا نام اچھا رکھے اور ہو سکے تو ساتویں روز عقیقہ کرے جب (٦) سال کو پہونچے اس کا بچھونا علحدہ کر دے اچھی تعلیم و ترتیب دلانے کی سعی کرے علم دین کے ساتھ فوجی تعلیم (تیر وغیرہ چلانے کی تعلیم) بھی دلائے اور اس کے مال کی حفاظت کرے مالدار نہونے کی صورت میں جوان ہونے تک مال حلال سے ان کے حوایج ضروریہ کی تکمیل کرے اور جب سولہ سال کی عمر میں پہونچے تو اس کا نکاح کرا دے اور نکاح کے بعد اس سے مخاطب ہو کر اسطرح کہے تیری تعلیم و تربیت ہو چکی - اور نکاح بھی کرا دیا گیا اب میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اللہ مجھے دنیا میں تیرے فتنہ سے بچائے اور آخرت میں تیرے عذاب سے نجات دے ..... اسی طرح ماں پر یہ حق ہے کہ اس کی حالت درست رکھے اور باپ کے کم استطاعت ہونے یا انا نہ ملنے کی حالت میں اس کو دودھ پلائے (فتاوی نظامیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ بحوالہ احیاء العلوم غزالی)

امین کس حد تک اپنے افعال کا پابند رہے اس کے پہلے تبلایا گیا ہے کہ بحیثیت سے امین اشیاء امانت کا محافظ ہے تلف کی صورت میں کسی طرح ذمہ داری سے بری متصور ہو سکیگا البتہ آگ لگنے یا ڈوبنے کے خوف سے لینے پڑوسی کو یا دوسرے کنبہ والے کو سونپ دے تو بروقت تلف ضامن نہ ہوگا [3] (کنز الدقایق از کتاب الودیعۃ)

امین کس حد تک اشیاء امانت میں اپنے افعال کا پابند ہے ذیل میں چند صورتیں لکھی جاتی ہیں

(١) اگر امین جبکہ اسکے شہر میں قاضی موجود ہو بغیر اجازت قاضی اشیاء امانت مثلاً دودھ وغیرہ کو بوجہ فساد فروخت کر دے تو اس صورت میں امین اشیاء امانت کا ضامن ہوگا۔

(٢) قریہ جہاں قاضی نہ ہو بلکہ شہر میں قاضی کا وجود ہو لیکن اطلاع دینے سے پہلے اشیاء امانت کے تلف ہونے کا خوف ہو اس بناء پر اگر امین اشیاء امانت کو فروخت کر دے تو

---

[1] شرح نفقات صفحہ

[2] حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمه ویحسن موضعه ویحسن ادبه - اضربوا علی الصلوٰة لسبع واعزلوا فراشه لتسع وزوجه لست عشرة ان کان فاذا فعل ذالک فیجلسه بین یدیه ثم یقول لا جعلک علی فتنة فی الدنیا ولا فی الآخرة -

[illegible]

اس پر کسی قسم کا کوئی ضمان استحساناً [1] نہ ہوگا

(۳) دو آدمی حالت سفر میں ہوں ان میں سے ایک بے ہوش ہو جائے اور دوسرا اس کے مال سے جو اس کے ہاں موجود ہے اس پر خرچ کرے اس صورت میں خرچ کنندہ شریک پر استحساناً کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا جیسا کہ عبید یا ذوین [2] میں بتلایا گیا ہے جبکہ عبید یا ذوین ایک دوسرے شہر میں ہوں اور وہاں ان کو مولیٰ کے انتقال کی اطلاع پہونچے اور مولیٰ کے جائے انتقال پر پہونچنے کی غرض سے وہ جو کچھ مصارف ادا کریں بوجہ خرچ ان پر کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا

(۴) مسجد کے لئے جائداد اوقاف ہو لیکن اس کا کوئی متولی نہ ہو اس صورت میں اہل محلہ سے کسی نے مسجد کے لئے ضروری اشیاء مثل جانماز وغیرہ خرید سے عند اللہ اس پر کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا — مگر عدالت میں مقدمہ پیش ہونے کی صورت میں خرچ کنندہ قابل مواخذہ ہوگا -

(۵) حضرت امام محمدؒ نے ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے -

آپ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد کا انتقال ہوا اور شخص متوفی نے کسی کو وصی بھی مقرر نہیں کیا محمد بن حسنؒ نے ان کے کتابوں کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے تجہیز و تکفین کے مصارف ادا کیے جب ان سے ایسا کیوں کیا گیا پوچھا گیا تو جواب میں وَاللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ فرمایا اس قیاس پر وہ استحساناً ضمان سے مستثنیٰ رہینگے لیکن حکم میں ضامن ہونگے

(۶) متوفی کے بڑے عمر (بالغ) کے ورثا چھوٹوں (نابالغ) پر خرچ کر کے حلف کے ساتھ اس امر کا اقرار کریں کہ جو کچھ اب تک ان پر خرچ کیا گیا ان کے حصوں سے خرچ ہوا ہے اب ان کے پاس ان کے حصص کے بابتہ کسی قسم کی کوئی رقم واجب الادا نہیں ایسی حالت میں عند اللہ ان پر کسی قسم کا مواخذہ نہ ہوگا اور نہ وہ گنہگار رہینگے لیکن حکم میں جبکہ نابالغ لڑکے اپنے بڑے بھائیوں پر حصول متروکہ کا دعویٰ کریں تب ان کا دعوی قابل قبول ہوگا اور خرچ کنندہ اشخاص موجب مواخذہ ہونگے -

---

[1] استحسان کے لغوی معنی ترجیح دینا یا ایک شئی کو اچھا سمجھنے کے ہیں شریعت میں اس کا دوسرا نام قیاس خفی ہے اگر کوئی شخص مصلحت عام کے لحاظ سے شرعی احکام کے خلاف غور و خوض کے بعد ایسا حکم اختیار کرے جو انسانی فلاح و بہبود کے مقاصد کو پورا کرے فقہ کے اس اختیار استعمال کا نام شرع میں استحسان ہے (توضیح و تلویح جلد [illegible] صفحہ ۱۰۵) [2] جن غلاموں کے مالک اپنے غلاموں کو تجارت کے ذریعہ مالی تجارت کا حکم دے [illegible] تجارت کر سکتے ہیں ایسے غلاموں کو عبید یا ذوین کہتے ہیں [3] ادا [illegible]

(۷) وصی کو موصی کے قرض کا علم ہے وصی نے ورثاء موصی اور قاضی کے اطلاع کے بغیر موصی کے قرض کو ادا کر دیا ایسی صورت میں وصی عنداللہ ماخوذ نہ ہوگا لیکن حکم میں ضامن ہوگا
(۸) جو شخص اپنی امانت کو دوسرے کے پاس محفوظ کراتا ہے وہ مودع کہلاتا ہے
جب کوئی شخص کسی شئی کو بطور امانت کے دوسرے کے پاس رکھولے اور اسی مقدار میں مودع امین کا قرضدار ہو اگر ادائی قرض سے پہلے مودع وفات پا جائے اس صورت میں مودع کے اشیاء امانت کو جو مودع کے ذمہ واجب الوصول تھے اپنے قرض میں محسوب کرے تو اس کا یہ عمل جائز ہوگا خواہ امین اس کی اطلاع مودع کے ورثاء کو دے یا نہ دے ہر حالت میں امین کو محسوب کرنے کا حق رہے گا۔
(۹) اگر شخص متوفی کے ورثہ میں چھوٹے لڑکے یا لڑکیاں ہوں اور وصی بھی ہو ایسی صورت میں وصی کو ورثاء پر متوفی کے مال سے خرچ کرنے کا حق ہوگا البتہ وصی نہ ہونے کی صورت میں وصی کے تقرر کا حق قاضی کو حاصل ہے تاکہ وصی جائداد میت سے متوفی کے ورثاء پر بقدر حاجت خرچ کا انتظام کرے اور ضرورت پر وصی کو خدمتگاروں کے تقرر کا حق رہے گا۔
(۱۰) اگر کسی کے پاس از قسم جانور (گائے بکریاں) وغیرہ بطور امانت ہوں اور مودع غائب ہو جائے ایسی صورت میں اگر امین اپنے مال سے بلا اجازت قاضی اشیاء مودع پر نفقہ خرچ کریگا تو امین کی حیثیت متطوع کی ہوگی [۱]
خلاصہ یہ کہ اگر اشیاء امانت کی حفاظت میں خوف یا اس کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہو ہر حالت میں امین کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ قاضی عدالت کی اجازت سے اس کو فروخت کر دے کیونکہ قاضی غائب کا نائب ہوتا ہے اس لئے امین بصورت اجازت قاضی ضامن نہ ہوگا اجازت کے نہ ہونے کی صورت میں امین کا ہر عمل قابل مواخذ متصور ہوگا [۲]
اسلئے امین کیلئے ضروری ہوگا کہ اشیاء امانت تلف ہونے والے ہوں تو انکو احتیاط سے رکھے اور اگر ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو قاضی کی اجازت سے فروخت کر کے قیمت محفوظ رکھے یا مالک کو پاسے تو واپس کرے اور اگر مالک کے مرنے کی خبر ملے تو ورثہ کو تلاش کر کے بعد ادائی قرض اگر موصی ہو تو وصی کے ذریعہ

[۱] حاشیہ شرح کتاب النفقات صـ ۲۳ [۲] حاشیہ شرح کتاب النفقات صـ ۳۳

ورنہ حسب فرائض ورثاء پر تقسیم کرے بصورت ثانی یعنی اس کی کوئی خبر تلاش کے بعد معلوم نہ ہونے کی صورت میں مال کو محکمہ قضاء میں پیش کرے قاضی حسب احکام شریعت ورثاء پر تقسیم کا حکم دیگا۔[1]

طلاق اور خلع

جہاں شریعت نے نکاح کے ذریعہ دو مختلف اصناف میں صحبت جائز قرار دی ہے وہاں مرد کو بغیر کسی روک ٹوک کے معاہدہ نکاح کی تنسیخ کا اختیار بھی دیا ہے جو قید شریعت سے نکاح کے باعث ہوتی ہے اس کے دور کردینے کو طلاق کہتے ہیں شوہر یہ حق اس وقت تک استعمال نہیں کرسکتا جب تک وہ بالغ اور عاقل نہو

اس میں شک نہیں اسلام نے مرد کو تنسیخ نکاح کا کامل اختیار دیا ہے لیکن یہ بھی تاکید کی ہے کہ وہ اس اختیار کو بلا شدید ضرورت کے استعمال نہ کرے اور جب تک معقول وجہ نہو اسوقت تک معاہدہ نکاح کو منسوخ نہ کرے

ایک حدیث میں طلاق کو ابغض المباحات[2] بتلایا گیا ہے یعنی جن امور کی شرع اجازت دیتی ہے ان میں سب سے زیادہ مکروہ اور برا فعل طلاق ہے۔

دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو عورت بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے[3] (رواہ احمد و ترمذی و ابی داود و ابن ماجہ)

اگر زن و شوہر میں ناموافقت پیدا ہوجائے اور اس کا علاج سوائے تنسیخ کے اور کچھ نہو ایسی صورت میں مرد کو چاہیئے کہ نہایت احتیاط اور کامل غور و خوض کے بعد بغیر عجلت اور غصے کے اس اختیار کو استعمال کرے جنکی چند صورتیں یہ ہیں۔

(۱) اس زمانے میں جبکہ عورت پاک و صاف ہو اور مرد اس کے ساتھ مجامعت کرسکتا ہو اس وقت صرف ایک دفعہ طلاق دیجائے طلاق کے الفاظ دہرانے کے بعد تین مہینے تک مرد ہم بستری نہ کرے یہ صورت بہت ہی معنی خیز ہے اس عرصے میں مرد کو سوچ بچار کا موقع ملتا ہے اگر مرد غصے کی حالت میں یا کسی وجہ سے دیا ہے تو اس مدت کے اندر طلاق واپس لے سکتا ہے ایسی طلاق احسن کہلائے گی۔

---

[1] فتاویٰ نظامیہ جلد ثانی صفحہ ۲۴۴ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ [2] کتاب الآثار صفحہ ۱۲۸ [3] رواہ ابو داود

(۲) جب عورت طاہرہ ہو ہر مہینے میں ایک طلاق دیجائے آخری طلاق کے بعد وہ قطعی ہوجائیگی
اس صورت میں بھی مرد کو غور کرنے کا کامل موقع ملتا ہے یہ طلاق حسن اور سنی کہلائیگی
یہ دو نو طریقے جو رجعی کہلاتے ہیں یعنی ایام عدت کے اندر شوہر طلاق کو واپس لیکر تعلقات
زوجیت کو دوبارہ قایم رکھ سکتا ہے اور بعد ختم عدت جدید عقد کے ذریعہ بھی قایم رکھ سکتا ہے
مسنون اور مطابق شریعت ہیں ان کے سوا

(۳) تیسرا طریقہ جو وقت واحد میں تین دفعہ طلاق کے الفاظ دُہرانے کا ہے شریعت
نے اس کو مکروہ اور ناپسند سمجھا ہے اس صورت میں فریقین دوبارہ نکاح کو قایم نہیں رکھ سکتے
اگر ایسا کرنا چاہیں تو صرف ایک صورت یہ ہوگی کہ عورت ایک غیر مرد کے ساتھ نکاح کرے اور
وہ شخص ہم بستری کے بعد اس عورت کو طلاق دیدے اس وقت سابقہ خاوند بعد ایام عدت
نکاح کر سکتا ہے اس عمل کا نام طلاق بائن ہے یہ قاعدہ شریعت نے خاص مفاد کو پیش نظر
رکھکر وضع کیا ہے جو بے انتہا فائدہ مند ہے تاکہ مرد اپنے اختیار کو بے سر و پا استعمال نہ کرے
اس شرط کے قایم ہونے سے سب سے بڑا فائدہ طلاق کا سد باب کرنا بھی ہے۔

اگر مرد طلاق بائن میں تین بار طلاق کے الفاظ نہ دُہرائے بلکہ مرد عورت کو کہے کہ تجھ پر
ایک طلاق بائن ہے ایسی صورت میں شریعت نے پھر مرد کو اس امر کا اختیار دیا ہے کہ
وہ اندرون یا ختم عدت کے بعد دوبارہ جدید عقد کے ذریعہ تعلقات زوجیت کو قایم رکھ سکے
جیسا کہ اذا کان الطلاق بائنا دون الثلث فله ان ینکحها فی العدة وبعد انقضائها[1]
میں بتلایا گیا ہے اور ایک دوسرے مقام پر علما کا وینکح مبانة بما دون الثلاث فی العدة
وبعدها بالاجماع ـ اتفاق ہے[2]

خلع | تنسیخ نکاح کی ایک صورت جو شوہر کے کامل اختیار میں ہے وہ طلاق ہے اس کے
علاوہ ایک صورت علحدگی کی خلع ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ عورت کو علحدگی کی خواہش ہو
تو مہر معاف کرکے یا اور کوئی چیز عوض میں دیکر شوہر سے طلاق حاصل کرے اس طرح تنسیخ
نکاح کے عمل کو شریعت نے خلع کہا ہے حکم یہ ہے کہ اگر زیادتی مرد کی ہے تو وہ عورت سے
کوئی معاوضہ نہ لے اور اگر عورت کی زیادتی ہے تو مرد کو معاوضہ لینے کا بھی حق ہے صورت

---
[1] از فتاوی عالمگیری جلد ۲ باب الرجعة (۲) در مختار برحاشیہ رد المحتار جلد ۲ باب الرجعة

میں مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کی خواہش خلع کو قبول یا رد کرے لیکن عورت شوہر کے مظالم سے تنگ آئے اور اس کی یہ کیفیت اندیشہ ہلاکت یا اندیشہ خرابی عصمت تک پہونچ جائے[1] اس صورت میں حاکم عدالت پر فرض ہوگا کہ عورت کو ظالم شوہر کے ظلم سے بچائے اور ظالم شوہر سے اس کی رضامندی یا جبر کے ذریعہ طلاق دلوائے[2] اگر اس پر بھی ظالم ظلم سے باز نہ آئے تب تنسیخ نکاح کے لئے قاضی ان صورتوں پر عمل کرے گا

(۱) پہلی صورت یہ ہوگی کہ تنسیخ نکاح کے مقدمہ کو مالکی مذہب کے قاضی کے پاس منتقل کردے گا تاکہ وہ اپنے مذہب کی بنا پر تنسیخ نکاح کا حکم جاری کرے[3]

(۲) دوسری صورت یہ ہوگی کہ ایسی ضرورت شدیدہ میں حنفی قاضی کو دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی اور یہ اجازت اتباع ہوی کی بنا پر نہیں بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے متصور ہوگی اسی بنا پر علماء نے اہل فتوی کو مذہب غیر پر فتوی دینا جائز قرار دیا ہے[4]

(۳) مالکی مذہب کے لحاظ سے ایسا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش ہو سکے گا اور یہ اصحاب بعد ثبوت شرعی شہادت کے عورت کا دعویٰ اگر صحیح ثابت ہو تو شرعی قاعدہ کے مطابق تفریق کا حکم دینے کے مجاز ہوں گے۔ لیکن کسی صورت میں غیر مسلم کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا یہاں تک کہ مقدمہ کی روداد غیر مسلم حاکم لکھے اور فیصلہ مسلمان حاکم لکھے یا اس کے بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا[5]

جس جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو ان تمام صورتوں میں مالکی مذہب کے مطابق دیندار مسلمانوں کی پنچایت فیصلہ تفریق کی مجاز ہوسکیگی اور ایسا فیصلہ قضائے قاضی کے قائم مقام ہوگا[6]

یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق تفریق نکاح کا حق استعمال کرتے وقت

---

[1] ضرورت سے مراد وہ ضرورت ہوگی جس کو علماء اور اہل بصیرت ضرورت محسوس کریں جیسا کہ الاشباہ والنظائر جلد ا قاعدہ بحوالہ فتح القدیر میں بتلایا گیا ہے [2] درمختار و ردالمحتار جلد ۲ باب الظہار صفحہ ۷۶۵ [3] ردالمحتار کتاب المفقود جلد ۳ صفحہ ۳۳۲

[4] شفاء العلیل جلد (ا) صفحہ (۱۶۳) وعقود رسم المفتی صفحہ (۳۵) از علامہ شامی ردالمحتار جلد (۳) کتاب المفقود صفحہ ۳۳۲

[5] لان الکافر لیس باھل للقضاء علی المسلم (۶) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بحوالہ شرح الدردیر جلد صفحہ (۲۸۶) وان لم یجد قاضی حیثیت فی الرفع للوالی والساعی فان رفعت لجماعۃ المسلمین مع وجودھا فاذا ظاہر الیہ نہ سا ... طرح تعدد جماعت کے متعلق لکھا ہے کہ جماعت تین اصحاب پر مشتمل ہو۔

حاکم کیلئے ضروری ہوگا کہ اس کی سب شرطیں مذہب مالکیہ کے موافق لئے جائیں کیونکہ اس مذہب کے احکام کے لحاظ سے قاضی کیلئے عادل ہونا شرط ہے اسلئے غیر عادل کا حکم نافذ نہ ہوگا اور حنفی مذہب کے لحاظ سے قاضی کا عادل ہونا شرط کے درجہ میں نہیں ہے اس لئے جماعت مسلمین میں دیندار پنچایت کی ازحد ضرورت ہوگی۔

عدل سے مراد وہ شخص ہے جو فاسق نہ ہو یعنی گناہ کبیرہ سے مجتنب ہو اور صغائر پر بھی نہ ہو سود یا رشوت نہ لیتا ہو داڑھی نہ منڈھواتا ہو نماز کا پابند ہو ایسا شخص جماعت مسلمین کی پنچایت کا رکن ہو سکے گا اور ایسی ہی جماعت حق تنسیخ نکاح کے استعمال کی مجاز ہوگی اور اس قسم کی پنچایت کا وہی فیصلہ معتبر ہوگا جو باتفاق ہو کثرت رائے کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اس کے معتبر ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور بغیر دلیل کے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا[1] البتہ کسی عدالت کا مسلمان حاکم اس قسم کے مقدموں کو چند دیندار اہل علم کی پنچایت میں منتقل اور ان کے فیصلہ کو نافذ کرنے کا ارادہ کرے تو ایسا فیصلہ صحیح اور جاری ہو سکے گا۔

تفویض طلاق تنسیخ نکاح کی ایک تیسری شکل یہ بھی تبلائی گئی ہے کہ نکاح کے وقت اگر مرد اپنے حق طلاق کو عورت یا امام المسلمین یا اسلامی پنچایت کے سپرد کرے تو فقہا نے اس عمل انتقال کو جائز قرار دیا ہے اسلئے اس عطاء اختیار کا نام شریعت میں تفویض ہوگا۔

ایسی صورت میں مرد کے لئے ضروری ہوگا کہ ترتیب معاہدہ تفویض طلاق کے وقت نہایت غور و خوض اور اہل علم و فہم سے مشورہ کرے اور معاہدہ تفویض وقوع طلاق کے وقت معافی مہر کا اضافہ کرلے

معاہدہ تفویض طلاق کی ترتیب اور اس کی اجرائی تفویض طلاق کی شکل ایک معاہدہ کی ہے اور معاہدہ کی تکمیل جائز ہے اس لحاظ سے ان عورتوں کو جو شوہر کے مظالم سے تنگ آ گئے ہوں اور اس کی رہائی سوائے علٰحدگی کے اور کچھ نہ ہو ایسی شدید ضرورت میں کسی دوسرے مذہب پر تنسیخ نکاح کے عمل میں نہ صرف دشواریاں ہیں بلکہ قوی تعصان کا احتمال ہے عہد حاضرہ میں اگر مسلمان حاکم بھی فیصلے کیلئے منتخب ہو اس پر حنفی یا مالکی مذہب کے اعتبار سے اس پر قضائے قاضی کی تعریف صادق نہیں آتی اس کے سوا ضرورت شدید اندیشہ ہلاکت کی تحقیق کا ذریعہ اسوقت لیڈی ڈاکٹر کی تحریر ہے جو کسی طرح قابل اعتبار نہیں

---

[1] قال صاحب الهداية لو حكما رجلين لابد من اجتماعهما لانه امر يحتاج فيه الى الرأي وفي شرحها النهاية

ان خطرناک حالات کا اعتبار کر کے اگر تفویض طلاق کے قاعدے کو چند شروط کے ساتھ جاری کیا جائے تو فقہ حنفی کی رو سے عورت بوقت ابتلا ظالم کے ظلم سے نجات پا سکے گی۔

حیدرآباد ایک اسلامی سلطنت ہے اور حیدرآباد میں عدالتیں موجود ہیں جن کے حکام اکثر مسلمان ہیں لیکن ان سب پر قاضی شرعی کی تعریف صادق نہیں آتی تاہم یہ لازم کیا جا سکتا ہے کہ ایسا مسلمان حاکم ہر معاملہ میں علماء سے فتویٰ حاصل کر کے فیصلہ تفریق جاری کیا کرے اور یہاں اس امر کا بھی امکان ہے کہ موجودہ ضابطہ فوجداری کے لحاظ سے کسی پر شرعی جبر کا امکان ہو تو کم از کم ایک مالکی شخص قاضی منتخب ہو سکتا ہے ایسی صورت میں مالکی قاضی اپنے مذہب کے موافق تنسیخ نکاح کے احکام اجرا کر سکے گا لیکن ہندوستان میں اس قسم کی سہولتوں کا پیدا ہونا ناممکن ہے اس لئے جہاں بھی اس قسم کی صورتیں پیدا ہوں وہاں تفویض طلاق کے قاعدہ کو جاری کرنا بہتر ہوگا حیدرآباد کے حد تک مروجہ کابین نامے میں ایک خانہ تفویض طلاق کا بڑھا دیا جائے تو تمام مشکلات جو اس وقت پیش آ رہی ہیں بلا تقرر قاضی آسانی سے رفع ہو جا سکتی ہیں۔

زوجہ متعنت[1] اور اسکے نفقہ کا نظم | شوہر باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان و نفقہ ادا نہ کرتا ہو ایسی صورت میں عدالت کیلئے ضروری ہوگا کہ اولاً شوہر سے خلع دلوائے اور اگر کوئی صورت خلع کی ظاہر نہ ہو سکے تو سخت مجبوری[2] کی حالت میں حسب مذہب امام مالکؒ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کو تفریق نکاح کا حق حاصل رہیگا اسمیں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی ضرورت نہیں ہوگی

زوجہ غائب کے احکام | شوہر غائب ہے اور اس کا پتہ بھی معلوم ہے لیکن وہ خود آتا ہے اور نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اور نہ اس کے اخراجات کا انتظام کر سکتا ہے ایسی صورت میں تبلایا گیا ہے کہ خاوند کو خلع پر راضی کیا جائے اور اگر وہ راضی نہ ہو اور عورت کے اندیشہ ہلاکت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو ایسی صورتوں میں مذہب مالکیہ کے موافق بعد ثبوت جبکہ عورت کی خواہش تفریق کی ہو تو قاضی اسلام یا اس کے قائم مقام

---

[1] متعنت اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان و نفقہ کو ادا نہ کرے
[2] مجبوری کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے یعنی نہ تو کوئی شخص عورت کے خرچ کا ذمہ دار ہو کر تا ہو اور نہ خود عورت ضبط و آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو دوسری صورت مجبوری کی یہ ہو کہ اگرچہ سہولت یا بوقت خرچ [illegible]

تفریق کا حکم دینے کے مجاز ہونگے[۱]

زوجہ متعنت کی تفریق اور تنسیخ نکاح کے بعد اندرون عدت شوہر اپنی حرکت سے باز آجائے اور زوجہ کے حقوق ادا کرنے پر رضا مند ہو تو اس کے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس تفریق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے اور اندرون عدت رجعت کو صحیح سمجھا جائے دوسرا یہ کہ طلاق بائنہ قرار دیا جائے اور رجعت کا حق خاوند کو نہ دیا جائے۔

احتمال اول کی بناء پر یہی فتوی ہے کہ تعنت سے باز آنے کی صورت میں عورت کو اس کے پاس رہنا ہوگا خواہ عورت راضی ہو یا نہو کیونکہ رجعت میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں احتیاطاً تجدید نکاح ہو جائے تو بہتر ہے اور دوسری صورت میں خاوند کو رجعت کا حق نہوگا اور یہی حال ختم عدت کے بعد کا ہے البتہ تراضی طرفین سے دوبارہ نکاح قائم ہو سکتا ہے

زوجہ غائب کے متعلق بھی یہی بتلایا گیا ہے کہ اگر شوہر غائب اندرون عدت واپس ہو کر حقوق زوجہ ادا کرنے پر آمادہ ہو تو اس کو رجعت کا حق ہوگا اور اگر وہ رجعت نہ کرے تو عدت کے بعد نکاح ٹوٹ جائے گا اور اگر شوہر غائب ختم عدت اور زوجہ کے عقد ثانی کے بعد آئے اور عورت کے دعوی فسخ نکاح کو غیر صحیح ثابت کرے تو اس صورت میں اس کو عورت ملجائیگی خواہ اس مرتبہ دوسرے شوہر سے اولاد بھی پیدا ہو چکی ہو تب بھی شوہر اول ہی کا نکاح باقی سمجھا جائے گا البتہ اس صورت میں عورت کو ایام عدت کے گزارنے کی ضرورت ہوگی شوہر اول کو تجدید نکاح و تجدید مہر کی ضرورت نہو گی شوہر ثانی کے لئے ضروری ہوگا کہ خلوت صحیحہ ہونے کی صورت میں پورا مہر ادا کرے ورنہ مہر ساقط متصور ہوگا[۲]

مطلقہ عورتوں کا نفقہ

اگر کوئی شخص اپنی عورت کو تین طلاق یا طلاق بائن دے تو ایسی صورت میں مطلقہ عورت کا نفقہ اور مقام سکونت کا انتظام حسب رائے حضرت امام ابی حنیفہؒ ختم عدت تک شوہر کے ذمہ ہوگا خواہ مطلقہ حاملہ یا غیر حاملہ ہو حمل کی صورت میں تا وضع حمل نفقہ عدت کی اجر[illegible] ہوگی حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف حاملہ عورتیں وضع حمل تک مستحق حصول نفقہ عدت ہیں۔

---

[۱] الحیلۃ الناجزۃ صـ۳۰ و ۶۲ [۲] الحیلۃ الناجزۃ صـ۶۳ و ۶۶ و ۱۵)

شریعت میں وضع حمل کی آخری مدت جو باتفاق طے ہوئی وہ دو سال کی ہے اگر کوئی حاملہ مطلقہ عورت حصول نفقہ کی درخواست کرے اس کے نام تا وضع حمل دو سال تک نفقہ جاری رہے گا اس مدت کے ختم کے بعد اگر وضع حمل ہو یا نہ ہو ہر صورت میں نفقہ مقررہ ساقط ہوگا اس مدت کے ختم کے بعد وہ آئسہ متصور ہوگی اور یہاں سے عدت کی مدت تین ماہ قرار دی جائیگی اگر اس عرصہ میں عورت حائضہ ہو جائے تب عدت کا شمار زمانہ حیض سے شروع ہوگا یعنی تین حیض تک جو اس کی مدت عدت ہے حصول نفقہ کی مستحق ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی نابالغ عورت کو جس کو حیض نہ آتا ہو باوجود استفادہ کے طلاق دیدے اور تین ماہ تک جو اس کی مدت عدت ہے نفقہ عدت ادا کرتا رہے ایام عدت میں نابالغ مطلقہ عورت بلوغیت پر پہونچ جائے ایسی صورت میں اس کی عدت تین حیض قرار پائیگی اس لئے یہ تین طہر تک نفقہ عدت حاصل کرنے کی مجاز ہوگی۔

جو عورتیں مختلعہ اور مبارئہ ہوں[1] ان کے لئے نفقہ عدت اور مقام سکونتی شوہر پر لازم ہوگا اگر کوئی عورت بوقت وقوع خلع مقام سکونتی سے دست بردار ہو جائے اس کی یہ برأت صحیح نہیں ہوگی اس لئے کہ نفقہ مختلعہ کا حق ہے اور مقام سکونتی (سکنی) شریعت کا حق ہے وہ اپنے حق سے دست بردار ہو سکتی ہے لیکن حق شرع سے دست برداری کی شرط صحیح کبھی نہیں جائیگی۔ اس صورت میں شوہر کے لئے مناسب ہوگا کہ اگر وہ گھر اس کا ذاتی ہے تو خود وہاں سے علحدہ ہو جائے اور ایام عدت تک اس کو وہاں رہنے دے اور اگر وہ گھر کرایہ کا ہے تو اس کا کرایہ ادا کرے زیادہ بہتر ہوگا کہ زوجہ مختلعہ کو اس گھر میں رہنے دے جہاں وہ بزمانہ نکاح رہا کرتی تھی اور یہی صورت بائنہ عورتوں کی ہے

طلاق رجعی کی صورت میں شوہر پر زوجہ مطلقہ کا سکنی اور نفقہ کی ادائی لازمی ہے اس کے متعلق تبلایا گیا ہے کہ عورت کو اس مکان میں رہنے دیجے جہاں وہ بزمانہ نکاح رہا کرتی تھی اس مکان سے اس کی علحدگی نامناسب تبلائی گئی ہے اگر طلاق رجعی کی حالت میں کوئی عورت اپنے شوہر کے لڑکے سے زنا میں مرتکب ہو جائے تو شوہر پر ایسا نفقہ کا لزوم نہیں ہوگا اس کے پہلے یہ تبلادیا گیا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کے لڑکے سے زنا میں مرتکب یا

---

[1] جو عورتیں شوہر سے خلع لیتی ہیں ان کو مختلعہ کہتے ہیں اور جن کو ان کے شوہر طلاق دیا ہو وہ مبارئہ ہیں [illegible]

اس کو شہوت سے دیکھے تو ایسی عورت کسی نفقہ کی مستحق نہ ہوگی ارتکاب عمل کا ابتدائی وقوع شوہر کے لڑکے سے ہونے کی وجہ سے نفس فعل موجب معصیت ہوگا لیکن عورت ایام عدت کے نفقہ کی مستحق ہوگی

ایام عدت میں اگر مطلقہ بائنہ مرتد ہوجائے تو بصورت ارتداد شوہر سے نفقہ کی ادائی کا لزوم اٹھ جائے گا۔

شوہر کے لڑکے سے ہم بستری کی صورت میں اور اس بائنہ مرتدہ کی صورت میں یہ فرق ہوگا کہ یہ دونوں صورتیں موجب معصیت ضرور ہیں لیکن پہلی صورت میں معصیت وقوع میں جو آئی اس کی ابتدا عورت کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ زوجہ شوہر کے لڑکے کی طرف سے اس لئے وہ باوجود معصیت کے مستحق نفقہ ہوئی اور ارتداد موجب معصیت ہے لیکن ارتداد میں قید کا حکم شریعت کا حق ہے ایسی حالت میں شوہر سے نفقہ عدت ساقط ہوجائے گا اس لئے ایسی مطلقہ مرتدہ عورتوں کا نفقہ عدت ان کے شوہروں پر نہیں ہوگا۔

لعان[1] اور شوہر کے عنین ہونے کی صورت میں زوج اور زوجہ کے درمیان تفریق ہوجائیگی لیکن زمانہ عدت کا نفقہ اور سکنی ان کے شوہر پر ہوگا۔

اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے نفقہ طلب کرے اور قاضی کے سامنے شوہر نے کہا کہ ایک سال کا عرصہ ہوتا ہے میں نے اس کو طلاق دیدیا ہے اور اب عدت کی مدت بھی ختم ہوچکی ہے جواب میں عورت نے قول طلاق سے انکار کی ایسی صورت میں شوہر کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ شوہر نے بدنیتی سے زوجہ کے نفقہ کو ضائع کرنے کے لئے طلاق کا عذر پیش کیا ہے شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں شہادت لسانی پیش کرے اگر قاضی شہود سے ناواقف ہو اور عورت طالب نفقہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی نفقہ مقرر کرنے کا مجاز ہوگا۔

---

[1] لغت میں لعان کے معنی آپس میں لعنت کرنے کے ہیں اور شریعت میں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگائے تو اس صورت میں قاضی کیلئے ضروری ہوگا کہ شوہر اور بیوی ہر دو سے چار چار مرتبہ شرعی طور پر حلف لے اور اگر عورت حلف سے انکار کرے تو اس کو قید کا حکم دیا جائیگا زنا کے اقرار کی صورت میں عورت حد زنا کی مستوجب ہوگی اسی طرح مرد حلف سے انکار کرے تو وہ بھی قید کیا جائیگا (اگر وہ جھوٹ کہا تھا تو اس کو گالی کی سزا دیجائیگی بہرحال لعان کی صورت میں زوج اور زوجہ سے حلف کے بعد قاضی تفریق کا حکم دے سکیگا اس کے متعلق قرآن میں نص قطعی موجود ہے ملاحظہ ہو آیت سورہ نور پارہ ۱۸ لیکن عدالت العالیہ حیدرآباد دکن میں مقدمہ شیخ کریم بنام حاجی بی بی میں حلف شرعی کو قانون انسانی قرار دیا گیا اور بلا حلف کے تفریق کرادی گئی ہے جو احکام شریعت کے [illegible]

کیونکہ عدالت نفقہ مقرر کرتے وقت اس نتیجہ پر پہونچی کہ شوہر سے اس وقت طلاق کا ظہور یقین سے ہو رہا ہے اسلئے قاضی تا تصفیہ اہلیت شوہر نفقہ مقرر کرنے کا مجاز ہوگا اگر قاضی کی تحقیقات میں نہ صرف شوہر کی اہلیت بلکہ عورت کا حائضہ ہونا بھی ثابت ہو جائے ہر حالت میں عدالت زوجہ مطلقہ کو واپسی نفقہ محصلہ کا حکم دیگی - کیونکہ اس صورت میں عورت نے بلا کسی وجہ شرعی کے نفقہ حاصل کی ہے -

طلاق رجعی کی حالت میں زوجہ شوہر سے نفقہ عدت اور سکنی حاصل کرنے کی مجاز ہے اگر زمانہ عدت میں عورت اپنے شوہر کے لڑکے سے زنا یا اس کے ساتھ اسباب شہوت میں مبتلا ہو جائے تو نفقہ عدت کے حصول سے محروم ہو جائیگی -

نکاح باطل میں نفقہ کی اجرائی | جو نکاح محارم سے ہو وہ نکاح باطل متصور ہوگا اور شریعت اسلام کے لحاظ سے منکوحہ محرمہ کسی قسم کے حصول نفقہ کی مستحق نہ ہوگی اسی طرح اگر کوئی شخص ایک عورت سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد زوجہ شوہر سے نفقہ حاصل کرتی ہے اس اثنا میں دو گواہوں نے اس امر کی شہادت دی کہ زوجہ زوج کی رضاعی بہن ہے بعد ثبوت اہلیت قاضی کے ذریعہ ان دونوں میں تفریق کرا دیجائیگی اور جو کچھ شوہر کی جانب سے زوجہ پر خرچ کیا گیا ہے اس کو واپس لینے کا شوہر کو حق رہے گا [1]

باطل نکاح میں شرع نے زوج اور زوجہ ہر ایک کو یہ حق دیا ہے کہ بدوں اجازت و حاضری دوسرے اس نکاح کو فسخ کرے اور علٰحدہ ہو جائے [2]

ضروری مسائل اور ان کا حل | (۱) ماں کے مطلقہ ہونے سے اولاد باپ کے متروکہ سے محروم نہیں ہوتی (از فتاوی نظامیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۲) (۲) شوہر کے انتقال کے بعد زوجہ کا نفقہ شوہر کے ورثا پر واجب نہیں بلکہ اسکا نفقہ بیت المال سے ادا ہوگا (۳) بیٹے پر باپ کے انتقال کی وجہ سے باپ کی دوسری منکوحہ (جو بیٹے کی علاتی ماں ہوتی ہے) کا نفقہ لازمی نہیں (۴) زوجہ مرض کی وجہ سے نفقہ شرعیہ سے محروم نہیں ہو سکتی اور نہ دونوں کو یہ حق ہے کہ مرض کی وجہ سے فسخ نکاح کریں (۵) اگر شوہر غیر کی ملک غصب کر کے اسمیں رہتا ہو اور زوجہ کو اس مکان میں رہنے کیلئے کہے مگر عورت اسمیں رہنے سے انکار کرے ایسی صورت میں زوجہ کو مستحق نفقہ بتلایا گیا ہے -
(فتاوی عالمگیری جلد اول باب النفقات)

---

[1] شرح نفقات صفحہ [illegible] و مقدمہ شوہری بنام حافظ ظہور علی میں بیان کیا گیا ہے کہ مدعیہ اور مدعی علیہ کے درمیان رضاعی تعلق ہے اور یہ ایسا تعلق ہے جسے بذریعہ شہادت شرعیہ ثابت کیا جا سکتا ہے ایسی صورت میں نکاح بالکلیہ باطل ہو جاتا ہے اور ممکن الانفساخ ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا وہ ابتدا ہی سے کالعدم ہے اسلئے [illegible]

تاریخ طب یونانی میں حیرت ناک اضافہ

دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ حیدرآباد دکن

بیس ہزار کے سرمایہ سے قایم کر کے حکومت سرکار عالی میں تحت قانون رجسٹری کرائی گئی ہے۔ کمپنی کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ بڑے پیمانہ پر دیہات و قصبات اور جنگلوں سے جڑی بوٹیاں فراہم کرے۔ ضروری دوائیں مشینوں سے تیار کی جائیں۔ مختلف مقامات پر تجارتی دواخانے اور مطب قایم کئے جائیں۔ اور اس طرح دیسی دواؤں اور یونانی طریق علاج کو ترقی دیجائے۔ کمپنی کے حصص دس دس روپیہ کے ہیں ہر حصہ کی رقم ایک سال کے اندر چار قسط سے ادا کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص عورت مرد بچہ بوڑھا کمپنی کے جس قدر چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ ہر سال کے اختتام پر کاروبار سے جو نفع ہوگا۔ وہ حصہ داروں کو تقسیم کیا جائیگا۔ اور ان کی رقم حصص کمپنی میں جمع رہیگی۔ اگر آپ اس یقینی اور حد درجہ مفید کاروبار سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی درخواست بھیجکر حصص خرید لیجئے۔

کمپنی کے عملی کاروبار شروع ہو چکے ہیں نظام شاہی روڈ پر فروخت گاہ ادویات اور مریضوں کے علاج کے لئے تجربہ کار اطبا کو مقرر کر کے مطب قایم کردیا گیا ہے۔ بتدریج ان کاروبار میں ترقی اور توسیع کی جائیگی اپنی طبی ضروریات کی تکمیل کیلئے اپنی کمپنی کو توجہ دلائیے۔

مرزا اینڈ انصاری مینجنگ ایجنٹس دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ حیدرآباد دکن

مجلّہ مناظرات

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار رسالہ



مرتبہ
ابوالخیر کنج نشین
مولوی فاضل نظامی

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض

و

مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی اور تمدنی مسایل کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ جلسے منعقد کرنا اور تحقیقاتی نتایج کو شائع کرنا۔

۳۔ ادارہ کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔

۴۔ جو اصحاب کم سے کم (عـہ) یکشت یا باقساط ادا کرینگے وہ رکن دوامی کہلائینگے اور ان کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلا قیمت ارسال کئے جائینگے و نیز مجلہ نظامیہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

۶۔ مجلہ نظامیہ دو جزء ماہانہ پر شایع ہوگا لیکن بوجہ گرانی جنگ ایک جزء پر شایع ہوگا۔

۷۔ قیمت سالانہ ۵ رعایتی عـہ ۴ر

سکریٹری ادارہ ترقی تعلیم اسلامی جسینی علم حیدرآباد دکن سے مراسلت کیجائے۔

مجلہ نظامیہ

قیمت سالانہ ســے
" رعایتی عہر

مقام اشاعت
حسینی علم حیدرآباد دکن

مدیر مسئول
شاہ ابوالخیر کنج نشیں (نظامیہ)

فہرس

| جلد ۵ | مہر سنہ ۱۳۵۰ ف مطابق رجب المرجب سنہ ۱۳۶۰ھ م اگست سنہ ۱۹۴۱ء عدد (۱۱) |

آزادی وطن کی تمنا

ازجناب اعجاز صاحب صدیقی اکبرآبادی

اُبھرنا موج سے اتنا ہی مشکل ہوتا جاتا ہے
سفینہ جس قدر نزدیک ساحل ہوتا جاتا ہے

بہ ہر جادہ فریب آگاہ منزل ہوتا جاتا ہے
دل محتاط خود راہوں میں حائل ہوتا جاتا ہے

جمال منتظر سے آشنا دل ہوتا جاتا ہے
یہ ذرہ طور کے جلووں کا حامل ہوتا جاتا ہے

تمھارا درد یوں رگ رگ میں شامل ہوتا جاتا ہے
کہ اب اک سانس لینا بھی تو مشکل ہوتا جاتا ہے

میں جس انداز سے کھاتا ہوں ٹھوکر راہِ منزل میں
اسی انداز سے عرفان منزل ہوتا جاتا ہے

چھپاؤں کس طرح سرمایۂ دردِ محبت کو
اب آنسو بھی حریفِ جذبۂ دل ہوتا جاتا ہے

وہ کیا گھبرائے گا اندیشۂ قید و بند ہستی سے
جو دل عرفانی طوق و سلاسل ہوتا جاتا ہے

کچھ اس انداز سے وہ جاذبِ آثار گلشن ہیں
کلی کو پھول بننا بھی مشکل ہوتا جاتا ہے

یہ موج بے خودی لے آئی کس طوفاں میں مجھ کو
خودی کا میری ہر احساس باطل ہوتا جاتا ہے

گوارا کیوں نہ ہو مجھ کو محبت کی ودیعت ہے
وہ سوز بیکراں جو قسمت دل ہوتا جاتا ہے

ہیں کس درجہ تردد خیز آثار سحر اہی
جو سورج ڈوبتا ہے خواب منزل ہوتا جاتا ہے

سفینے اور بھی تو ہیں خدا و ناخدا والے
مجھ ہی پر تنگ کیوں دامان ساحل ہوتا جاتا ہے

بڑھا دو تو ذرا اعجاز شمع سرفروشی کی
وطن آزادی کامل کا حامل ہوتا جاتا ہے

(از برہان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خودمختاری دولت آصفیہ

اساس سلطنت چوں او بنا کرد — چہ حق عدل آصف جاہ ادا کرد
بہ گلزار دکن عثماں نگہ کن — کہ غنچہ را گل خنداں صبا کرد

تاریخ شاہد ہے کہ مغفرت مآب حضرت آصف جاہ اول ؒ نے خدا کے فضل و کرم کے بعد اپنی ذاتی قوت سے ۱۱۳۲ھ میں دکن کی سیاسی عظمت اور اسکے وقار کو جس استقلال کے ساتھ درجۂ کمال پر پہنچایا اس کا محمود نتیجہ ہے کہ آج حیدرآباد اپنے داخلی امور میں خودمختار اور خارجی معاملات میں مشورے کے ساتھ آزاد ہے۔ اس عظیم الشان دن کی یاد ہر سال ۲۹ر رجب کو نہایت اہتمام سے منائی جاتی ہے اور دن بدن اس تقریب کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے توقع ہے آیندہ ہر شہری کے احساس خودمختاری میں اضافہ ہوتا جائیگا

حقیقت یہ ہے کہ جشن آزادی اہل دکن کیلئے عید استقلال کی حیثیت رکھتی ہے قومی وحدت اور اجتماعی روایات کو قائم رکھنے کیلئے دعوت فکر و نظر دیرہی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں آج ساری دنیا حصول آزادی کی کشمکش میں مبتلا ہے خودمختار ممالک کی آزادی چھینی جا رہی ہے آمریت کا قبضہ ظلم سے بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں ہماری غفلت سے اجتماعی قوت کا موثر اشتراک عمل جاتا رہیگا تو یقین جانئے حضرت آصفجاہ اول ؒ نے رعایا کے لیے دوامی طور پر فلاح و بہبود کی جو صورت قائم کی تھی دہ جاتی رہیگی اس لیے ہم سب حیدرآبادیوں کا فرض ہوگا کہ باہمی کشمکش اور اختلافات کو چھوڑ کر اس قومی عید کے موقعے پر ملک کی خوشحالی اور ترقی حیدرآباد کی سیاسی عظمت کو قائم رکھنے کے لیے جد و جہد کا آغاز کریں تاکہ ہمارا مستقبل جو عظیم الشان انقلابات کا ایک میدان تیار کر رہا ہے متفقہ قوت اور اجتماعی اثر سے اس وسیع تر میدان میں سربلند رہیں یہ اسوقت ممکن ہوگا جب کہ سب حیدرآبادیوں کا اقتدار اعلیٰ تاجدار دکن میں مرکوز رہے۔

"مجلس نظامیہ اس قومی عید کی دوسو اٹھارہویں سالگرہ کی تقریب میں اہل دکن کو مبارکباد دیتا ہے کہ خدا نے انھیں اپنے فضل و کرم سے آزاد اور خودمختار ممالک کی صف میں قائم رکھا اور دعا کرتا ہے کہ دولت مغلیہ کی یادگار مملکت آصفیہ کی حریت کاملہ کا یہ امتیاز ہمیشہ برقرار رہے اور اعلیٰ حضرت جلالت الملک شمس الملت و الدین خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے سایہ عاطفت میں ہمیں ہر سال یہ قومی عید منانی نصیب ہو۔

۲۵ر جمادی الثانی سنہ
خادم العلم ابوالخیر کنج نشیں

تبدیل جلود

از حضرۃ الاستاذ علامہ مولانا عبداللہ العمادی صاحب سابق رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

بعض وقت سیدھی سی بات میں اغلاق اور پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے، قرآن کریم میں ایک مقام پر انسان کی کھالوں پر عذاب ہونے کا تذکرہ ہے، صورت یوں بتائی ہے کہ خدا کی نشانیوں کا جو انکار کرتے ہیں وہ عنقریب آتش دوزخ میں داخل کیے جائیں گے، وہاں جب آگ کی وجہ سے ان کی کھالیں پک کر گل جائیں گی تو خدا کے حکم سے دوسری کھالیں تبدیل ہو جائیں گی، غرض یہ ہے کہ عذاب میں مبتلا رہیں اور اس کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

یہ مضمون "سورۂ نساء" میں مذکور ہے اور بظاہر ایک سلجھی ہوئی بات ہے، لیکن دقت آفرینی و عجائب پسندی کی بنیاد پر جو شاخیں نکلیں، جیسے جیسے شگوفے پھوٹے اور جس نہج پر اس قسم کی روایتیں پھلیں پھولیں، ان کے نظارے عجیب ہیں، مثلاً:۔

(الف) دوزخیوں کی جب ایک کھال پک کر گل جائے گی تو دوسری کھلڑی جو چڑھیگی اس کا رنگ سفید کاغذ جیسا ہوگا[1]

(ب) کھال چالیس گز کی ہوگی، دانت ستر گز کے اور شکم اتنا فراخ ہوگا کہ ایک پہاڑ اس میں سما جائے[2]

---

[1] قال ابن جریر حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر عن الاعمش عن ثویر ابن عمر قال اذا احترقت جلودہم بدلناہم جلوداً بیضاء امثال القراطیس [2] عن المثنی عن اسحاق عن ابن ابی جعفر عن ابیہ عن الربیع قال الخ:

(ج) دن بھر میں ستّر ستّر مرتبہ کھال گل جایا کرے گی اور نئی کھال چڑھا کرے گی۔[1]

(د) روزانہ ستّر ہزار کھالیں آگ سے جل جایا کریں گی، ہر کھال چالیس گز کی موٹی ہو گی۔[2]

(ھ) دن میں سو سو مرتبہ نئی کھالیں بدلی جائیں گی۔[3]

(و) آگ ان کھالوں کو روزانہ ستر ستر ہزار مرتبہ کھا جایا کرے گی، اور ہر مرتبہ از سرِ نو کھال جمے گی۔[4]

(ز) اور جسم اتنا لانبا چوڑا کر دیا جائے گا کہ ایک تیز رفتار سوار کے لیے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں تین دن کی مسافت ہو گی۔[5]

(ح) دانت کوہ اُحد جتنے بڑے ہوں گے، اور جسم کا موٹا پا تین دن کی مسافت کے برابر ہو گا۔[6]

(ط) نئی کھال جو پیدا ہو گی وہ دوزخیوں کے گوشت ہی سے بنے گی۔[7]

(ی) کھال جو بدلی جائے گی وہ اصل میں ذات کی تبدیلی ہو گی۔[8]

ان روایتوں پر خود مفسرین نے اعتراض کئے ہیں اور پھر جواب دینے کی کوشش بھی کی ہے، علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں :-

ما معنی قولہٖ جل ثناؤہٗ "کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا" فھل یجوز ان یبدلوا	اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ جب ان منکروں کی کھالیں پک کر گل اٹھیں گی تو ہم

---

[1] عن المثنیٰ عن سوید بن نصر عن ابن المبارک قال بلغنی عن الحسن الخ۔ [2] عن القاسم عن الحسن عن ابی عبیدۃ الحداد عن ہشام بن حسان عن الحسن الخ۔ [3] زعم ابو السعود العمادی ان ہذہ الایۃ قرئت عند عمر فقال معاذ بن جبل عندی تفسیرہا یبدل فی ساعۃ مأۃ مرۃ۔ [4] قال الحسن تاکلہم النار کل یوم سبعین مرۃ (ابو السعود)۔ [5] من مزاعم ابی السعود عن ابی ہریرۃ۔ [6] ابو السعود عن ابی ہریرۃ۔ [7] قال السدی انہ تعالیٰ یبدل الجلود من لحم الکافر فیخرج من لحمہ جلداً آخر (رازی)۔ [8] قال النیسا بوری جزم صاحب الکشاف بان المراد من ہذا التبدیل ہو تغیر الذات فلہذا افسر التبدیل بالابدال (زمخشری نیسا بوری)

جلوداً غیر جلودہم التی کانت لہم فی الدنیا فیعذ بوافیہا فان جاز ذالک فاجزان یبدلوا اجساماً وارواحاً غیر اجسامہم وارواحہم التی کانت لہم فی الدنیا فتعذب وان اجزت ذلک لزمک ان یکون المعذبون فی الآخرۃ بالنار غیر الذین اوعدہم اللہ العقاب علی کفرہم بہ ومعصیتہم ایاہ وان یکون الکفار قدارتفع عنہم العذاب[1]

ان کے علاوہ دوسری کھالیں بدل دیں گے" کیا یہ جائز ہے کہ ان کھالوں کے علاوہ جو دنیا میں رہی تھیں دوسری کھالیں بدل دی جائیں اور ان میں عذاب ہو، اگر یہ جائز ہے تو جہاں نئی کھالوں پہ عذاب ہونے کا جواز تسلیم ہوا ہے یہ بھی جائز مان لو کہ دنیا میں جو روحیں اور جسم تھے وہ بھی بدل جائیں گے اور تبدیل شدہ (نئے) اجسام و ارواح پر عذاب ہوگا یہ بات اگر جائز ٹھیری تو تم کو لازمی طور پہ ماننا پڑے گا کہ آخرت میں آگ کا عذاب جن لوگوں پہ ہوگا وہ ان کے علاوہ ہوں گے جن کے انکار و نافرمانی پر خدا نے انھیں عذاب کی دھمکی دی تھی، کافروں سے عذاب اٹھ جائے گا۔

پھر لکھتے ہیں:-

اما جلود اہل الکفر من اہل النار فانہا لاتحرق لان فی احتراقہا الی حال اعادتہا فناؤہا وفی فنائہا راحتہا قالوا وقد اخبر اللہ تعالیٰ ذکرہ عنہا انہم لایموتون ولایخفف عنہم من عذابہا قالوا وجلود الکفار احد اجسامہم ولوجاز ان یحترق منہا شئی فیفنی ثم یعاد بعد الفناء فی النار جاز ذلک فی جمیع اجزائہا واذا جاز ذلک وجب ان یکون جائزاً علیہم الفناء

دوزخی کافروں کی کھالیں جل نہ جائیں گی، اس لیے کہ جل جانے کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ فنا ہوجائیں گی اور ظاہر ہے کہ فنا ہونے میں ان کے لیے راحت و آسایش ہے، اللہ تعالیٰ اس باب میں خبر دے چکا ہے کہ دوزخی نہ تو مریں گے اور نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، کافروں کی کھالیں ان کے جسم ہی کی ایک جزو ہیں، جسم کا کوئی جزو اگر جل کر فنا ہوجائے اور پھر فنا ہونے کے بعد آگ ہی میں

---

[1] - تفسیر ابن جریر، جلد ۵، صفحہ ۸۴۔

ثم الاعادة و الموت ثم الاحیاء و قد اخبر اللہ انہم لایموتون قالوا وفی خبرہ عنہم انہم لایموتون دلیل واضح انہ لایموت شئی من اجزا اجسامہم والجلود احد تلک الاجزاء[1]

اس کا اعادہ بھی ہو تو ایک جزو میں اس کیفیت کو جائز ماننے سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہی کیفیت تمام اجزا کے لیے بھی جائز ہے، یعنے ہر جزو بدن اور پورے جسم کا یہی حال ہوسکتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوزخیوں کے جسم کا فنا ہو جانا، پھر از سر نو پیدا ہونا، مرنا اور پھر زندہ ہو جانا جائز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ دوزخیوں کو موت نہ آئے گی، یہ ایک کھلی ہوئی دلیل اس دعویٰ کی ہے کہ ان کے جسم کے کسی جزو پر موت لاحق نہ ہوگی، اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ کھال جسم کا ایک جزو ہے

یہ اعتراضات معترضیں کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں، اور جواب بھی خود اپنی طرف سے نہیں دیا ہے، مفسرین کے تین جواب نقل کر دیئے ہیں مگر لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی پر اطمینان نہیں ہے[2] ان جوابوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

(الف) دوزخ کا عذاب دراصل انسان کے لیے ہے، گوشت و پوست کے لیے نہیں ہے، جلنے کو جلد (کھلڑی) بھی جلے گی، لیکن مدعا خود انسان کا جلنا ہے، جو گوشت و پوست سے بالکل ایک علٰحدہ چیز ہے، بار بار نئی کھلڑی اس لیے پیدا ہوگی کہ اس کے جلنے سے انسان کو تکلیف پہنچتی رہے اور سلسلۂ عذاب منقطع نہ ہونے پائے، رنج و راحت کا احساس نفس کو ہوتا ہے، گوشت و پوست کو نہیں ہوتا، گوشت و پوست کا عذاب اصل میں عذاب نفس کا ایک ذریعہ ہے اور یہ ایک ایسا واضح اور کھلا ہوا مسئلہ ہے جس کی واقعیت میں کسی فہمیدہ شخص کو کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوسکتا۔

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۸۵۔ [2] جواب کی ابتدا "قیل" سے کی ہے جو تضعیف و تمریض کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنے استدلال کے وثوق و اعتماد میں ضعف و کمزوری دخیل ہے۔

(ب) گوشت و پوست میں بھی آسایش و تکلیف کے محسوس کرنے کا مادّہ موجود ہے، جسم کے کسی عضو میں درد ہوتا ہے تو سارے بدن پر اس کا اثر پڑتا ہے، دوزخیوں کے گوشت و پوست کے جل جانے اور پھر نئے گوشت و پوست کے پیدا کرنے کا یہی منشا ہے۔

(ج) دوزخیوں کے لیے نئی نئی کھلڑی بدلنے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ واقعی نیا گوشت و پوست ہر گھڑی پیدا ہوتا رہے گا بلکہ جیسا کہ قرآن کریم نے ایک اور مقام پر بیان کیا ہے کہ :۔

وتری المجرمین یومئذ مقرنین فی الاصفاد سرابیلھم من قطران وتغشیٰ وجوھھم النار لیجزی اللہ کل نفس ما کسبت ان اللہ سریع الحساب

تم اس روز گنہگاروں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھو گے، ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے آگ ان کے موںہوں کو ڈھانک لیگی، غرض یہ ہے کہ جس نے جو کمائی کی ہے اللہ اس کی جزا دے، درحقیقت اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

یہاں بھی اس کے مطابق دوزخیوں کے کرُتے جو گندھک کے ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ اشتعال پذیر ہوں گے جب جل چکیں گے تو دوسرے کرُتے بدل دیے جائیں گے، یعنے کھال کی تبدیلی سے تبدیل لباس مراد ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ :۔

(۱) اگر احساس کا مادہ محض انسان کے نفس میں ہے، گوشت و پوست میں نہیں ہے، اور نفس ہی پر عذاب کرنے کے لیے گوشت و پوست کو بھی جلایا جائے گا، تو کیا یہ ممکن نہ تھا کہ براہ راست نفس پر عذاب ہوتا اور وہ اجزائے جسم جن میں احساس ہی نہیں ہے اور اس لیے اگر عذاب بھی ہو تو ان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس لپیٹ میں نہ آتے، جب کسی چیز میں عذاب کی حس ہی نہیں تو خواہ مخواہ کو اسے چھیڑنے یا ستانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

(۲) خالی گوشت و پوست میں بھی اگر احساس ہو تو گوشت کا وہ پارچہ اور کھلڑی کا

وہ جزو جو بدن سے جدا ہو چکا ہو یہ احساس اس میں کیوں نہیں ہے۔

(۳) تبدیل جلد سے اگر تبدیل لباس مراد ہے اور پہلے لباس ہی کے جلنے کے بعد اہل دوزخ کو نیا لباس تبدیل کرایا جائے گا تو اس کے لیے آیت میں لفظ "نضج" کا استعمال جس کے معنے پکنے اور پک کر گل جانے کے ہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے، عربی زبان میں جب یہ محاورہ ہی نہیں ہے تو قرآن کریم کی بلاغت اس کو کب روا رکھنے لگی تھی۔

اس موقع پر امام رازی نے بھی دو اعتراضات کیے ہیں۔

(الف) خدا میں جب اس قدر قدرت ہے کہ دوزخیوں کو ہمیشہ آگ میں زندہ رکھ سکتا ہے تو کیا وہ ان کے جسم کے باقی رکھنے پر قادر نہ تھا کہ عذاب بھی ہوا کرتا، اجزائے جسم بھی فنا نہ ہوتے اور نئے گوشت و پوست کے چڑھانے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔

(ب) جس گوشت و پوست نے گناہ کیے تھے جب وہ آگ میں جل چکا تو نئے گوشت و پوست کو جو بالکل بے گناہ ہیں پیدا کر کے آگ میں جلانا صریح بے انصافی ہے،

پہلے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

انہ تعالیٰ لایسئال عما یفعل بل نقول انہ تعالیٰ قادر علی ان یوصل الی ابدانہم آلاماً عظیمۃ من غیر ادخال النار مع انہ ادخلہم النار[۵]

خدا جو چاہے کرے اس سے کوئی باز پرس نہیں، ہم تو یہ بھی کہ سکتے ہیں کہ دوزخیوں کے جسم کو بغیر اس کے کہ آگ میں ڈالنا پڑے خدا سخت سے سخت عذاب دے سکتا ہے، مگر اس پر بھی اس نے آگ میں ڈالا۔

دوسرے اعتراض کے حسب ذیل جواب دیتے ہیں :۔

(الف) نضج اور نضیج یہ دونوں دو چیزیں ہیں، اس لیے ذات کے اعتبار سے جسم تو وہی رہے گا جو دنیا میں تھا، البتہ صفت بدلی ہو گی۔

---

[۵] یہ اور اس سے قبل کے دونوں اعتراض اور بعد کے پانچوں جواب "تفسیر کبیر" میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں، ملاحظہ ہو جلد ۳ صفحہ ۲۴۳، طبع خیریہ مصر ۱۳۰۸ھ۔

(ب) عذاب اصل میں انسان پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ کھال انسان کی ماہیت میں داخل نہیں ہے بلکہ اس سے ملی ہوئی ایک زائد چیز ہے، نئی کھال انسان تک عذاب پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوگی، اس لیے حقیقت میں عذاب اسی کو ہوا جس نے گناہ کیے تھے۔

(ج) کھال سے مراد گندہاک کے کرتے ہیں۔

(د) اس سے حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ استعارہ مقصود ہے۔

(ھ) دوزخیوں کے جسم پر نئی کھال جو پیدا ہوگی وہ انھیں کے گوشت سے بنی ہوگی اور ظاہر ہے کہ ارتکاب گناہ میں یہ گوشت بھی شریک رہ چکا ہے۔

ہنوز یہ شبہہ باقی رہتا ہے کہ :۔

۱۔ بے شبہہ خدا سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا، لیکن کیا اس کی تمام باتیں حکمت پر مبنی نہیں، کیا ایک نیا شبہہ پیدا کر دینے سے پہلے شبہے کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور کیا خود امام صاحب نے ایک موقعے پر یہ نہیں لکھا ہے کہ آتش دوزخ سے وہ آگ مراد نہیں ہے جس میں کیمیادی مادّے ہوا کرتے ہیں۔

۲۔ تبدیلی خواہ جسم میں ہو یا اس کی صفت میں، سوال تو یہ ہے کہ مجرم خود انسان تھا اور وہی صاحب ارادہ بھی ہے، گوشت و پوست میں یہ مادہ کہاں کہ اپنے ارادے سے کوئی کام کر سکیں، انسان کی طبیعت نے جب اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہا ان سے کام لیا اور وہ انسانی اغراض کے حاصل ہونے میں محض آلہ ہی آلہ تھے، اس صورت میں عذاب کا مستحق اگر ہے تو انسان کا نفس ہے، کھال نے کیا گناہ کیا تھا کہ اس کو بار بار جلایا جائے، یہ عذاب اگر محض اس بنا پر ہے کہ جرم کے وقت کھال بھی جسم انسانی کے شریک حال تھی تو اس ضابطے کی رو سے اس حصۂ زمین کو بھی جس پر جرم ہوا ہو اور اس کپڑے کو بھی جو حالت جرم میں مجرم کے جسم پر رہا ہو عذاب دینا چاہیے۔

۳۔ استعارہ کی توجیہ قرین قیاس تو ہے، مگر اس کا ثبوت درکار ہے۔

۴۔ مفسر سدّی کی یہ رائے کہ "دوزخیوں کے جسم پر نئی کھال جو پیدا ہوگی وہ انھیں کے گوشت سے بنی ہوگی، اس لیے یہ اعتراض نہ ہونا چاہیے کہ نئی کھال پر جو کسی حالت میں

شریک گناہ نہ تھی کیوں عذاب ہوا" ایک ایسی رائے ہے جو اسی وقت قابل تسلیم ہو سکتی ہے جب یہ بھی ثابت ہو جائے کہ سورۂ اعراف میں سوئی کے ناکے سے اونٹ کے گزر جانے کی قرآن نے جو شرط کی وہ (معاذ اللہ خدا کے نزدیک محال ہو تو ہو مگر واقع میں محال نہیں ہے، جسم خواہ کتنا ہی لانبا چوڑا کیوں نہ ہو تاہم اس کی ایک انتہا ہوتی ہے، گوشت سے اگر ہمیشہ کھال بنا کی اور ایک کے جل جانے کے بعد دوسری پیدا ہوتی رہی تو ایک نہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ سارا جسم خود بخود فنا ہو جائے گا، اور عذاب جاوید کی نوبت ہی نہ آنے پائیگی۔

۵۔ طبی تحقیقات نے ثابت کر رکھا ہے کہ اجزائے بدن تحلیل ہوا کرتے ہیں، پرانے اجزا کی جگہ نئے اجزا لیتے رہتے ہیں، اور اس طرح ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب کہ وہ جسم جس کو لے کر انسان پیدا ہوا تھا ہمہ تن بدل چکا ہوتا ہے، فرض کرو کسی شخص نے ابتدائی زندگی میں کوئی ایسا گناہ کیا تھا جس کی پاداش میں دوزخ نصیب ہو اور آگ میں جلنا پڑے، سوال یہ ہے کہ وہ اجزائے جسم جن کے ذریعے سے ارتکاب گناہ کا اس کو موقع ملا تھا جب وہ حالت زندگی ہی میں تحلیل ہو چکے تھے اور پیرانہ سری کے عالم میں نئے اجزائے جن کو ابتدائی عمر کی غلط کاریوں سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا پرانے اجزا کی جگہ لے لی تھی، تو آخر کس جرم کی پاداش میں ان کو جلایا جائے گا۔

عراق عرب کے مشہور مفسر شہاب آلوسی کی رائے اس موقع پر سننے کے قابل ہے، فرماتے ہیں:۔

عندی ان ہذا السوال مما لایکاد یسألہ عاقل، فضلا عن فاضل وذلک لان عصیان الجلد وطاعتہ وتألمہ وتلذذہ غیر معقول لانہ من حیث ذاتہ لا فرق بینہ وبین سائر الجمادات من جہۃ عدم الادراک والشعور وہو اشبہ الاشیاء بالآلۃ فعاقل النفس ظلما مثلا الۃ کالسیف الذی قتل بہ ولا فرق بینہما الا

میرے نزدیک یہ سوال ایسا نہیں ہے جسے کوئی صاحب فضل وکمال تو کیا کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی کر سکے، سبب یہ ہے کہ کھال کی نافرمانی اطاعت الم پذیری اور لذت یاب ہونا یہ سب نامعقول باتیں ہیں، اس لیے کہ ذاتی حیثیت سے اس میں اور دوسرے جمادات میں کوئی فرق نہیں ہے، احساس، ادراک وشعور نہ ان میں ہے اور نہ

بان الید حاملۃ الروح والسیف لیس کذلک وہذا لایصلح وحدہ سبباً لعادۃ الید بذاتہا واحراقہا دون اعادۃ السیف واحراقہ لان ذلک المحل غیر اختیاری فالحق ان العذاب علی النفس الحساسۃ بای بدن حلّت وفی ای جسد کانت وکذا یقال فی النعیم [1]

اُس میں، آلہ سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے، مثلاً جس شخص نے کسی کو بے گناہ قتل کیا ہو اس کا ہاتھ بھی آلۂ قتل ہے اور اسی تلوار کے مشابہ ہے جس سے مقتول کی اس نے جان لی تھی، ان دونوں میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں ہے کہ ہاتھ میں جان ہے اور تلوار میں نہیں ہے، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنا پر ہاتھ کو پھر پیدا کر کے جلایا جائے اور تلوار اس سے مستثنیٰ رہے، سبب یہ ہے کہ یہ بے اختیاری کی بات تھی۔ لہذا حق یہ ہے کہ عذاب اُس نفس پر ہوگا جس میں حس ہے، خواہ وہ کسی بدن میں جائے اور کسی جسم میں رہے، یہی حالت بہشت کے نعمتوں کی بھی ہے۔

اس کے بعد متعدد حدیثیں تائید میں روایت کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں:-

ولولا ما علم من الدین بالضرورۃ من المعاد الجسمانی بحیث صار انکارہ کفراً لم یبعد عقلاً القول بالنعیم والعذاب روحانیین فقط ولما توقف الامر علی اثبات الاجسام فعلاً ولا یتوہم من ہذا انی اقول باستحالۃ اعادۃ المعدوم معاذ اللہ تعالی ولکنی اقول بعدم الحاجۃ الی اعادتہ وان الکنت والنصوص

مذہب کی رو سے اگر بدیہی طور پر یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ جسم کے لیے معاد لازم اور اس کا انکار حد کفر تک پہنچتا ہے تو عقل کی رو سے یہ بات کوئی دور نہ تھی کہ راحت و عذاب دونوں روحانی ہوں گے، اس لیے کہ بالفعل جسم کا ثبوت دینے پر معاملہ موقوف ہے، یہ شبہہ نہ ہونا چاہیے جو چیز معدوم ہو چکی ہے اس کے اعادہ کو میں محال

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی، سورۂ نساء۔

فی ہذا الباب متعارضۃ فمنہا ما یدل علی اعادۃ الاجسام بعینہا بعد اعدامہا ومنہا ما یدل علی خلق مثلہا وفناء الاولیٰ لاری باسا بعد القول بالمعاد الجسمانی فی اعتقاد ای الامرین۔

کہ رہا ہوں، معاذ اللہ! لیکن میں یہ البتہ کہتا ہوں کہ وہ جسم جو معدوم ہو چکا ہو اس کا واپس لانا خواہ ممکن ہو مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حدیثیں بھی اس باب میں ایک دوسرے کے معارض ہیں، بعض سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے معدوم ہو جانے پر بعینہ اسی جسم کا اعادہ ہوگا اور بعض کا یہ مفہوم ہے کہ پہلا جسم تو فنا ہو چکا ہے مگر ویسا ہی دوسرا جسم پیدا ہو جائے گا۔ معاد جسمانی ہی کو ماننے کے بعد کچھ مضایقہ نہیں کہ ان میں سے جس بات کو چاہیں مان لیں۔

اس موقعے پر ناظرین آیت زیر بحث کو بھی ملاحظہ فرمائیں، سورۂ نساء میں ہے:۔

ان الذین کفروا بآیاتنا سوف نصلیہم ناراً کلما نضجت جلودہم بدلنا ہم جلودا غیرہا لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزاً حکیما۔

جن لوگوں نے ہماری نشانیوں سے انکار کیا ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم اس غرض سے کہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں گلی ہوئی کھالوں کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے بیشک اللہ تعالیٰ (بڑا) زبردست صاحب تدبیر ہے۔

آیت کا مطلب بیان کرنے سے پہلے دو باتیں یہاں اور بھی سن لینی چاہئیں:۔

(الف) قرآن کریم نے عذاب آخرت کی جو تشریحیں کی ہیں ان کی صورتیں زیادہ تر انسان کی اخلاقی کمزوریوں سے وابستہ ہیں، امام غزالی "جواہر القرآن میں" لکھتے ہیں:۔

سر قولہ تعالیٰ کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ای ان الجحیم فی باطنکم فاطلبوہا بعلم الیقین لتروہا قبل ان تدرکوہا

اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ "ہرگز نہیں اگر علم الیقین ہوتا تو دوزخ کو تم دیکھ لئے ہوتے" رازیہ ہے کہ دوزخ خود تمہارے دل میں موجو

بعین الیقین۔ ہے لہذا اس کو علم یقین کے ذریعے دیکھو تو قبل اس کے کہ یقین کی آنکھ سے اس کو دیکھو گے۔

(ب) بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں جس قدر واقعات مذکور ہیں ان سب میں مجاز کا پہلو ہے' علامہ ابن تیمیہ رسالۃ فی شرح حدیث النزول میں فرماتے ہیں:۔

ان اللّٰہ سبحانہ تعالٰی اخبرنا بما وعدنا بہ فی الدار الآخرۃ من النعیم والعذاب واخبرنا بما یوکل ویشرب وینکح ویفرش وغیر ذٰلک فلولا معرفتنا بما یشبہ ذٰلک فی الدنیا لم نفھم ما وعدنا بہ ونحن نعلم مع ذٰلک ان تلک الحقائق لیست مثل ہذا حتی قال ابن عباسؓ لیس فی الدنیا مما فی الجنۃ الا الاسماء"

خدا نے آخرت میں جس راحت و عذاب کا ہم سے وعدہ کیا ہے اس کی خبر اور نیز ان چیزوں کی خبر دی جو کھائی' پی' صحبت کی' اور بچھائی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ' لہذا جن چیزوں کا وعدہ ہوا ہے اگر دنیا میں بھی ان ہی سے ملتی جلتی ہوئی چیزوں کا ہم کو علم نہ ہوتا تو ہم ان وعدوں کو سمجھ سکتے ہی نہ تھے' بایں ہمہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ واقعات (جو بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہیں) ایسے ہی نہیں ہیں (جیسے دنیا میں نظر آتے ہیں) حتیٰ کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ "بہشت میں جو چیزیں ہیں ان میں سے دنیا میں کوئی چیز بھی نہیں ہے' اگر ہے تو صرف نام ہے"۔

یہ بیان ایضاح کسی مزید تشریح کی محتاج ہو یا نہ ہو مگر اب اس کے بعد آیت زیر بحث کی تفسیر کے لیے امام رازی کے اس فقرہ کو درج کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' جو ان کی رائے میں واقع ہو یا نہ ہو مگر ممکن ضرور ہے' لکھتے ہیں:۔

یمکن ان یقال ہذا استعارۃ عن الدوام وعدم الانقطاع کما یقال لمن یراد وصفہ بالدوام کلما انتھی فقد ابتدأ من اولہ فلذا قولہ کلما نضجت

کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں عذاب کے ہمیشہ رہنے اور منقطع نہ ہونے کی جانب اشارہ ہے جس طرح اس شخص کی نسبت جس کی مداومت کی تعریف مقصود ہوتی ہے کہتے ہیں کہ "جب وہ ختم کر چکتا ہے

جلودہم بدلناہم جلودا غیرہا یعنی کلما نضجوا انہم نضجوا و احترقوا و انتہوا الی الہلاک اعطیناہم قوۃ جدیدۃ من الحیاۃ بحیث ظنوا انہم الان حدثوا و وجدوا فیکون المقصود بیان دوام العذاب و عدم انقطاعہ[۱]

تو پھر شروع کر دیتا ہے اور جب آخر تک پہنچتا ہے تو پھر اول سے ابتدا کرتا ہے" اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے کہ ان کی یعنی دوزخیوں کی کھالیں جب گل جائیں گی تو ہم بجائے ان کے دوسری کھالیں بدل دیں گے" یعنی جب وہ یہ سمجھیں گے کہ اب تو کھال پک کر جل چکی اور ہلاکت کا موقع آگیا (کیونکہ وہ اسی کو غنیمت سمجھیں گے کہ بلا سے گوشت جل جائے اس عذاب کی زندگی سے نجات ملے) تو ہم از سرنو انھیں پھر زندگی کی ایسی طاقت عطا کریں گے کہ ان کو گمان ہوگا کہ ہم پیدا ہوئے ہیں' لہذا آیت کی غرض یہ ہوگی کہ عذاب جاوید کا تذکرہ کیا جائے اور اس کا تسلسل قائم رہنے کی توضیح ہو۔

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین القمی النیسابوری فرماتے ہیں :-

المراد الدوام وعدم الانقطاع ولا نضج ولا احتراق[۲]

نہ کھال کا پک کر گل جانا مقصود ہے اور نہ جل جانا مراد ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سلسلہ عذاب ہمیشہ رہے گا اور منقطع نہ ہوگا۔

شیخ اکبرؒ (ابن عربی اندلسی) نے ایک اور ہی معنی بیان کئے ہیں' مفسرین اگرچہ صوفیہ کی تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے' مگر آپ یہ بھی دیکھ لیجئے' فرماتے ہیں:-

ان الذین کفروا بایتنا ای حجبوا عن تجلیات صفاتنا و افعالنا اذ مطلع الایتہ کونہ متجلیا بالعلم والحکمۃ والملک

"جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے تجلیات صفات و تجلیات افعال سے حجاب میں رہے' یہ مطلب اس لئے

---

[۱] تفسیر کبیر' جلد ۳' صفحہ ۲۲۳' [۲] تفسیر نیسابوری جلد ۵' صفحہ ۱۷۔

فی آل ابراھیم سوف نصلیھم" نار شوق الکمال لاقتضاء غرائزھم وطبایعھم کسب استعدادھم ذلک مع رسوخ الحجاب و لزومہ و نار قھر من تجلیات صفات قھرہ تناسب احوالھم او نار شرہ نفوسھم وحدۃ شوقھا وطلبھا لما ضربت بھا من کمالات صفاتھا وشھواتھا مع حرمانھا عنھا۔

ہے کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں "آتینا آل ابراھیم الکتاب الحکمۃ و آتیناھم ملکا عظیما" وارد ہے یعنی آل ابراہیم کو اللہ نے کتاب و حکمت و ملک عظیم سے سرفراز فرمایا' لہذا مطلع آیت یہ ہے کہ آل ابراہیم پر اللہ نے علم و حکمت و ملک کی تجلی نازل فرمائی' اس تجلی الٰہی کے بعد بھی جن لوگوں نے کفر کیا "عنقریب ہم انھیں آگ میں ڈالیں گے" یہ آگ کئی طرح کی ہوگی (۱) شوق کمال کی آگ باعتبار طبیعت واستعداد فطرت' کہ آیات کے انکار سے حجاب میں پڑے ہیں' پردہ حائل ہے' اور اب دل میں آگ لگی ہے کہ یہ کمی پوری ہو جائے۔ (۲) آتش قہر جو صفات قہر الٰہی کی ایک تجلی ہے (۳) آتش حرص وطمع نفسانی کہ حدت شوق وطلب میں دل جل رہا ہے' محروم پڑے ہیں' اور اس محرومی کو دور کرنے کے لیے بے تاب ہو رہے ہیں۔

"کلما نضجت جلودھم" رفعت حجبھم الجسمانیۃ بانسلاخھم عنھا' بدلناھم حجبا غیرھا جدیدۃ۔

"جب جب ان کی جلدیں پک کر گل سڑ گئیں" یعنی جہاں ان کے جسمانی حجاب اٹھے اور وہ اس سے باہر نکلنے کو ہوئے کہ دوسرے نئے نئے حجاب' ہم نے بدل دیے" تاکہ آتش حرماں کا "عذاب چکھیں"

"لیذوقوا العذاب" نیران الحرمان

"ان اللہ کان عزیزا" قویا یقھرھم و یذلھم بدل صفات نفوسھم ویحرقھم بنیران توقانھا الی کمالاتھم مع حرمانھم ابدا "حکیما" یجازیھم بما یناسبھم من العذاب الذی

"اللہ عزیز ہے" یعنی قوی ہے جو ان کے صفات نفسانی کو ذلیل کر کے خود انھیں مقہور و ذلیل بناتا ہے' حصول کمال کا بڑا شوق ہے' مگر ہمیشہ کے لیے اس کمال سے محروم ہو گئے' اللہ اسی آگ میں انھیں

اختاروه لانفسهم بدواعيهم الغضبية و شهويته وغيرها وميولهم الى الملاذ الجسمانية فلذلك بدلوا حجابا ظلمانية بعد حجب [1]

جلاتا ہے، اللہ حکیم ہے، وہ اپنی حکمت سے ان کو وہی سزا دیتا ہے جو اس عذاب کے مناسب حال ہے، جسے خود انھوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے، اپنے محرکات غضب و شہوت و میل طبیعت و لذات جسمانی میں انہماک سے اس عذاب کو انھوں نے اپنے لیے خود ہی پسند کیا لہذا ہر بار تاریک پردوں کے بعد دوسرے دوسرے تاریک پردے ان پر تبدیل ہوتے رہے۔

شیخ اکبر کی اصل عبارت کے ساتھ اردو میں صرف تلخیص و توضیح پر نظر ہے، اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں کہ تبدیل جلود کا منطوق چاہے کچھ ہو مگر آیۂ شریفہ کو کم از کم تناسخ سے کوئی سروکار نہیں، اور نہ تفسیر سے کہیں اس کا شائبہ نکل سکتا ہے، کیونکہ تعلیم الٰہی کو تناسخ سے بشدت انکار ہے۔

بہرحال، اللہ تعالیٰ کے ہاں دلوں کی تبدیلی مقبول ہے، کہ جن کے قلوب موجبات ایمانی کے منکر ہوں ابھی سے وہ راہ راست پر آجائیں، قلوب اگر تبدیل نہ ہوئے تو دوزخ میں تبدیل جلود کے طور پر عذاب ہوگا اور ہوتا رہے گا، اعاذنا اللہ منہ۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

---

[1] ۔ تفسیر ابن عربی، طبع بمبئی، ۱۲۹۱ھ، ج ۱، ص ۱۵۲۔

امیر المومنین حضرت سیّدنا علیؑ کی وصیّت

آج ہر شخص اپنی قوم کی ترقی اور اُن کے عروج کے اسباب پر غور کر رہا ہے اور ہر ایک کی یہی فکر ہے کہ اس کی قوم دوسرے پر سربلند رہے خواہ اس راہ میں صداقت کا معیار جاتا رہے مگر اسلام جو عالم کے لیے رحمت بن کر آیا ہے اور ہر چیز کو صداقت کی کسوٹی پر جانچتا ہے، وہ اپنے متبعین کو اُن امور کے کرنے کی اجازت دیتا ہے جو مبنی بر راستی ہوں۔ وفات سے پہلے امیر المومنین سیدنا علیؑ نے جو وصیت لکھوائی وہ ہمارے لیے مشعل ہدایت ہے اب بھی موقع ہے کہ مسلمان جھگڑوں کو چھوڑ کر صحیح اسلامی تعلیم کے موافق شاہراہ ترقی پر چلنے کی کوشش کریں۔

"یہ علیؑ ابن ابی طالب کی وصیت ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں پھر اے حسن میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو کیوں کہ میں نے ابو القاسم (رسول اللہ صلعم) کو فرماتے سنا ہے کہ

"آپس کے ملاپ کا قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔"

اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو اُن سے بھلائی کرو خدا تم پر حساب آسان کر دیگا یتیم، یتیم، یتیموں کا خیال رکھو اور ان کے منہ میں خاک مت ڈالو وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اور دیکھو تمہارے پڑوسی، تمہارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو کیوں کہ یہ تمہارے نبی کی وصیت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انھیں ورثہ میں شریک کر دیں گے اور دیکھو قرآن قرآن، ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے میں کوئی تم سے بازی لے جائے۔ اور نماز، نماز! کیوں کہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اور تمہارے رب کا گھر اپنے گھر سے غافل نہ ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ

جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوٰۃ، زکوٰۃ، زکوٰۃ پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے اور ہاں تمھارے نبی کے ذمی، تمھارے نبی کے ذمی (یعنے وہ غیر مسلم جو تمھارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو ان پر تمھارے سامنے ظلم کیا جائے اور تمھارے نبی کے صحابی، تمھارے نبی کے صحابی یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے اور فقراء و مساکین انھیں اپنی روزی میں شریک کرو اور تمھارے غلام، تمھارے غلام غلاموں کا خیال رکھنا خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پروا نہیں کروگے تو خدا تمھارے دشمنوں سے تمھیں محفوظ کر دے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ چھوڑنا ورنہ تمھارے اشرار تم پر مسلط کر دیے جائیں گے پھر تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ ہوں گی باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو خدا سے ڈرو کیوں کہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے اے اہل بیت خدا تمھیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کو تم میں یاد رکھے، میں تمھیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں تمھارے لیے سلامتی اور رحمت چاہتا ہوں۔ (تاریخ طبری جلد ۶)

بصائر و حکم

منصور سے ایک غریب عامی کا خطاب

رات کا وقت ہے خلیفہ منصور خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور دوسری طرف اس ماحول میں ایک غریب عرب خدا سے انسانوں کی اس طرح شکایت کر رہا ہے۔

"اے اللہ میں تجھ سے شکوہ کرتا ہوں تو دانا اور بینا ہے ظلم حد سے گزر چکا تجھ سے بغاوت کی جا رہی ہے زمین فساد سے بھر چکی ہے حق پیچھے جا پڑا ہے اور لوگ طمع میں مبتلا ہیں"

یہ آواز جب منصور کے کانوں تک پہنچی منصور کانپ اٹھا کہا کون ہے اس کو بلایا جائے غریب عرب نے دو رکعت نماز ادا کی حجر اسود کو بوسہ دیا منصور کے سامنے آیا السلام علیکم کہا منصور نے کہا یہ کیا شکوہ ہے کہاں بغاوت ہے، خدا کا باغی کون ہے، فساد کی زمین

کہ ہر ہے تجھے پناہ دی جاتی ہے بے خوف ہو کر سچ بتا کیا بات ہے۔

غریب عرب نے جواب میں کہا

امیر المومنین وہ شخص جس کے دل میں طمع نے گھر بنالیا ہے جس نے حق کو پیچھے ڈال دیا ہے جو حق اور فساد کے درمیان کام کر رہا ہے جو حق اور سرکشی کے درمیان واسطہ ہے وہ تو ہے اور تیری ذات خدا نے تجھ کو جمہور کا ذمہ دار بنایا ہے اور تو غافل ہے تو نے قلعے اور محل بنائے اور ان کے دروازے لوگوں پر بند کر دیے ہیں۔ تیرا صوبہ دار تیرے دفتر تیرے حکام سب کے سب رشوت لیتے ہیں نذریں قبول کرتے ہیں اللہ کا ملک ظلم و فساد اور طمع سے بھر گیا ہے اور تو غافل ہے۔

جب یہ سنا تو منصور کانپ اٹھا لرزنے لگا آنسو جاری ہو گئے اور بے ساختہ یہ کہہ اٹھا

"اے کاش میں پیدا نہ ہوتا افسوس میرا نفس کتنے دھوکے میں ہے"

جمہور کے حقوق اور شخصی آزادی کے راگ الاپنے والے غور کریں کیا اس جدید روشنی میں کوئی ایک ایسی مثال نظر آتی ہے' آج اگر کسی بڑے لیڈر یا بڑے عہدہ دار کے نسبت کوئی کچھ کہے تو اس پر بلا نازل ہوتی ہے چو طرف سے مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں

ابو حازم اور خلیفہ وقت کی گفتگو

عباسی خلفاء میں سے ایک خلیفہ ابو حازم سے ملنے گیا زر و جواہر نذر کے لیے ساتھ تھے۔ خدا کے فقیر نے ملنے سے انکار کر دیا سلطان نے مجبور ہو کر اندر کہلا بھیجا اتنی دور سے حاضر ہوا ہوں عیش کو چھوڑ کر سفر کی تکلیفیں برداشت کی تھی ملوں اور آپ سے نصیحت حاصل کروں کچھ نصیحت فرما کر رخصت کر دیجئے۔

ابو حازم نے اندر سے کہلا بھیجا۔

دنیا تیرے ظلم و جور سے بھر گئی ہے تو جمہور کا مال لوٹ کر اونٹوں پر لاد کر میرے لیے لایا ہے جا یہ غریبوں کا مال ہے غریبوں کو تقسیم کر دے۔

خلیفہ وقت کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے رونے لگا پھر کہلا بھیجا ایک نصیحت آپ نے کی اب ایک بات میں آپ سے پھر دریافت کرتا ہوں جواب عنایت ہو۔

ہم لوگ موت سے ڈرتے ہیں۔ کیوں ڈرتے ہیں؟ آپ لوگ موت سے نہیں ڈرتے موت کی آرزو کرتے ہیں کیوں نہیں ڈرتے اور کیوں ایسی آرزو کرتے ہیں؟ جواب آیا۔
تمھاری دنیا آباد اور آخرت برباد ہے۔ تم کو آبادی سے ویرانے میں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ ہماری دنیا ویران اور آخرت آباد ہے ہم کو ویرانے سے آبادی میں جانے کی تمنا ہے۔

انصاف کی تاریخی مثال

حضرت عمرو بن عاص مصر کے گورنر تھے آپ کے صاحبزادے نے بلا کسی وجہ کے ایک غریب قبطی کے لڑکے کو چند کوڑے لگائے۔ قبطی سیدھا مدینہ منورہ پہنچا اور دربار خلافت میں شکایت کی حضرت فاروق اعظم نے گورنر مصر اور ان کے لڑکے کو بلوایا اور ان سے اس قبطی کے لڑکے پر جو ظلم ہوا تھا جواب طلب کیا جب کوئی معقول بات جواب میں پیش نہ ہوئی تو حکم دیا کہ قبطی اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے چنانچہ گورنر مصر کے سامنے ان کے بیٹے کو کوڑے لگائے گئے کوڑے لگاتے وقت حضرت فاروق اعظم فرماتے جاتے تھے۔

اے عمرو بن عاص تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد پیدا کیا۔

کیا اس واقعہ پر ان لوگوں کے لیے کوئی سامان عبرت ہے جو بھولے سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم حکمران جماعت کے فرد ہیں یا ہماری اکثریت ہے بے قصوروں اور چھوٹوں پر جو چاہیں کریں کوئی اس کے متعلق نہ پوچھیں کیا اسی کا نام آزادی تقریر یا تحریر ہے۔

مشترک اشیاء اور ان کے نفقوں کی ذمہ داری

جب کسی جائداد کے دو مالک بحیثیت وراثت یا وصیت یا خریداری کے ہوں تو شے مشترکہ کی حفاظت اور انکے نفقوں سے متعلق شریعت اسلام کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جس شریک کو شے مشترکہ سے انتفاع کا موقع ملے اسی کے ذمہ اس کا نفقہ اور اس کی درستی اور حفاظت کی ذمے داری عاید ہوگی اس معینہ اصول کے تحت جو صورتیں شے مشترکہ میں پائی جائیں ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے چند احکام لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر ایک غلام یا لونڈی دو شخصوں کی ملک میں ہو اور ان دونوں میں شے ملک پر نفقہ خرچ کرنے کے متعلق جھگڑا ہو جائے تو ایسی صورت میں شئی نزاعی پر دونوں کو ملکیت کا حق حاصل ہے اسلئے دونوں کو غلام یا لونڈی کے نفقے پر خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا اور عدالت سے دونوں کے نام شے ملک کے نفقے کی ڈگری اجرا ہوگی۔

۲۔ اگر کسی نے ایک شخص کے لیے لونڈی اور دوسرے کے لیے لونڈی کے جنین کی جو بوقت وصیت اس کے پیٹ میں ہو وصیت کرے ایسی صورت میں لونڈی سے حصول منفعت کا حق موصی لہٗ کو دیا گیا ہے اس لیے لونڈی کا نفقہ مالک (موصی لہٗ) لونڈی سے متعلق رہے گا۔

۳۔ ہر شخص کو اپنے مال کے ثلث حصے کے حد تک وصیت کرنے کا اختیار ہے اس حق کی بناء پر اگر موصی نے ایک شخص کے لئے گھر کی اور دوسرے کے لیے اس میں رہنے کی وصیت کرے اس شکل میں گھر کی تعمیر و ترمیم کی ذمے داری اس موصی لہٗ سے متعلق رہے گی جو اس میں رہتا (صاحب سکنیٰ) ہو کیونکہ صاحب سکنیٰ کو بوجہ سکونت انتفاع کا موقع حاصل ہے اور اگر موصی لہٗ کے قبضے سے پہلے گھر منہدم ہو جائے یا موصی لہٗ موصی کی اجازت سے منہدمہ گھر کو تیار کرلے تو اس کا یہ فعل موصی کے حق میں موجب احسان نہ ہوگا کیونکہ موصی لہٗ موصی بہا کے حصول میں مضطرب تھا بوجہ اضطراب

اس نے ایسا عمل کیا۔

۴۔ کسی نے ایک کے لئے جھاڑ اور دوسرے کے لئے اس کے ثمرے کی وصیت کرے (اور یہ وصیت جائز ہو) ایسی صورت میں جھاڑ کے حفاظت کی ذمے داری صاحب ثمرہ موصی لہٗ سے بوجہ منفعت متعلق رہے گی البتہ جھاڑ کے صاحب ثمرہ نہ ہونے کی صورت میں نگرانی صاحب درخت سے متعلق رہے گی۔

۵۔ ایک دیوار دو گھر کے درمیان میں ہو اور دونوں اس دیوار کے مالک ہوں اگر دیوار منہدم یا قابل انہدام ہو جانے کی صورت میں نئی تعمیر یا ترمیم پر دونوں کو اختلاف ہو جائے تو اس کی چار صورتیں ہوں گی۔

پہلی صورت یہ ہو گی کہ ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اس مشترک دیوار کو توڑ دیا جائے دوسرے نے انکار کیا ایسی صورت میں کیا دوسرا توڑنے اور اس کے بنانے میں حصہ لے گا اور کیا وہ حصہ لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہو گی کہ منہدمہ دیوار کو ایک بنائے اور دوسرا بنانے سے انکار کرے بصورت انکار منکر (فریق ثانی) بنانے پر مجبور کیا جائے گا اور کیا اس پر اخراجات تعمیر یا ترمیم عائد کئے جائیں گے۔

تیسری صورت یہ ہو گی کہ منہدمہ دیوار کو ایک نے بنوا دیا ہو تو کیا دوسرے پر اس کے مصارف کا بار عائد کیا جائے گا۔

چوتھی صورت یہ ہو گی کہ اگر پہلے نے دوسرے پر مصارف بنا منہدمہ کو لوٹائے تو کس طرح لوٹائے اور دوسرے پر کس حد تک ادائی بنا کی رقم قابل ایصال ہو گی۔

سوال نمبر ا کے متعلق حضرت امام ابو بکر محمد بن فضل[1] کی رائے ہے کہ دیوار مشترکہ کے سقوط سے اندیشہ ہلاکت کا اندفاع ہوتا ہو تو دوسرے شخص کو بھی سقوط دیوار پر جبر کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

---

[1] المتوفی ۳۸۱ھ از جواہر المضیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

سوال نمبر۲ کی پھر دو صورتیں ہوں گی، پہلی صورت یہ ہو گی کہ اگر دیوار کا عرض اس قدر چوڑا ہو کہ دونوں اپنے حصے کے موافق علٰحدہ دیواریں تیار کر سکیں یا دوسری صورت میں دیوار مشترک کا عرض ایسا چوڑا نہ ہوگا جس میں دو دیواریں تیار ہو سکیں اس لحاظ سے پہلی صورت میں جبکہ ایک ہی عرض میں دو دیوار تیار ہو سکیں تو دوسرا شخص بنانے پر مجبور نہ ہوگا البتہ دوسری صورت میں جب کہ عرض چوڑا نہ ہو اور ان دونوں میں تقسیم نا ممکن ہو ایسی صورت میں دیکھنا یہ ہوگا کہ دیوار خود بخود ٹوٹ گئی ہے یا گرائی گئی ہے اگر خود بخود دیوار یا گھر ٹوٹ گیا ہے تو دوسرا اس کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا یا گرانے کی صورت میں شریک اُس کے انہدام یا بنوانے میں حصہ لینے پر مجبور نہیں ہوگا۔

تیسری صورت کے تین شکلیں ہوں گی پہلی شکل یہ ہوگی کہ اس دیوار پہ ان دونوں میں سے کسی کی عمارت نہ ہو اور یہ دیوار حائط الکرم والخص کے مانند ہو (یعنے انگور کے درخت کی دیوار بنائی ہوئی ہو) اس کے متعلق امام ابی اللیث[1] کی رائے ہے کہ دوسرے پر مصارف بناء جدید کی تقسیم ضروری نہ ہو گی اور جس شریک نے اس دیوار کو بنوایا ہے اس کا فعل بناء متطوع ہوگا۔

دوسری شکل یہ ہو گی کہ اس دیوار پر دونوں کی عمارت ہو ایسی صورت میں بتلایا گیا ہے کہ اگر دیوار کا عرض اس قدر وسیع ہو کہ اس پہ دونوں چاہیں تو علٰحدہ دیواریں تیار کرنے کی صورت میں اگر بغیر اجازت شریک بنوایا ہے تو بنانیوالا متطوع ہوگا اور ضروری نہ ہوگا کہ دوسرے پر مصارفِ بنا لوٹائے اور اگر شریک کی اجازت سے دوسرے نے بنوایا ہے تو شریک پر مصارف بنانے لوٹانے کا حق رہے گا۔

تیسری شکل یہ ہو گی کہ اس دیوار پر صرف ایک کی عمارت ہو ایسی حالت میں جس شریک کی عمارت ہو گی وہی اس کے مصارف بناء کو ادا کرے دوسرا بنانے

---

[1] تاریخ وفات ۳۷۳ھ از کشف الظنون۔

مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اصل مسئلے کی چوتھی صورت یعنے سوال نمبر ۱۵ میں بتلایا گیا ہے کہ جدید دیوار تیار کرانے والے شریک کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے شریک سے مصارف بناء لینے تک شریک کو استعمال دیوار سے روکے اور اس منعیّت سے یہ مراد نہیں لیا جائے گا کہ شریک سے اُجرت بنوائی نہ لی جائے بلکہ ہر صورت میں اس کو شریک سے اجرت بنوائی لینے کا حق رہے گا اگر شریک جدید دیوار کے استعمال سے محترز رہے تو ایسی صورت میں بھی وہ ادائی اجرت بنوائی سے مستثنیٰ نہیں ہوسکے گا البتہ اجرت بنوائی کی تقسیم کس طریقے پر ہوگی اس کے متعلق یہ طے کیا گیا ہے کہ جدید دیوار کی تیاری پر جو کچھ مصارف حقیقی عائد ہوئے ہوں اس کا نصف شریک ادا کرے اور اس تقسیم کو استحسان سمجھا گیا ہے۔ اس رائے کے متعلق بعض علماء متاخرین کی رائے ہے کہ اگر شریک نے اس دیوار کو حسب اجازت عدالت بنوایا ہے تو بنوانے پر جو کچھ اخراجات عائد ہوئے ہیں اس کا نصف شریک کے ذمے واجب الادا ہوگا بلا اجازت عدالت کی صورت میں اصلی منہدمہ دیوار کی جو کچھ قیمت قرار پائے اس کا نصف شریک کے ذمے عائد ہوگا اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔

۶۔ اگر زراعت دو شخصوں میں مشترک ہو ایک نے اس پر خرچ کرنے سے انکار کرے ایسی صورت میں فریق ثانی خرچ پر مجبور نہیں کیا جائے گا البتہ عدالت دوسرے شریک کے حصے کے موافق اس شرط پر اجازت دیگی کہ بعد ختم زراعت اس کی آمدنی سے خرچ شدہ اخراجات کا نصف حاصل کرے اس حکم کے تحت شریک دوسرے شریک کے حصے کے موافق خرچ کرنے کا مجاز ہوگا اگر ختم زراعت کے بعد کسی وجہ سے اتنی آمدنی وصول نہ ہونے کی صورت میں بتلایا گیا ہے کہ شریک کے حصے کی رقم وضع کرنے کے بعد جو رقم قابل ایصال قرار پائے اس کی ادائی شریک ثانی پر لازمی ہوگی۔

باقی آئندہ

شمس الاسلام پریس

۱۳۶۰ھ

تاریخ طب یونانی میں حیرت ناک اضافہ

دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ حیدرآباد دکن

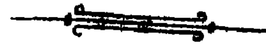
بیس ہزار کے سرمایہ سے قایم کر کے حکومت سرکار عالی میں تحت قانون رجسٹری کرائی گئی ہے۔ کمپنی کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ بڑے پیمانہ پر دیہات و قصبات اور جنگلوں سے جڑی بوٹیاں فراہم کرے۔ ضروری دوائیں مشینوں سے تیار کی جائیں۔ مختلف مقامات پر تجارتی دواخانے اور مطب قایم کئے جائیں۔ اور اس طرح دیسی دواؤں اور یونانی طریق علاج کو ترقی دیجائے۔ کمپنی کے حصص دس دس روپیہ کے ہیں ہر حصہ کی رقم ایک سال کے اندر چار قسط سے ادا کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص عورت مرد بچہ بوڑھا کمپنی کے جس قدر چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ ہر سال کے اختتام پر کاروبار سے جو نفع ہوگا۔ وہ حصہ داروں کو تقسیم کیا جائیگا۔ اور ان کی رقم حصص کمپنی میں جمع رہیگی۔ اگر آپ اس یقینی اور حد درجہ مفید کاروبار سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی درخواست بھیجکر حصص خرید لیجئے۔

کمپنی کے عملی کاروبار شروع ہو چکے ہیں نظام شاہی روڈ پر فروخت گاہ ادویات اور مریضوں کے علاج کے لئے تجربہ کار اطبا کو مقرر کر کے مطب قایم کر دیا گیا ہے بتدریج ان کاروبار میں ترقی اور توسیع کی جائیگی اپنی طبی ضروریات کی تکمیل کیلئے اپنی کمپنی کو توجہ دلائیے۔

منیجر — ربط — یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ حیدرآباد دکن

مجلہ منطق

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار رسالہ



5(12

مرتبہ
ابوالخیر کنج نشین
مولوی فاضل (نظامیہ)

شمس الاسلام پریس
۱۳۶۰ھ

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض

و

مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی اور تمدنی مسایل کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ جلسے منعقد کرنا اور تحقیقاتی نتایج کو شائع کرنا۔

۳۔ ادارہ کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔

۴۔ جو اصحاب کم سے کم (للعہ) یکمشت یا باقساط ادا کرینگے وہ رکن دوامی کہلائینگے اور ان کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلا قیمت ارسال کئے جائینگے و نیز مجلہ نظامیہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتہ میں شائع ہو گا۔

۶۔ مجلہ نظامیہ دو جز ماہانہ پر شایع ہو گا لیکن بوجہ گرانی جنگ ایک جز پر شایع ہو گا۔

۷۔ قیمت سالانہ ۳ر رعایتی عاہر

سکریٹری ادارہ ترقی تعلیم اسلامی حسینی علم حیدرآباد دکن سے مراسلت کیجائے۔

مجلۂ نظامیہ

فہرست

قیمت سالانہ .... [illegible]

" رعایتی .... [illegible]

مقام اشاعت: حسینی علم حیدرآباد دکن

جلد ۵	آبان ۱۳۵۰ف م شعبان المعظم ۱۳۶۰ھ م ستمبر ۱۹۴۱ء	عدد (۱۲)

ترانۂ سحری :- از ابوالاسرار رمزی اٹاوی

غمکدۂ جہاں کو پھر ملنے لگیں مسرتیں — نور ازل کی بارشیں روح فزا لطافتیں
تاروں بھری فضاؤں میں بھیگی ہوئی ہواؤں میں — چھائی ہوئی ہیں برکتیں جھوم رہی ہیں رحمتیں
پچھلا پہر ہے رات کا — اٹھ کے خدا کا گیت گا
حمد و ثنا میں ڈوب جا

مسلم نیک کار اٹھ — نغمہ سرا سروش ہے
مومن روزہ دار اٹھ — وقت طعام نوش ہے

ماہ فلک ہے خندہ زن چاندنی کے نقاب میں — جھوم کے پی رہا ہے خمکدۂ سحاب ہے
بھٹکی ہوئی دعاؤں کے قافلہ غریب کو — فرصت عیش مل گئی جادۂ کامیاب میں
مست و خنک تجلیات — اوس بنا رہی ہے رات
جاگ اٹھی ہے کائنات

مست مئے حجاز اٹھ — نغمہ سرا سروش ہے
حامل سوز و ساز اٹھ — وقت طعام نوش ہے

اُردو انسائیکلو پیڈیا:- ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کی جانب سے اردو انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب کا کام شروع کیا گیا ہے اور اس کام کے لیے اہل علم کی ایک جماعت بھی قائم کی گئی ہے۔ بڑی تقطیع کے (۱۶) صفحے پر ایک نمونہ بھی چھپا ہے جو ہمارے ہاں بغرض تنقید و تبصرہ وصول ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الشان کام ہے اگر یہ کام خواہ اس کی نوعیت کیسی ہی ہو ختم ہو جائے تو اردو ادب کی ایک بڑی خدمت ہو گی اور یقیناً اس وقت حیدرآباد کا ادارہ ادبیات تعریف و تحسین کا مستحق ہو گا اس علمی کام میں اہل علم حضرات کے تعاون کی سخت ضرورت ہے امید کہ اہل علم حضرات اور اصحاب ذوق اس کام کی تکمیل میں ادارہ ادبیات کی ممکنہ اعانت کریں گے۔!

تصانیف حضرت بندہ نوازؒ:- نواب غوث یار جنگ بہادر صوبہ دار گلبرگہ شریف کا دور صوبہ داری جہاں گلبرگہ شریف کے لیے انتظامی حیثیت سے ایک فال نیک ثابت ہو رہا ہے۔ وہاں ایک علمی نقطۂ نظر سے بھی قابل استحسان بن رہا ہے۔

حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ (م ۸۲۵ھ) کی ہستی ایک متقدمین صوفیائے کرام سے تھی۔ جو نہ صرف دکن سے تحقیقی طور پر معروف ہے بلکہ اپنی بزرگانہ عظمت و جلالت کے اعتبار سے ہندوستان میں بھی مشہور ہے۔

نواب صوبہ دار صاحب ممدوح نے خصوصیت کے ساتھ آپ کے "روضہ" کے انتظامات پر توجہ فرمائی۔ "روضتین" کا ایک کتب خانہ بھی قائم فرمایا۔ جس کی ایک انتظامی مجلس بھی ہے جو حضرت ممدوحؒ کی تصانیف کی اشاعت کی جانب مائل ہے۔ اس کے قبل بھی بعض دردمندوں نے بہ خود خود اس سلسلے کی طرف توجہ کی تھی لیکن نواب صوبہ دار صاحب اپنے علمی ذوق کے باعث اس سلسلے کو سلسلۃ الذہب بنانے کی سعی مشکور فرما رہے ہیں۔ اور ممدوح کو اس کام کے لیے مولوی حافظ سید عطا حسین صاحب ایم۔ اے۔ سی۔ ای۔ ناظم (وظیفہ یاب) سررشتہ تعمیرات سرکار عالی جیسی شخصیت ہاتھ لگ گئی ہے۔ اور وہ ممکنہ کوششوں کے ساتھ کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں:-

۱:- جوامع الکلم (ملفوظات) مرتبہ حضرت سید محمد اکبر حسینی خلف اکبر حضرت بندہ نوازؒ۔ یہ ملفوظات تاریخ وار ہے۔ رجب ۸۰۲ھ سے شروع ہو کر ربیع الثانی ۸۰۳ھ ختم ہو جاتے ہیں۔ نواب معشوق یار جنگ بہادر اور نواب یٰسین جنگ بہادر (عہدہ داران وقت) کی توجہ پر مولوی حافظ محمد حامد صدیقی (مولوی کامل۔ منشی فاضل) لکچرار دینیات گلبرگہ کالج نے ایک مختصر سوانح عمری کیا تھ

اپنی تصحیح و تحشی سے ۱۳۵۶ھ میں شائع کیا ہے۔ (۵۴۳) صفحات علاوہ صفحات عرض حال و سوانح (۲۶)۔ قیمت (عہ) - دو روپیہ آٹھ آنہ

۲: — خاتمہ۔ شیخ الطریقت حضرت ضیاالدین ابو النجیب عبدالقادر سہروردیؒ (۴۹۰ھ - ۵۶۳ھ) کی تصانیف کے من جملہ ایک تصنیف "آداب المریدین" (عربی) بھی ہے۔ حضرت بندہ نوازؒ اس کے کئی ایک (عربی و فارسی) ترجمے کیے۔ ۸۱۳ھ ہجری میں (غالباً) چوتھی مرتبہ فارسی میں ترجمہ کیا۔ ان مختلف ترجموں اور شرحوں کے درمیاں ۸۰۸ھ میں ایک "خاتمہ" بھی لکھا (صفحہ ۱۳ فقرہ ۱۹۴) مولوی عطا حسین صاحب نے ذاتی ذوق کی بنا پر اپنی صحت و اہتمام کے ساتھ ۱۳۵۶ھ میں شائع کیا۔ قیمت (عہ) صفحات (۲۳۶) مقدمہ (۱۴۴) صفحے۔ **۳:** — ترجمہ آداب المریدین یہ ترجمہ خاتمہ کے بعد ۱۳۵۸ھ میں اسی ذاتی ذوق کی بنیاد پر مولوی صاحب موصوف نے شائع کیا۔ جملہ صفحات مع مقدمہ وغیرہ (۳۹۶)۔ قیمت (عہ)

۴: — خطائر القدس (رسالہ عشق حقیقی) عشق الٰہی موضوع ہے۔ ۸۲۳ھ میں یہ وجدانی مضامین ختم ہوئے۔ اور اسی کتاب سے سلسلہ مطبوعات روضتین (گلبرگہ شریف) کا آغاز ہوتا ہے یا محرکات غوثیہ کا! نواب صوبہ دار صاحب اس کی تصحیح و تحشی کے لیے خاتمہ اور ترجمہ آداب المریدین کی مدنظر مولوی عطا حسین صاحب ہی کا انتخاب کیا۔ اور فی الحال اس سے بہتر شاید ہی کوئی اور انتخاب ہو تو ہو! مولوی صاحب موصوف کے زیر اہتمام حضرت کے رسائل اور فارسی دیوان زیر طبع ہے۔ نواب صوبہ دار صاحب کا علمی حیثیت سے خود سجادگان روضتین اور دیگر اہل علم ہاتھ بٹائیں تو ممکن ہے کہ حضرتؒ کی دیگر تصانیف بھی زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو جائیں۔

رسالۂ عشق حقیقی۔ اپنی آخری فصل کے ساتھ شائع ہوا ہے جو اکثر نسخوں میں شریک نہیں ہے جملہ صفحے (۲۱۵)۔ قیمت (عہ) — ان چاروں کتابوں کی تعلیع (رائل سائز ۱۶) ہے لکھائی چھپائی۔ اور کاغذ بہت عمدہ۔ یہ جملہ کتابیں کتب خانہ روضتین گلبرگہ شریف (حیدرآباد دکن) سے مل سکتی ہیں۔

قومی کارکنوں کے مشاغل: — تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آئی ہے اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی مرضی پر چلتے ہیں اور اپنے حکم سے ان کو اندھیرے سے روشنی میں لیجاتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے (قرآن)

خدائے تعالیٰ کی مرضی اور سلامتی کی راہوں کا پتہ چلا لینا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ ان راہوں کو انسان کے قدم کیسے طے کریں لہذا خداوند عالم نے انسانوں ہی میں سے ایک انسان کو دیا برگزیدہ اور کامل بنایا جس نے سلامتی کی تمام راہیں خود چل کر ہمیں بتادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

تمام تر قرآن تھی جو شخص قرآن کو دینی زندگی کا دستور العمل
بنانا چاہتا ہے اس کے لیے ازبس ضروری ہے کہ
حضور کی سیرت طیبہ سے واقف ہو۔ مسلمان کی یہ کتنی
خوش قسمتی ہے کہ ہدایت کے یہ دونوں آفتاب
و ماہتاب کتاب و سنت آج بھی اسی طرح اپنی
پوری روشنی سے چمک رہے ہیں جس طرح کہ
تیرہ سو برس پہلے ریگستان عرب میں چمک رہے
تھے لہذا آج مسلم کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد
کتاب الہٰی اور سنت نبوی ہونا چاہیے اور جب تک
زندگی کا ہر عمل اس کی تائید نہ کرے اس وقت
تک مسلم دنیا میں زندہ اور طاقتور نہیں رہ سکتا
جسمانی اور روحانی حیثیت سے عمل ہی نجات کا ایک
موثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کے مشاغل:۔ ۱۵ رجب
سال حال جامعہ نظامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد حضرت
والاشان ولیعہد بہادر کی صدارت میں منعقد ہوا
اور اسی مسرت میں نظامئین نے حضرت ولیعہد بہادر
کی خدمت میں پرخلوص اور مودبانہ ہدیہ استقبال
پیش کرنے کی عزت حاصل کی اور امیر جامعہ نے
اپنے سپاسنامہ میں احساس مذہبی کے انحطاط اور
علوم دینیہ سے عام بے توجہی کا ذکر کرتے ہوئے
فارسی امتحانات کے قیام کا اعلان فرمایا۔
جواب میں حضرت والاشان بہادر نے اپنے خطبۂ
صدارت میں جن زرین اور پاکیزہ خیالات کا اظہار
فرمایا ہے وہ مسلمانوں کے تمام تعلیمی اداروں کے
نام دعوت فکر اور پیغام عمل کی حیثیت رکھتا ہے خدا
کرے کہ ہمارے قومی کارکن اصحاب قول سے پہلے
عمل کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۹ مہر۔ گنیش اُتسو کی تقریب میں مسز
سروجنی نائیڈو کی صدارت میں نواب بہادر یار جنگ
بہادر نے بمقام حشمت گنج جو تقریر فرمائی ہے اس کا
ملخص یہ ہے (۱) جو شخص مذہب کو جسقدر پہچانے
گا اسی قدر وہ دوسرے مذاہب کا احترام کرے گا
حیدرآباد دو سو سال سے اس روایت کا حامل تھا
ہر مسلمان کا آغوش ہندو کے لیے اور ہندو کا مسلمان کیلئے
کھلا ہوا تھا لیکن ۲۵ سال سے فضا مکدر ہو گئی یہ
ناخوشگوار فضا صرف ایک فرقہ کی آفریدہ ہے جس کی
بنیادیں فتنہ و فساد پر کھل گئی ہیں یہ وہ مذہب ہے
جس کی خود مسٹر گاندھی نے مذمت کی ہے۔
۲۔ ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں کسی سے بیر نہیں
البتہ اختلافات صرف ہندو زعماء اور مسلمانوں کے قائدین
کے درمیان ہیں اور یہ سب سیاسی نقاط کی وجہ سے ہوتے ہیں
دکن کی سطح مرتفع ہمیشہ ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی حامی رہی
ہے اور یہ وہ تعلقات ہیں کہ کبھی بھی فتنوں کے پیدا ہونے
سے برباد نہیں ہو سکتے۔ ۳۔ ہر مذہب نے پریم اور آشتی کی
تعلیم دی ہے اور بہت سی ناواقفیت کی بنا پر افتراق پیدا
ہوتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ مجھے رکھا ہوتا ہے جب وہ پرانی صحبتیں یاد آتی ہیں ہمارے خاندان کو کوئی صدمہ ہوتا تو
بھی لالہ جی کا خاندان آرام سے سو نہیں سکتا تھا وہ دیوالی کی راتیں اور ہولی کا تہوار یاد ہے اور وہ بھیا جسکے
ہاتھوں پھینکا ہوا گلال نہیں بھول سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مذہب یا فرقہ واریت

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر میخواں چو محمل را گراں بینی

آفتاب اسلام مکہ کی وادیوں سے طلوع ہونے لگا تو دنیا عجیب انتشار اور پریشانی کی حالت میں تھی۔ ہر مذہب کے پیروؤں کا نظام اخلاق پراگندہ ہو گیا تھا۔ راستی اور صداقت کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی تھی اپنے اغراض ذاتی کے لیے ہر ایک برائی کا اختیار کر لینا اور ہر ناجائز طریقے سے کام لینا حق بجانب اور جائز سمجھا جاتا تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذاہب اس وقت دنیا کے سب سے زیادہ وقیع اور معتبر مذاہب سمجھے جاتے تھے۔ بطور نمونہ اور مثال کے قرآن مجید میں سورۂ بقرہ اور آل عمران میں ان مذاہب کے اخلاقی تنزل اور پستی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کی کمزوریوں اور نقائص کو گن گن کر بتایا گیا ہے۔ اسی پر دیگر مذاہب کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں مذہب آسمانی تھے تو ان میں یہ خرابیاں کیسے پیدا ہوئیں۔ اس کا مختصر اور آسان جواب تو یہ ہے کہ یہ مذاہب اپنے اصلی خد و خال اور شکل و صورت پر باقی نہیں رہے تھے۔ ان کے پیروؤں سے اپنے اغراض نفسانی اور دنیوی خواہشات کی بنا پر ان کے احکام میں تحریف کر دی تھی۔ اور اس کی صورت کو اس طرح بدل دیا تھا کہ مذہب کی روح ان میں باقی نہیں رہی تھی بلکہ اس کا خالی خولی ڈھانچہ رہ

گیا تھا اور جب کسی مذہب کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو وہ مذہب نہیں رہتا بلکہ فرقہ واریت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ مذہب میں یہ تبدیلی یا تحریف کن وجوہ و اسباب سے پیدا ہوئی اور کس طرح اس نے رفتہ رفتہ اس کی اصلی صورت و شکل کو بدل دیا۔ ذیل کے سطور میں ہم ان ہی امور سے بحث کرنے کی کوشش کریں گے۔

فرقہ واریت اور اہل سیاست

فرقہ واریت کی کوئی جامع و مانع تعریف تو نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے آثار و علامات سے اُن کا ایک دھندلا سا تصور ذہن میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ وہ مرض ہے جس نے نہ صرف مذہب کے مصلحین و مبلغین کو حیران و پریشان کر رکھا ہے بلکہ اس کے دست تظلم سے اہل سیاست بھی کچھ کم شاکی و نالاں نہیں کیونکہ اس کا تباہ کن اثر حیات انسانی کے ہر شعبہ کو گھن کی طرح کھاجاتا ہے۔ سیاست اور علم اور معاشرت و تہذیب و تمدن سب کو اس نے اپنے نت نئے کرتوتوں سے تباہی اور بربادی کے گڑھے میں ڈھکیل دینے کی کوشش کی ہے۔ اور ہر شعبہ کے مصلحین اور مجددین اس کے دفعیہ کے لیے جد و جہد کرتے رہے ہیں اور تاریخ کے صفحات ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

چونکہ فرقہ واریت ہمیشہ مذہب کا لباس اُوڑھ کر سامنے آتی ہے۔ اس لیے موجودہ زمانے کے سیاسیین نے اس کے تمیز کرنے میں دھوکا کھایا۔ اور یہ رائے قائم کر لی کہ مذہب نے ہمیشہ دنیا میں پھوٹ اور نفرت اور عداوت اور تفریق و انتشار کی تخم ریزی کی ہے۔ وہ قومی یکجہتی اور وحدت سیاسی کو پیدا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس لیے اعلیٰ سیاست میں اب کوئی جگہ مذہب کے لیے باقی نہیں رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ مذہب کو سیاسیات سے باہر کر دیا گیا ہے اور اس کی اہمیت محض ذاتی اور انفرادی حیثیت تک محدود ہو گئی ہے۔

یہ قول اس مذہب کے متعلق جس کی تہ میں فرقہ واریت چھپی ہوئی ہے۔

جو مذہب کی روح سے نا آشنا اور صحیح مذہبی اخلاق و اوصاف سے بیگانہ ہے ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن درحقیقت مذہب ہی حیات انسانی میں ایک ایسا عامل ہے جو نسل انسانی کو وحدت کی طرف بلاتا ہے۔ ان میں رواداری۔ بلند حوصلگی اور عفو و مسامحت اور بے تعصبی اور ہمدردی اور عدل و انصاف کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی مذہب میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تو وہ مذہب نہیں بلکہ فرقہ داریت یا دوسرے الفاظ میں مذہب کی بگڑی ہوئی شکل اور اس کا غیر صحیح مزاج ہے۔ جس کی اصلاح کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی ہے۔ جنھوں نے اپنے اپنے زمانے میں دین الٰہی سے جہالت اور تعصب اور نفسانیت کے پردے ہٹانے اور مذہب کو اس کے اصلی رنگ روپ میں جلوہ گر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان کوششوں کی تکمیل اور انتہا مذہب اسلام پر ہوئی ہے۔ اس لیے وہ آخری دین الٰہی اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہوئے۔

ان تمام کوششوں کی تفصیل اس وقت مجھ کو اپنے موضوع سے دور ڈال دیگی اور شاید یہ مختصر مقالہ اس تفصیل کا متحمل ہے۔ اس لیے اصلی مذہب کی تصویر پیش کرنے کیلئے میں اگر مذہب اسلام کو اپنے پیش نظر رکھوں تو مجھے امید ہے کہ غیر مذہب کے اشخاص مجھ کو معذور رکھیں گے۔ کیونکہ پہلے تو دیگر ادیان و مذاہب سے میری واقفیت محدود ہے۔ دوسرے یہ کہ مذہب اسلام خود اپنے آپ کو تمام مذاہب سابقہ کا تصدیق کرنے والا اور نمایندہ بتاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

اسلام نمایندہ مذاہب عالم

۱۔ وہذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ (انعام ۹۲)

۱۔ ہم نے ایک ایسی کتاب کو اتارا ہے جو مبارک ہے اور تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس کے سامنے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ہے۔

۲۔ وما کان ہذا القرآن ان یفتریٰ من

۲۔ اور یہ قرآن خدا کے سوا کسی دوسرے کا کوئی افترا نہیں ہے۔

دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (یونس ۳۷)

لیکن وہ تصدیق ہے اس کی جو اس کے سامنے ہے (انبیائے سابقہ کے ادیان کی) اور تفصیل ہے (کتب الٰہی) کی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ پروردگار عالم کی جانب سے ہے۔

اور جگہ ارشاد ہوا ہے۔

۴۔ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ (بقرہ ۹۸)

۴۔ اور جبریل علیہ السلام نے (قرآن) کو اتارا تمھارے دل پر اللہ کے حکم سے اور وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اس کے سامنے ہے اور ہدایت اور بشارت ہے مومنین کے لیے۔

اسلام کے محافظ ادیان اور دیگر مذاہب کے نمایندہ ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس نے دیگر پیغمبروں پر ایمان لانے کو جزو ایمان قرار دیا۔ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ انبیائے سابقین اور ان کی کتابوں پر ایمان نہ لائے۔ اور مسلمانوں کو یہ آداب سکھائے گئے کہ وہ پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت و ترجیح نہ دیں انھیں کہا گیا کہ۔

قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ (بقرہ ۱۳۶)

کہو ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس کی اس کتاب پر جو اتاری گئی ہم پر اور جو اتاری گئی ابراہیم اسمٰعیل۔ اسحٰق یعقوب اور ان کی اولاد پر اور اس پر جو کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو دی گئی۔ ان کے رب کی طرف سے ہم کوئی فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی کے درمیان اور ہم اس کو تسلیم کرنے والوں میں ہیں۔

اس لیے اگر میں نے اپنے اس مضمون میں مذہب اسلام کے احکام کو پیش کیا اور

جگہ جگہ اس کا نام لیا ہے تو گویا میں نے تمام مذاہب کی نمایندگی کی اور تمام طور پر ان کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلام کیلئے عرب کی سرزمین کو کیوں اختیار کیا گیا

بظاہر یہ امر تعجب خیز معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ظہور کے لیے ارضِ عرب کو کیوں انتخاب کیا گیا۔ اور اتنے بڑے مشن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو قوم عرب میں سے کیوں چنا گیا۔ جس کی وجہ سے قوم عرب کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ وہ تمام دنیا کی قوموں کے لیے نظیر اور مثال اور نمونہ بنائی گئی۔ اور اس کی شان میں کہا گیا کہ لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (تاکہ تم دوسروں کے لیے نظیر بنو اور رسول تمہارے لیے نظیر ہوں گے) لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب کی سرزمین ہی کئی وجوہ سے اسلام کی چمن بندی اور دین آخر کی گلکاری کے لیے موزوں تھی کیونکہ قدرت نے اس کو اب تک تمدن و تہذیب کی دست برد سے اچھوتا رکھا تھا۔ اس کی مثال ایک ایسے خودرو جنگل کی سی تھی جس میں انسانی ہاتھ نے کوئی قطع و برید نہیں کی تھی۔ وہ ایک ایسا میدان تھا جس پر اب تک کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی تھی۔ قدرت نے دین فطرت کے لیے ایک ایسی صاف سرزمین تلاش کی۔ جس میں اسلام کی بنیاد قائم کرنے کے لیے کھنڈروں اور ویرانوں کو صاف کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ اس نے اس خودرو جنگل کو اسی لیے انتخاب کیا کہ اپنی مرضی کے مطابق اس میں کانٹ چھانٹ کرے۔ روشیں نکالے۔ کیاریاں بنائے بعض درختوں کو باقی رکھے اور بعض کو قطع و برید کر دے۔ اور ایک نیا نمونہ دین الٰہی کا دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اور اقطاع عالم میں رہنے والوں کو بتا دے کہ آخری دین الٰہی کے سیدھے اور سیدھے سادہ اصولوں نے ایک اجڈ۔ جاہل ناتربیت یافتہ تہذیب و تمدن سے عاری بے دین۔ بے اصول منتشر و متفرق قوم کو چند ہی دنوں میں اخلاق مجسم اور پیکر عدل و انصاف تعلیم یافتہ مہذب و شائستہ اور متحد و متفق قوم بنا دیا کہ وہ تمام دنیا کے لیے اپنی سیدھی سادہ طرز معاشرت مساوات۔ ہمدردی۔ تقویٰ و طہارت اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے نمونہ و مثال ہو گئی۔ جس نے بہت سی قوموں کو بنایا۔

بہت سوں کو اپنا یا بہتیروں کی کایا پلٹ کر دی۔ ہزاروں کو حضیض تنزل سے نکالکر اوج ترقی پر پہنچا دیا۔ آزادوں کو حقیقی معنی میں آزاد کیا اور غلاموں کو غلامی سے نکالکر تخت شاہی پر بٹھایا۔ اور عملی طور پر بتایا کہ اسلام درحقیقت ایک متحرک طاقت۔ ایک زندہ تحریک۔ ایک برقی قوت ہے۔ جو قوموں میں جوشِ عمل اعلیٰ اخلاق۔ بلند حوصلگی۔ عزت نفس اور بہترین کردار پیدا کرتی ہے۔ مساوات۔ اور عدل و انصاف اور رواداری کا سبق سکھاتی ہے۔ اور ان میں ترقی علم و تہذیب و تمدن کی راہیں کھول دیتی ہے۔ ان امور کے ثابت کرنے کے لیے ہندوستان میں سلطنت غلاماں مصر میں کافور اخشیدی اور وسط ایشیا میں چنگیز خاں کی اولاد اور ترکوں اور دیگر عجمی خاندانوں اور خانوادوں اور حکومتوں کی مثالیں اسلامی تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی پڑی ہیں لیکن اس موقع پر میں ایک ایسی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جو علوم کی سیادت اور دینی ریاست سے متعلق ہے۔ حکومت دنیوی کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسباب و حالات ایسے جمع ہو گئے تھے کہ حکومت کی باگ مذکورۃ الصدر اشخاص کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو قصد و ارادہ کے ساتھ عمل میں لائی گئی ہو۔ لیکن علم دین کی سیادت کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے نسل و قوم کے تمام امتیازات کو مٹا کر محض تقویٰ و طہارت اور علم و فضل کو وجہ شرف و امتیاز قرار دیا اور "اِنّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقیٰکم"[1] کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

امام زہری اور عبدالملک کا مکالمہ

امام زہری سے منقول ہے۔ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس آئے۔ عبدالملک نے پوچھا:۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

امام:۔ مکہ سے!

عبدالملک:۔ تم نے کس کو اپنے پیچھے اہل مکہ پر سرداری کرتے ہوئے چھوڑا؟"

امام:۔ عطاء بن ابی رباح کو۔"

:۔ کیا وہ اہل عرب سے ہیں یا موالی میں سے؟"

:۔ موالی میں سے (موالی مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں)

---

[1] ۔ تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ۱۲۔

:۔ کس بنا پر وہ سرداری کر رہے ہیں ؟"

:۔ دیانت اور روایت کی بنا پر (یعنے علم حدیث کے ماہر اور تقویٰ و طہارت، اخلاق کے مالک ہیں۔)

:۔ بیشک ! اہل دیانت و روایت کو حق ہے کہ وہ سرداری کریں۔ تو اہل یمن پر کون سرداری کر رہا ہے ؟" طاؤس بن کیسان!

:۔ عربوں سے ہیں یا موالی میں سے ؟"

:۔ موالی میں سے !"

:۔ کس بنا پر وہ ان کی سرداری کر رہے ہیں ؟"

:۔ اسی بنا پر جس پر کہ عطا سرداری کر رہے ہیں !"

:۔ بیشک ایسا ہی ہونا چاہئے۔ تو اہل مصر کی سرداری کون کر رہا ہے ؟"

:۔ یزید بن ابی حبیب۔

:۔ عربوں سے ہیں یا موالی میں سے ؟"

:۔ موالی میں سے۔

:۔ اہل شام کی سرداری کون کر رہا ہے ؟"

:۔ مکحول۔

:۔ عربوں سے ہیں یا موالی میں سے ؟

:۔ موالی میں سے۔ وہ ایک نوبی غلام تھے۔ جن کو ہذیل کی ایک عورت نے آزاد کیا تھا۔

:۔ اہل جزیرہ کی کون سرداری کر رہا ہے ؟

:۔ میمون بن مہران۔

:۔ عربوں سے ہیں یا موالی میں سے ؟"

:۔ موالی میں سے۔

:۔ اہل خراسان کی کون سرداری کر رہا ہے ؟"

:۔ ضحاک بن مزاحم۔
:۔ عربوں سے ہیں یا موالی میں سے ؟"
:۔ موالی میں سے۔
:۔ اہل بصرہ کی کون سرداری کر رہا ہے ؟"
:۔ حسن بن ابی الحسن۔
:۔ وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ؟"
:۔ موالی میں سے۔
:۔ اہل کوفہ کی کون سرداری کر رہے ہیں ؟"
:۔ ابراہیم النخعی۔
:۔ وہ عربوں سے ہیں یا موالی میں سے ؟"
:۔ عرب ہیں۔
:۔ اے زہری ! خدا تمہارا بھلا کرے۔ اب کہیں مجھے تسکین ہوئی۔ بخدا موالی عربوں پر اسی طرح سرداری کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ منبروں پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا اور عرب ان کے ماتحت ہو جائیں گے۔

امام زہری نے کہا :۔ امیر المومنین ! یہ خدا کے احکام اور اس کے دین کا معاملہ ہے جو اس کی حفاظت کرے گا وہ سردار ہوگا اور جو اس کو ضایع کرے گا۔ وہ گر جائے گا۔"

عبد الملک کا زمانہ ہجرت نبوی سے یک صدی کے اندر کا زمانہ ہے اس قلیل عرصے میں غور کرنے کی بات ہے کہ کس طرح اسلام نے غلاموں کو علوم دین کی صدارت کی کرسی پر بیٹھا دیا۔ اور وہ مسلمانوں کے اس سرے سے اس سرے تک پیشوا اور رہبر ہو گئے۔ اور اس میں کسی قسم کی تنگ نظری اور تعصب اور طرفداری کو کام میں نہیں لایا گیا۔ اور مدار فضیلت محض دیانت و تقویٰ کو قرار دیا گیا۔ کیا آج بھی مسلمان اپنے دینی معاملات میں اسی وسعت قلب اور غیر جانب داری اور جذبۂ حق

پرستی کا اظہار کرنے کے لیے تیار ہیں جس کی تعلیم اسلام نے اُن کو دی۔ اور سلف صالح نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ کہ کس طرح غیر اپنے بن گئے۔ اور بیگانہ آشنا ہو گئے۔ اور اسلام کی اشاعت اور مقبولیت کے لیے خود بخود راستہ صاف ہو گیا۔

اسلام اور فرقہ واریت اُسوقت اسلام کی آمد دنیا میں اس لیے ہوئی تھی کہ وہ اصل مذہب کے خد و خال کو تحریف و تصحیف کے خس و خاشاک سے پاک کرے۔ اور "فرقہ واریت" کے گرد و غبار کو اس کے نورانی چہرے سے ہٹائے۔ قرآن کی زبان میں دین الہٰی کا دوسرا نام ہی اسلام ہے چنانچہ کہا گیا

۱۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (قف) وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

(آل عمران ۱۹)

بے شک دین اللہ کے پاس اسلام ہے۔ اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا۔ مگر اس وقت جب کہ ان کو اچھی طرح (اس کی صحت کا) علم ہو گیا تھا (اور یہ) باہمی نا فرمانی کی وجہ سے تھا۔ اور جو شخص اللہ کی کتابوں سے انکار کرتا ہے تو اللہ بہت جلد اس سے حساب لینے والا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

۲۔ فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا۔ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ۔ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ سورہ روم ۲۹۔

تمام بُری باتوں سے روگردانی کر کے دین الہٰی کی جانب اپنے منہ کو پھیر دو جو اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اور یہی دین سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ایک دوسری جگہ قرآن میں حضرت ابراہیم کو حالانکہ آپ کا زمانہ بعثت نبوی سے کئی ہزار سال پہلے کا ہے۔ لفظ مسلم سے یاد کیا گیا اور کہا گیا۔

۳۔ ماکان ابراہیم یہودیا ولانصرانیا ولکن کان حنیفاً مسلماً وماکان من المشرکین (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ (برائی) سے روگردانی کرنے والے مسلمان تھے۔ اور نہ وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔

جب سابقہ مذہب کی اصلاح اور تنقیح و تہذیب ہر پیغمبر کا اہم مشن رہا ہے تو

اسلام جو خاتمہ ادیان ہے کس طرح اس اہم فریضہ سے عہدہ برآ نہ ہوتا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا گیا۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف - ۱۵۷)

وہ اُن سے اس بوجھ اور بندھنوں کو دور کرتے ہیں جو اُن پر (عرصہ دراز) سے پڑے ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں جا بجا جس طرح فرقہ واریت کی مذمت کی گئی۔ اس طرح کسی اور چیز کی نہیں کی گئی۔ ایک جگہ اس کو شرک کی خصوصیات میں سے ظاہر کیا گیا جس کو قرآن تمام خرابیوں کی جڑ اور انسانیت پر ظلم عظیم قرار دیتا ہے۔ اگر اس موقع پر چند آیات جن سے فرقہ واریت کے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر معلوم ہو درج کی جائیں تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔

۱۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

(بقرہ ۲۱۳)

لوگ ایک ہی اُمت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو جو بشارت دینے اور ڈرانے والے تھے بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری جو برحق ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلاف کے بارہ میں فیصلہ کرے اور یہ اختلاف انھیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب پہنچ چکی تھی یہ سب اسی وقت ہوا جبکہ ان کو کھلی شہادتیں مل چکی تھیں لیکن آپس کی نافرمانی نے اس پر ان کو ابھارا پس اللہ نے ایمان والوں کو ان اختلاف کے بارے میں اپنے حکم سے حق بات کا راستہ بتایا اور اللہ ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

۲۔ فاقم وجہک للدین حنیفا۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا۔ لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً کل حزب بما لدیہم فرحون (روم ۔ ۲۹ تا ۳۲)

اپنا رخ اس دین کی طرف پھیر لو جو سیدھا ہے اور وہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو بنایا۔ اور اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور وہی دین استوار ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور ڈرو اور مشرک نہ بنو جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور گروہ در گروہ ہو گئے ہر ایک جماعت جو کچھ اسکے پاس ہے اسی پر خوش ہے۔

۳۔ وَاَنَّ ہٰذَا صِرَاطِي مُستقیماً فاتبعوہُ ولاتتبعوا السُّبلَ فتفرّق بکم عن سبیلہ۔ ذٰلکم وصّٰکم بہ لعلکم تتقون۔ (انعام ۱۵۳)

یہ میرا راستہ سیدھا ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ جاؤ کہیں وہ تم کو اس راہ سے نہ بھٹکا دیں اور اسی کی تم کو وصیت کی جاتی ہے تاکہ تم بچے رہو۔

۴۔ وَاِنَّ الذین اختلفوا فی الکتٰب لفی شقاق بعید۔ (بقرہ ۔ ۱۷۶)

جن لوگوں نے کتاب (الٰہی) میں اختلاف پیدا کیا۔ انھوں نے بڑی پھوٹ ڈالی۔

۵۔ وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لھم الذي اختلفوا فیہ وھدیً ورحمۃً لقوم یومنون (نحل ۶۴)

ہم نے یہ کتاب اسی لیے تم پر نازل کی ہے کہ تم لوگوں کو بتا دو وہ بات جس کے بارے میں انھوں نے اختلاف کیا اور یہ ہدایت ہے اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

۶۔ وما کان الناس الا امۃً واحدۃً فاختلفوا ولولا کلمۃٌ سبقت من ربک لقضي بینھم فیما فیہ یختلفون (یونس ۱۹)

لوگ ایک ہی امت تھے۔ اس کے بعد انھوں نے اختلاف کیا اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی سے ایک بات مقرر نہ ہو جاتی تو ان کے اختلاف کے متعلق کوئی فیصلہ کر دیا جاتا۔

۷۔ ولقد بوّانا بني اسرائیل مبوّا صدقٍ ورزقنٰھم من الطیبٰت فما اختلفوا حتی جاءھم العلم۔ ان ربک یقضي بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون (یونس ۹۳)

ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا اور ان کے کھانے کو پاکیزہ چیزیں دیں اس کے بعد انھوں نے اختلاف کیا جان بوجھ کر۔ جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان کے متعلق تیرا رب قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔

۸۔ واتینٰھم بینٰت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم ان ربک یقضي بینھم یوم القیامۃ

ہم نے ان کو کھلی کھلی باتیں بتا دیں لیکن وہ جان بوجھ کر بھی لڑائی جھگڑے کے لیے اختلاف کرنے لگے۔ تیرا رب قیامت کے دن۔

فیما کانوا فیہ یختلفون ۔ ثم جعلنٰک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (جاثیہ ۱۷-۱۸)

ان کے ان اختلافات کا فیصلہ کرے گا پھر ہم نے تجھ کو ہدایات کا ایک طریقہ بتا دیا ہے اس کی پیروی کر اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ جا جو نہیں جانتے۔

۹۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تھتدون ۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰت واولٰئک لھم عذاب عظیم۔ (آل عمران - ۱۰۲ تا ۱۰۴)

اللہ کی رسی کو سب کے سب مضبوط تھامے رہو اور الگ نہ ہو جاؤ اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے لیکن اللہ نے تم کو اس سے بچایا اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تم کو بتاتا رہتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لوگوں کو چلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے پھوٹ ڈالی اور باوجود کھلی شہادتوں کے اختلاف کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیئے بڑا عذاب ہے۔

مذہب میں فرقہ واریت کی راہ کس طرح کھلتی ہے

مذہب پر ادبار و تنزل کی حالت اس وقت طاری ہونی شروع ہوتی ہے جب کہ اس کے پیرو اس کے احکام کی تعمیل میں خلوص نیت سے کام نہیں لیتے ۔ ان کے عبادات اور اعمال میں ریاکاری اور نام و نمود کا دخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ مذہب کی روح کمزور اور مضمحل ہونے لگتی ہے ۔ اور احکام اور عبادات جو اس روح کو تازہ

رکھنے کا ذریعہ ہوتے اور وقتاً فوقتاً اس میں نئی زندگی اور نئی قوت بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ خود مقصود بالذات ہو جاتے ہیں۔ اور مذہب بطور اسم و رسم صرف چند اعمال کی بجا آوری کا نام ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہر ایک مذہبی عبادت ایک خاص مطمح نظر اور مقصود اور ثمرہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ چنانچہ اس پر مختلف آیات قرآنی اور احادیث نبوی دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً نماز کے متعلق کہا گیا ہے۔ انّ الصّلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآءِ و المنکر والبغی[1]۔ روزے کے متعلق ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ میں جھوٹ بولے اور دوسرے منہیات سے باز نہ آئے تو خدا کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہے۔ اور حج کے متعلق کہا گیا ہے۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج[2]۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یعنے وہ قرآن تو پڑھیں گے لیکن اس سے عبرت و بصیرت حاصل نہیں کریں گے اور اس سے ان کے دل متاثر نہیں ہوں گے۔

اور اسی طرح زکوٰۃ اور دوسرے اعمال و وظائف عبادت کے متعلق احادیث میں صراحت ہے اور علمائے محققین نے اس پر مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جا سکتا ہے کہ آج مسلمانوں کے اعمال و افعال میں کہاں تک خلوص نیت ہے اور ان کے نفوس کس حد تک مذہب کی اصل روح سے آشنا ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ عبادات کی پابندی کے باوجود کیوں اس کے ثمرات تزکیہ نفس اور اخلاق فاضلہ کی صورت میں پیدا نہیں ہوتے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو بظاہر مذہبی احکام کے پابند نظر آتے ہیں۔ اور جو مذہبی اوامر و نواہی پر سرے سے کاربند ہی نہیں ہیں۔ وہ کہاں تک اسلام اور مسلمانوں کی نمایندگی کر سکتے ہیں۔ اور ان کا حفاظت اسلام کا ادعا کہاں تک بجائے خود ہو سکتا ہے۔ مذہب کی روح سے اس ناآشنائی کو دوسرے الفاظ میں مذہبی تھاون یا اہمال انگاری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اس میں ایک بڑی حد تک علما کی غفلت کو بھی دخل ہے

---

[1] نماز منع کرتی ہے فحش اور بری باتوں اور نافرمانی سے ۱۲۔

[2] فحش اور بدکاری کی باتیں اور لڑائی جھگڑا حج میں نہیں ہونا چاہیے ۱۲۔

کیونکہ جب وہ اپنے فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ اصلاح کے لیے، جد و جہد کریں خود بھی عوام کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں تو اخلاقی پستی اور مذہبی تنزل قوم میں عام ہو جاتا ہے۔ جس قوم کے مذہبی اعمال و افعال کی عام طور پر یہ صورت ہو جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے صفوف میں فرقہ واریت نے اپنا پہلا قدم جما لیا۔ مولانا جامیؔ نے ذیل کے اشعار میں ایسے اشخاص کے متعلق بالکل صحیح کہا ہے۔

شیخ خود بیں کہ با سلام بر آمد نامش — نیست جز زرق و ریا قاعدۂ اسلامش

خویش را واقف اسلام شناسد لیکن — نہ ز آغاز و قوفست و نہ از انجامش

جز قبول رن عامش نبود کام و لے — میکند رد دل خاص قبول عامش

مذہب میں تحریف کے وجوہ و اسباب | جب مذہب کی روح مضمحل ہو جاتی ہے اور ظاہری رسوم حقیقت و معنی کی جگہ لے لیتے ہیں تو قوم میں اخلاقی تنزل و ادبار پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کو محسوس کر کے اس کو دور کرنے کے لیے مذہب میں بعض باتیں نئی داخل کر دیتے ہیں۔ اور بجائے خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں حالانکہ وہ عین افساد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے مذہب میں تحریف کی راہ کھل جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم ایسے امور کو داخل مذہب سمجھ لیتی ہے جس کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور ایسے امور کی پابند ہو جاتی ہے۔ جس کی پابندی مذہب نے ان پر عائد نہیں کی۔ رفتہ رفتہ غیر ضروری رسوم میں وہ اس قدر جکڑ دی جاتی ہے کہ اس کے قوائے علم و عمل بیکار ہو جاتے ہیں مجھکو اسکے متعلق غیر اقوام کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔ خود مسلمانوں کی معاشرت اور تہذیب و تمدن اسلام کے سیدھے راستے سے جیسی کچھ ہٹ گئی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بہت سے رسوم اور رواج اور اعمال ان میں غیر ضروری طور پر مذہبی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اور عام و خاص ان پر عمل کرنے کے لیے اپنے آپ کو مثل مذہبی احکام کے بے بس اور مجبور پاتے ہیں اسی لیے اسلام نے دین میں غلو کرنے سے منع کیا ہے گزشتہ ادیان میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں ان کی ایک بڑی وجہ دین میں غلو بھی ہے چنانچہ

کہا گیا۔ یا اہل الکتاب لاتغلوا فی دینکم۔ (اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو)
اسی طرح جب کسی مذہب میں غلو اور غیر ضروری امور کو اہمیت دینے کے باعث تحریف کی راہ کھل جائے تو وہ مذہب مذہب نہیں رہتا بلکہ فرقہ واریت ہو جاتا ہے۔

فرقہ واریت کے نتائج | فرقہ واریت کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملت میں تفرق و انتشار پیدا ہو جاتا ہے ان فرقوں میں کوئی مابہ الاشتراک غرض جس میں وہ سب متحد ہو سکیں باقی نہیں رہتی۔ اور فروعات امہات المسائل کی جگہ لے لیتے ہیں تعصب۔ خود غرضی۔ جمود اور تقلید کورانہ اور جہالت اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے وہ ہر مسئلہ کو ایک محدود نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور تصویر کا ایک ہی رخ ان کے سامنے ہوتا ہے۔ دوسرے رخ پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ اعلیٰ حوصلگی اور بلند خیالی اور رواداری کے صفات اُن سے غائب ہو جاتے ہیں۔ عقل و تدبیر سے کام لینا نہیں جانتے۔ بے عملی اور احساس پستی اس کے افراد میں عالمگیر ہو جاتا ہے۔ اپنے فائدے کے لیے جمہور کے مفاد کو نظر انداز کرنا۔ اور اپنے چھوٹے سے نقصان کے مقابلہ میں دوسروں کے بڑے سے بڑے نقصان کو گوارا کرنا ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

ماضی سے وابستگی اور حال و استقبال سے بے پروائی | وہ بہ نسبت حال و استقبال کے اپنے ماضی سے زیادہ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حال کی اصلاح اور مستقبل کے پروگرام کے لیے ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن جو قوم محض ماضی پر تکیہ کر کے بیٹھ رہے اور زمانۂ موجودہ کے مسائل کو ماضی کے تجربے کی بنا پر حل کرنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے مستقبل پر نظر نہ رکھے وہ کشمکش حیات میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جمود اور تقلید پرستی اس کے تمام قوائے عمل کو معطل کر دیتی ہے۔ اور اس میں تنزل و انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی قومیت کی عمارت جو روایات ماضی کے مال مسالہ سے تیار کی گئی تھی کہنہ اور فرسودہ ہو کر گرنے لگتی ہے۔ قرآن مجید نے اعتبار و نصیحت کے لیے بطور مثال جا بجا ماضی کی جانب توجہ دلائی اور گزشتہ اقوام کے حالات کو ہدایت و بصیرت حاصل کرنے اور صحیح راہ عمل متعین کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ لیکن وہ تقلید کورانہ اور ماضی پر بھروسہ

کرنے کی مذمت کرتا ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے۔

۱۔ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔	کہہ سیر کرو زمین کی اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا نتیجہ کیا ہوا۔
۲۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم۔ (بقرہ - ۲۱۴)	کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور تم کو ان واقعات سے دوچار ہونا نہیں پڑیگا جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے۔
۳۔ فہل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلہم۔ (یونس - ۱۰۲)	کیا وہ توقع نہیں رکھتے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی مثالوں کی۔
۴۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل (احزاب - ۳۸)	یہ اللہ کی سنت ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزرے تھے۔
۵۔ ولقد انزلنا الیکم آیات مبینات ومثلا من الذین خلوا من قبلکم وموعظۃ للمتقین (نور - ۳۴)	اور ہم نے تمھاری طرف اتاریں کھلی نشانیاں اور مثالیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے۔ اور نصیحت پرہیزگاروں کے لیے۔
۶۔ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔ بقرہ ۱۳۴	یہ وہ امت ہے جو گزر گئی۔ اس کے لیے وہ ہے جو اس نے حاصل کیا اور تمھارے لیے وہ جو تم نے حاصل کیا۔ اور تم سے ان کے افعال کی نسبت نہیں پوچھا جائے گا۔

تقلید پرستی کی حسب ذیل آیات میں مذمت کی گئی ہے۔

۱۔ وعلمتم مالم تعلموا انتم ولا آباؤکم (انعام - ۹۱)	اور تم کو معلوم کرایا گیا وہ جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا۔
۲۔ قال لقد کنتم انتم وآباؤکم فی ضلال مبین۔ (انبیاء - ۵۴)	کیا تم اور تمھارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے
۳۔ قالوا یا صالح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا انتنھانا ان نعبد ما یعبد اباؤنا واننا لفی شک مما تدعونا الیہ مریب (ہود - ۶۲)	کہا انھوں نے اے صالح اس سے پہلے ہم کو تم سے بہت سی امیدیں تھیں کیا تم ہم کو اسکی پرستش سے روکتے ہو جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا جدید صدر اعظم

ابتدا عالم سے دنیا کا قاعدہ ایک کا آنا اور دوسرے کا جانا رہا ہے دن رات کی تبدیلی اور موسموں کا فرق ہمارے مشاہدات میں آتے رہتے ہیں جن سے ہمیں ہر روز نیا سبق اور نئی عبرت حاصل ہوتی رہتی ہے مگر وہ نفوس جن کی طبیعت میں احساس کی کمی اور ناشکری کے جذبات رہتے ہیں ان کے لیے اس قسم کی قدرتی تبدیلیاں موجب طمانیت نہیں یہی حال انسانوں کے درمیان انقلابات کا ہے ترقی اور عروج زوال و پستی سے بنی نوع انسان کو گزرنا پڑتا ہے کسی کو کسی حال میں دوام حاصل نہیں۔

نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر جنھوں نے (۴۶) سال حیدرآباد میں صدر محاسب سے صدر اعظم ہو کر رہے آج حیدرآباد سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے اور اس عہدہ جلیلہ پر براحم خسروانہ نواب حافظ احمد سعید خاں بہادر کا انتخاب عمل میں آیا ہے جس پر ہمارے لیے حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں دنیا جب تک ہے اس وقت تک دنیا میں ایسا انقلاب آتے رہینگے دیکھنا یہ ہے کہ آنے والا عہد ملک و ملت کے لیے کس حد تک فائدہ بخش ہوگا۔

یہ امر موجب مسرت ہے کہ اہل ملک کو حضرت اقدس و اعلیٰ کے بے لوث تدبر اور حکیمانہ فراست پر کامل اعتماد ہے اور یہ یقین ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کا ہر انتخاب ملک و ملت کے لیے فیض رس اور مفید ثابت ہوگا کیونکہ حضرت اقدس و اعلیٰ کو اپنی عزیز رعایا سے جو محبت ہے اس کی کوئی نظیر آج دنیا کی کسی سلطنت میں نہیں مل سکتی جس کا یہ محمود اثر ہے کہ ہمارے جدید صدر اعظم رفعت مآب نواب حافظ احمد سعید خاں بہادر کی تشریف فرمائی کے وقت اہل ملک نے جس خلوص و مسرت سے استقبال کیا وہ اپنی آپ نظیر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قریب میں اہل ملک کے باہمی اشتراک میں اضافہ کے ساتھ ملک کے پہلے سے زیادہ اجتماعی سیاسی و اقتصادی تنظیم میں ایک خوشگوار فضا پیدا ہونے کی توقع پیدا ہوتی جارہی ہے اب اہل ملک کا فریضہ ہے کہ نواب صاحب معظم کے کاموں میں کامل تعاون کریں تاکہ راعی اور رعایا کے مفاد کی تکمیل ہو۔

نوابصاحب کے محاسن :- ہمارے جدید صدر اعظم رئیسان علی گڑھ اور بلند شہر کے ایک مشہور خاندان کے ممبر ہیں امیرانہ اوصاف کے حامل ہیں نیک طینت عالی حوصلہ اور حافظ قرآن ہونے کے علاوہ تو ی کاموں میں آپ کے جذبات بچپن سے اب تک رہے ہیں رئیس ہونے کے باوجود علم و مذہب اور قومی خدمات سے کبھی بھی کنارہ کشی اختیار نہیں کی ہر وقت اور ہر مشکل وقت میں آپ نے اپنے کو قوم کے سامنے خادم کی حیثیت سے پیش کیا ہے قدرت نے جہاں تدبر سنجیدگی انتظامی ہوشمندی کے قابلتیں عطا کی ہیں وہاں الجھے ہوئے معاملات کو خوبی سے سلجھانے اور اقوام ہند میں عمدہ تعلقات قائم رکھنے کا عطیہ بھی دیا ہے یہ وہ خصوصیات ہیں جس کی وجہ سے توقع ہے کہ نواب صاحب معز کا عہد وزارت حیدرآباد کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔

نواب صدر اعظم بہادر کی نشری تقریر

قلمدان وزارت کے حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلی مرتبہ آپ نے اہل ملک کو اس طرح خطاب فرمایا

جس کامل اعتماد کیساتھ ہمارے آقائے ولی نعمت نے میری سرفرازی فرمائی ہے اس کے پیش نظر ہیں مملکت آصفیہ کی رعایا کے ہر فرد اور ہر طبقہ کے ساتھ اعلیحضرت کے حکم اور منشائے مبارک کے مطابق حق وانصاف ادا کرنے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لاؤں گا۔ اب آپ کی عزت میری عزت آپ کا مفاد میرا مفاد آپ کی ترقی میری ترقی اور آپ کی فلاح میری فلاح بن گئی ہیں میں اپنے خون کے آخری قطرے کو آپ کی خدمت کے لیے وقف کرکے حق نمک ادا کرنے کی کوشش کروں گا میں اس مقدس فرض کی انجام دہی میں حضرت بندگان عالی کی وفا شعار رعایا کے ہر فرد سے بلالحاظ مذہب وملت اور بغیر تفریق عقائد و مسلک کامل تعاون اور اتحاد عمل کی توقع رکھتا ہوں۔

مکہ مسجد میں تقریر :- شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب معتمد مجلس علماء دکن اور مسلمانوں کو نماز جمعہ کی ادائی کے بعد اس طرح خطاب کیا۔

میرا خیر مقدم دراصل حضور شاہ ذیجاہ کے انتخاب کا خیر مقدم ہے مجھے اس سلطنت میں غریبوں کی خدمت کا بھی موقع ملا ہے مجھے خوشی ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس سلطنت کی خدمت

کے ساتھ غریبوں کی خدمت کا بھی موقع عطا فرمایا ہے مجھے امید ہے کہ میں آپ سب حضرات کے تعاون سے اس سلطنت کی خدمت کرسکوں گا۔

روایات آصفی کا نیا ورق ہمارے جدید صدر اعظم بہادر کی آمد سے حیدرآبادی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ نظر آرہا ہے مسلمان اور ہندوؤں کے تعلقات میں جو کشیدگی پیدا ہوگئی ہے وہ جاتی رہیگی اور ان دونوں میں یگانگت اور یکجہتی کے جذبات پیدا ہونے کی قوی توقع ہے یہ سچ ہے کہ جب تک ملک کے بسنے والوں میں (بلالحاظ مذہب و ملت) اس قسم کی کیفیت پیدا نہ ہو اس وقت تک ملک کو کسی قسم کی ترقی نصیب نہیں ہوسکتی آج سے (۲۵) سال پہلے حیدرآباد کا پہلا مفکر اعظم ملا عبدالقیومؒ نے کیا خوب کہا۔

"جب ہم مذہب اور قومیت میں متحد نہیں ہوسکتے تو اتحاد کی جو جہت سیاسی باقی رہگئی ہے اگر اس کو بھی چھوڑ دیں تو پھر وہ کونسا ذریعہ ہے جو ہم کو متحد کرے اور جس سے ہم باہم تمدنی منافع حاصل کریں اور مذہب کے برکات سے متمتع و منتفع ہوں۔ (ملاحظہ ہو خصوصی نمبر مجلہ نظام)

ایک اور موقع پر ملا صاحب کی رائے ہیکہ

"اور یہ بھی نہایت سچی اور واقعی بات ہے کہ آدمی اپنی اصل اور دائمی اصلاح اپنے ہی ہاتھ سے کرسکتا ہے" مسلم اور ہندو اتحاد کے ساتھ نواب صاحب معزنے اپنی نشری تقریر میں ملک و مالک کی خدمت گزاری کا جو صحیح تصور پیش فرمایا ہے اس لحاظ سے یہ توقع قائم ہوئی ہے کہ نواب صاحب معز کے عہد میں حیدرآباد کا سیاسی موقف بھی مستحکم ہوگا اور پیرامونٹسی کے مفہوم سے جو غلط نظریہ قائم کیا جارہا ہے اس کی منسوخی عمل میں آئے گی اور حضرت اقدس و اعلیٰ کا اقتدار اعلیٰ جیسا کہ حال میں حکومت کے اعلامیے میں ظاہر کیا گیا ہے داخلی اور خارجی حیثیت سے مطلق العنان ناقابل تقسیم اور ہمہ گیر رہیگا جو ایک خوش حال اور باعزت ملک کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے۔

اصلاح نظم و نسق:۔ نواب صاحب معز کی تشریف فرمائی کے بعد ملک کے مختلف مکاتب خیال میں مختلف خیال آرائیاں ہو رہی ہیں بعض کا خیال ہے کہ ملک کے نظم و نسق میں قابل اطمینان اصلاح ہوگی بعض کا خیال ہے کہ پہلے اصلاحات کا دستور نافذ ہوگا بعض کا

خیال ہے کہ ملک کے نظم ونسق میں قابل اطمینان اصلاح ہوگی بعض کا خیال ہے کہ پہلے اصلاحات کا دستور نافذ ہوگا بعض کا خیال ہے کہ ملک کا مالیہ درست کیا جائے گا بعض کا خیال ہے کہ ملک سے رشوت ستانی کو دور کرنے کی سعی آغاز ہوگی غرض جو بھی ہو اس سے اگر غریبوں کو فائدہ پہنچے اور ملک کو ترقی کی راہ نصیب ہو تو وہی عمل اہل ملک کے لیے سود مند ہوگا۔

نفاذ اصلاحات کے سلسلے میں اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہی جاتی ہے کہ جو دستور شائع ہوا ہے اس میں مسلمانوں کی سیاسی برتری اور عظمت کو تسلیم کیا گیا لیکن ان کے وزن کو بڑھایا نہیں گیا جو ان کا ایک جائز اور قانونی حق ہے۔ و نیز دستور میں علما اور مشائخین کے لیے کوئی نشست نہیں دی گئی حالانکہ سلطنت انگلستان نے اپنے ملک کے انتظام و انصرام میں کلیسائے انگلستان کے (۲۰) عمائدین کو موقع دیا ہے ایسی صورت میں جو مطالبہ علماء و مشائخین کا ہے اس کی تکمیل عہد سعید میں ہو جائے تو یقین ہے کہ مجلس مقننہ سے جو بھی اسکیم یا قانون نافذ ہوگا وہ دائرہ مذہب سے خارج نہ رہے گا اور ملک کے ہر حصہ میں مقبول رہے گا۔

اس سلسلے میں ایک آخری گزارش یہ بھی ہے کہ عہد قدیم سے دولت آصفیہ میں "صدر الصدوری" کا عہدہ قایم ہے بلکہ یوں کہا جائے حضرت آصف جاہ اول علیہ الرحمہ جو اس سلطنت کے بانی ہیں پہلے مرتبہ دکن میں بحیثیت صدر الصدور تشریف لائے اس لحاظ سے اس عہدہ کا احیاء حیدرآبادیوں کے حق میں بلا لحاظ مذہب وملت فائدہ مند ثابت ہوگا سب سے بڑا فائدہ اس عہدہ کے قیام سے یہ بھی تھا کہ صدر الصدوری کی موجودگی میں ملک کے مختلف حصوں میں ہندو مسلم فسادات کے جو واقعات آج پیش آرہے ہیں اس وقت اس قدر موجود نہ تھے جب کبھی ایسے اتفاقات پیش آتے رہے صدر الصدور نے ان ہنگاموں کو ذاتی اور حکومتی اثرات سے دور کرنے کی سعی کی ہمیں توقع ہے کہ آپکے عہد سعید میں اس عہدہ پر ماموری کا عمل جو رکا ہوا ہے اسکو دور فرمایا جائے گا اور ملک کے کسی قابل عالم کو مامور کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب (نظامیہ) معتمد مجلس علماء دکن نے مکہ مسجد میں جو دعا فرمائی ہے وہی ہماری بھی دعا ہے کہ جس طرح آپکے سینے میں کلام الہٰی محفوظ ہے اُسی طرح آپ کا قلب بھی خشیہ الہٰی سے ہمیشہ معمور رہے اور محبت رسالت پناہی سے منور حضرت ظل سبحانی کے سایہ با برکت میں آپکے ہاتھوں اس اسلامی سلطنت کے عظیم الشان خدمات انجام پائیں اور آپکا یہ دور صدارت عظمیٰ نہایت کامیاب و سعید ثابت ہو، اللہ تعالیٰ ذات شاہانہ حضرت جلالت الملک مع خانوادہ آصفی ہمارے سروں پر دیر تک سلامت باکرامت رکھے کہ جنکے سایہ عاطفت میں ہم نہایت چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والآخرین وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

تاریخ طب یونانی میں حیرت ناک اضافہ

دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ حیدرآباد دکن

بیس ہزار کے سرمایہ سے قایم کر کے حکومت سرکار عالی میں تحت قانون رجسٹری کرائی گئی ہے۔ کمپنی کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ بڑے پیمانہ پر دیہات و قصبات اور جنگلوں سے جڑی بوٹیاں فراہم کرے۔ ضروری دوائیں مشینوں سے تیار کی جائیں۔ مختلف مقامات پر تجارتی دواخانے اور مطب قایم کئے جائیں۔ اور اس طرح دیسی دواؤں اور یونانی طریق علاج کو ترقی دیجائے۔

کمپنی کے حصص دس دس روپیہ کے ہیں ہر حصہ کی رقم ایک سال کے اندر چار قسط سے ادا کی جاسکتی ہے۔ ہر شخص عورت مرد بچہ بوڑھا کمپنی کے جس قدر چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ ہر سال کے اختتام پر کاروبار سے جو نفع ہوگا۔ وہ حصہ داروں کو تقسیم کیا جائیگا۔ اور ان کی رقم حصص کمپنی میں جمع رہیگی۔

اگر آپ اس یقینی اور حد درجہ مفید کاروبار سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی درخواست بھیجکر حصص خرید لیجئے۔

کمپنی کے عملی کاروبار شروع ہو چکے ہیں نظام شاہی روڈ پر فروخت گاہ ادویات اور مریضوں کے علاج کے لئے تجربہ کار اطبا کو مقرر کر کے مطب قایم کردیا گیا ہے بتدریج ان کاروبار میں ترقی اور توسیع کی جائیگی اپنی طبی ضروریات کی تکمیل کیلئے اپنی کمپنی کو توجہ دلایئے۔

مرزا اینڈ انصاری مینجنگ ایجنٹس دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ حیدرآباد دکن

دکنی دی۔

مجلّہ منطق

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار رسالہ



مُرتبہ
ابوالخیر کنج نشین
مولوی فاضل (نظامیہ)

شمس الاسلام پریس

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض و مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی اور تمدنی مسایل کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ جلسے منعقد کرنا اور تحقیقاتی نتایج کو شائع کرنا۔

۳۔ ادارہ کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔

۴۔ جو اصحاب کم سے کم (عسہ) یکمشت یا باقساط ادا کرینگے وہ رکن دوامی کہلائینگے اور ان کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلا قیمت ارسال کئے جائینگے و نیز مجلہ نظامیہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

۶۔ مجلہ نظامیہ دو جز ماہانہ پر شایع ہوگا لیکن بوجہ گرانی جنگ ایک جز پر شایع ہوگا۔

۷۔ قیمت سالانہ ہے رعایتی عہ

سکریٹری ادارہ ترقی تعلیم اسلامی حسینی علم حیدرآباد دکن سے مراسلت کیجائے۔

تاریخ دستور آصفی جس میں دو صد سالہ تغیرات آصفی کو جمع کیا گیا ہے۔ بجد مفید کتاب ہے۔
قیمت ۱۲ آ
شعر العرب " ۶ ر

اطلاع

گرانی کاغذ کی وجہ سے رسالہ کی قیمت میں اضافہ نہیں کیا گیا آجکل کاغذ بروقت دستیاب نہیں ہو رہا ہے اس لیے ادارے نے طے کیا کہ رسالہ ہر دو ماہ کے ختم پر شائع کیا جائے امید کہ ناظرین اپنا زر اعانت جلد روانہ فرماکر ادارے کی مدد فرمائیں گے۔

قیمت سالانہ ... ہے
رعایتی ... عہ/

اعلان

اگر آپ کو کارہائے کامدانی کے تکمیل کی ضرورت ہو یا آپ کو اصلی مشک عنبر زعفران اور خالص ادویات یونانی مفرد ہوں یا مرکب ہر قسم کی دو احسینی دواخانے سے واجبی شرح نرخ پر دستیاب ہو سکتی ہے اسلیئے آپ محمد صدیق مالک حسینی دواخانہ وکامدانی مقام اشاعت حسینی علم حیدرآباد دکن۔ موتی گلی لاڈ بازار حیدرآباد کا نام یاد رکھیئے۔

مجلہ نظامیہ

جلد (۶) | بہمن تا فروری ۱۳۵۱ف م ذیقعدہ تا محرم ۱۳۶۱ھ ڈسمبر تا فروری ۱۹۴۲ء | عدد ۳ تا ۵

اسلام سب سے بڑی عزت ہے

اسلام فطری مذہب ہے، اسلام دین قیم ہے اسلام صراط مستقیم ہے اسلام ہدایت ہے، رہنمائی ہے، راہ منزل کا نور ہے اسلام خدا کے بعد سب سے بڑی طاقت، دنیا کے ماحول میں سب سے بڑی عزت ہے۔ آج کل مسلمان نفس وشیطان کے دھوکوں میں مبتلا ہو کر اسلام کی عظمت کو دل سے کھو دیے ہیں یہ بات غلط ہے ایک انسان قلب صادق کے ساتھ اللہ پر جب ایمان لے آتا ہے تو دنیا کی تمام عزتیں اس کا حق ہو جاتی ہیں جیسا کہ قرآن کا اعلان ہے "تم ہی سربلند ہوگے شرط صرف ایک ہے اگر تم مومن ہو" دیکھو مومن ہونے کے بعد کس طرح یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے، حضرت سعد بن معاذ نے بھی اپنی تقریر میں اسی نکتہ کو پیش کیا تھا۔

"دیکھو، اللہ نے اسلام کی قوت سے ہم کو سربلند فرما کر ہم کو بتایا اور آپ (آنحضرت صلعم) کے ذریعے ہماری عزت بلند کی۔

ابن العمید کے ایک دوست کا قول ہے کہ "حکومت معنوی بناؤ سنگار سے نہیں آتی جس طرح خزانہ ٹھیکروں سے نہیں بھرتا" کیا یہ صحیح نہیں ہے سوچو اور غور کرو تو معلوم ہوگا آج ہر طرف اکثریت اور اقلیت کی بحث جاری ہے۔ اکثریت اقلیت کو اپنے اندر ہضم کرنے کی فکروں میں ہے تو دوسری طرف اقلیت متاثر ہو کر اپنی علحدگی اور ایک نئی دنیا (پاکستان) کے بسانے کی فکروں میں ہے، اس طرح ملک میں شور اور ہجوم ہے۔ نتیجے میں دونوں صف نظر آتے ہیں۔ اور دونوں مصیبتوں میں مبتلا ہیں، ہاں ایک پر مصیبت کم ہے تو دوسرے پر زیادہ۔ ہم مسلمانوں سے کہیں گے کہ وہ پریشان نہ ہوں بلکہ مرد مومن بننے کی فکر کریں صراط مستقیم کو نہ چھوڑیں اگر وہ چھوڑ دیں گے تو دنیا کے انقلاب اور دار، کے

نتائج سامنے ہیں انقلاب کے بعد ان کو اپنے کیئے کی کافی سزا ملیگی۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ حب دا ترکی صداقت، معاملات کا حسن، سیرت کا کمال اپنے میں پیدا کریں تو یقین ہے کہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین کا مصداق ہونگے ورنہ آخری انجام کے لیے ابن العمید کے دوست کا قول یاد رکھیے۔ اور اسکو بار بار پڑھیے

حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اخلاقی عناصر کی جو تشریح فرمائی ہے کیا وہ ہمارے غور و فکر کے لیے کافی نہیں۔

عفت یہ ہے کہ انسان نفس کے شہوانی تقاضوں کو قبول نہ کرے۔

رفاہیت یہ ہے کہ انسان پیٹ کے مطالبوں کو تسلیم نہ کرے۔

جہاد یہ ہے کہ انسان ترک عمل کے تقاضے کو منظور نہ کرے۔

صبر یہ ہے کہ انسان شدید وقت میں اضطراب اور بیقراری سے متاثر نہ ہو۔

عفو یہ ہے کہ قدرت کے باوجود نفس انسانی پر انتقام کا جذبہ غالب نہ ہو۔

سخاوت یہ ہے کہ بخیل کے مطالبے کے سامنے گردن نہ جھکائے۔

قناعت یہ ہے کہ حرص کے حملوں سے بچ جائے۔

تقوی یہ ہے کہ اسلام نے جو قانونی حدیں مقرر کردی ہیں اور جو مقداریں شریعت کی رو سے متعیں ہوگئی ہیں ان کی مخالفت نہ کرے علمائے تقوی کی رائے ہیں ان حصلتوں سے علاقہ رکھنے ہی کے معنے ہیں زہد اور آزادی، ایک بہت بڑے اسلامی مفکر کا قول ہے کہ،

غالباً مسلمانوں نے مغرب کی تقلید میں کارخانے قائم کرنے کے بجائے پتلون پہن لیا یہی ان کے زوال کا سبب ہے۔

بات تو یہ ہے کہ آج مسلمان مغرب کی اندھی تقلید میں اس قدر مبتلا ہوگیا کہ اس کے بغیر اپنی ترقی اور سربلندی نہیں سمجھتا حالانکہ یہ ایک دھوکا ہے کبھی بھی ظاہری نمایش سے کسی قوم یا ملک کو ترقی نصیب نہیں ہوئی۔ ظاہری نمائشں کا اسی وقت اثر ہوتا ہے جب کہ اس کے قوائے عمل سے ایجادات کا ظہور ہو، کارخانہ ہو تو اس کے ذریعے اچھے یا برُے اشیا ڈھل کر مارکٹ میں آسکتے ہیں اس وقت مسلمانوں کے ہاں نہ کارخانے ہیں اور نہ مارکٹ پھر یہ کہنا کیسا صحیح ہوگا کہ مسلمان اپنی ضرورت کی چیز مسلمان سے خریدے۔

سچ یہ ہے کہ آج دنیا کی تمام قومیں بلا لحاظ مذہب وملت ایک دوسرے کے اشتراک کے محتاج ہیں کسی قوم کا یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسرے قوم کے اشتراک کے بغیر دنیا میں زندہ رہ سکیں گی، اس لحاظ سے معاملات میں اشتراک سے علٰحدگی دانائی نہیں ہوگی مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ آج غلہ اور پارچہ کی منڈی میں

ہا توں میں ہے ان کے ہاں سے مسلمان تاجر اپنی حیثیت کے مطابق اشیا خریدتے اور فروخت کرتے ہیں ایسی شکل میں دونوں کا اشتراک ظاہر ہے مگر سوال عام پبلک عمل کا ہے اس کو روکا جاتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی چیزوں کو مسلمان سے خریدے اور مسلمان ہی سے عمل کرے حالانکہ وہ اسی سرزمین میں ہے جہاں وہ اقلیت میں ہے اور ہر قسم کی ضرورتیں دوسروں سے وابستہ ہیں ایسی صورت میں یہ تحریک کس طرح کارگر اور مفید ہوگی ظاہر ہے نتیجہ اس کے خلاف برآمد ہو رہا ہے مسلم بائیکاٹ کی تحریک اور اس کے نتائج ہمارے مشاہدے کے لیے کیا کافی نہیں؟ البتہ معاملات کے بجائے ہماری تحریک یہ ہونی چاہئے کہ مسلمان نمائشی تہذیب کو چھوڑیں، اسلام کی تعلیم کے ماتحت ترقی کریں، لہو و لعب کے بجائے تعمیری کام کریں، دل میں ترقی کا شوق، زندگی کا جنون ہو، زندگی سادہ ہو اور زندگی کے اوصاف مردانہ اور اعضا معروف عمل ہوں تو یقین ہے کہ سربلندی مسلمانوں کے لیے مختص رہے گی جیسا کہ پہلے تھی ورنہ مردوں کا عورتوں جیسا ہونا یا عورتوں کا مرد بن کر میدان میں آنا ...کو جس قوم کا انجام کیا ہوگا ابن العید کے قول کو ...بار پڑھئے اور سبق لیجئے۔

...رت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضہ

...ت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رض

[illegible]

...بر ملا ظاہر کرنے کی خواہش فرمائی اور جس کی بنا پر تمام جاں نثاران حضور مسجد میں پہنچے حضور اقدس مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکر رض نے کفار قریش کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا یہ اسلام کا پہلا خطیب تھا جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی طرف مخلوق کو بلایا تمام مشرکین حضرت ابوبکر رض اور دیگر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور ابوبکر رض کو نہایت بے دردی کے ساتھ زدوکوب کیا جب آپ کے قبیلے بنو تیم کے لوگ پہنچے تب مشرکین نے آپ کا پیچھا چھوڑا پھر سب حضرت ابوبکر رض کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے شام کو ذرا ہوش آیا تو زبان سے نکلا "حضور اقدس کا کیا حال ہے؟ وہ سب مشرک تھے یہ فقرہ نہ سن سکے اور لعنت و ملامت کرکے چھوڑ کر چلے گئے جاتے ہوئے آپ کی والدہ ام الخیر سے خبرگیری کے لیے کہہ گئے ماں نے کچھ کھلانا چاہا مگر آپ نے بار بار یہی دریافت کرتے رہے رسول اللہ پر کیا گزری؟

ماں نے کہا واللہ مجھے تمہارے دوست کا حال معلوم نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور ان سے رسول اللہ کی خیریت دریافت کرو مگر ام جمیل نے بھی دریافت پر کچھ تشفی بخش جواب نہ دیا اور خود حضرت ابوبکر رض کے

یادِ مدینہ

چاند کعبہ کا مدینہ میں اُتر آیا ہے
چشم و دل جس سے ہوں روشن وہ قمر آیا ہے
شکر اللہ کا یہ روز دکھایا یوسف
سارے آفاق کا یہ نورِ نظر آیا ہے۔

یا خدا جلد مدینہ سے اب آئے کوئی
مجکو حضرت نے کیا یاد سنائے کوئی

اشک آنکھوں سے رواں دل میں ہے سوزِ فرقت
میرے سرکار کو یہ حال سنائے کوئی

آرزو ہے یہی ہر وقت خدایا تجھ سے
ہند سے مجکو مدینہ میں بلائے کوئی

سوئے طیبہ جو چلوں ایسے کہاں میرے نصیب
بختِ خفتہ کو میری اب تو جگائے کوئی

روح بھی چین سے نکلے تنِ بسمل سے اگر
آ گئے شاہِ عرب مجھکو سنائے کوئی

ہجرِ احمد میں شب و روز ہے آہ و زاری
مژدۂ وصلِ نبی کاش سنائے کوئی

روحِ یوسف جو نکل جاتی تو اچھا ہوتا
صدمۂ ہجرِ نبی کب تک اٹھائے کوئی

از جناب
میر یوسف علیخاں صاحب یوسف جاگیردار
کوچہ مقرب جنگ

د

ام جمیل نے کہا رسول اللہ صلعم خدا کے فضل سے صحیح و سالم اور ابن الارقم کے گھر ہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کرلیا ہے کہ جبتک رسول اللہ صلعم کی زیارت نہ ہو کھانا پانی کچھ نہ چکھو نگا تب حضرت ابوبکرؓ کو اٹھا کر حضور اقدس کی خدمت میں لے گئے۔ اس جانثار کو اس حالت میں دیکھکر حضور اقدس سخت مضطرب ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو بوسہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کوئی تکلیف نہیں البتہ اس فاسق نے جسنے میرے چہرے کو بگاڑا عتبہ ہے اور یہ میری ماں ہے جسکے مجھ پر احسانات ہیں آپ صاحب خیر و برکت ہیں ان کو اللہ کے راستہ پر لایئے اور دُعا کیجئے شاید حق تعالیٰ انکو عذاب نار سے بچائے۔ حضور اکرم نے اول جناب باری میں دعا کی پھر ام الخیر کو اسلام کی دعوت دی اور وہ اسلام کی دولت سے سرفراز ہو گئیں۔ یہ دولت نہیں ہے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کا راہ تبلیغ میں جہاد کا پہلا قدم ہے دیکھو اور غور کرو کہ حضرت صدیقؓ کو رسول اللہ صلعم سے کسقدر محبت تھی موت سے پہلے غذا کو پسند نہیں کرتے بلکہ دیدار رسول کے طالب رہتے ہیں آج بھی ہم مسلمان ہیں ہر سانس پر رسول اللہ کا نام لیتے اور شیدائی رسول کے دعویدار ہیں مگر جب موقع آتا تو راہ حق میں نہ ہمارے قدم کارگر ہوتے ہیں اور نہ ہماری زبان گمراہ لوگوں کا ساتھ دینا اور گمراہ جماعت کے جلسوں کی صدارت کرنا موجب فخر جانتے ہیں اور ساتھ ہی قطبیت کے بھی دعویدار ہیں کیا اسی کا نام اسلام ہے اور کیا یہی شیدائیت ہے ہمیں یاد ہے کہ مجلس علمائے دکن نے مسلمانوں کو دیندار انجمن کی گمراہی سے بچنے کی ترغیب بھی دی تھی مگر افسوس ہے کہ آج اسی مجلس کے بعض اراکین اس گمراہ انجمن کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں اور اپنی صدارت کے ذریعے عامۃ المسلمین کے قلوب میں دیندار انجمن سے خود (منادی کا ذریعہ پیدا کرسکتے ہیں کیا یہی خدمت اسلام ہے اور کیا یہی دین ہے اور کیا یہی راہ حق میں جہاد کا پہلا قدم ہے۔

عہد نبوی کا نظام تعلیم

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعۂ عثمانیہ

عرب اور خاص کر مکہ معظمہ کی معاشرتی حالت کا جو قبل اسلام پائی جاتی تھی اگر قریب سے مطالعہ کیا جائے، تو ناگزیر اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ اس زمانے کے عربوں میں غیر معمولی صلاحیتیں پائی جاتی تھیں لہذا جب اسلامی تعلیمات نے ان صلاحیتوں کو صیقل کیا تو عربوں نے اپنی اپج اور کارکردگی کی قابلیت سے دنیا کو حیران کر دیا اور جب "وحدت اور حرکت کے مذہب" یعنی اسلام نے ان کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور ان میں مزید قوت پیدا کر دی تو یہی عرب اس قابل ہو گئے کہ پوری دنیا کو مبارزت دیں اور وقت واحد میں اس وقت کی دونوں عالمگیر شہنشاہیتوں یعنی ایران اور روم (بزنطینہ) سے جنگ کریں۔

میں نے اپنے بعض مقالوں میں کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے، کہ زمانۂ جاہلیت کی عربی خانہ جنگیاں عربوں کے کردار کو بنانے اور ان میں حیرت انگیز قوت برداشت اور اور دیگر اعلیٰ لہمات پسند قابلیتیں پیدا کرنے میں ممد و معاون رہیں جن پر خود نپولین[1] کو رشک تھا۔ عرب میں معینہ اوقات پر لگنے والے بازاروں اور کارروانوں کی حفاظت کے لیے

---

[1] ۔ سینٹ ہیلینا کی یادداشتیں (فرانسیسی) جلد (۲) صفحہ ۱۸۳۔

بدرقوں یا خفارون کا انتظام کچھ اتنا مکمل اور وسیع ہوگیا تھا کہ اس نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں ایک معاشی وفاق قائم کردیا تھا جس سے عربوں میں وحدت کے خیالات پیدا ہونے لگ گئے تھے اور اسلام کے تحت ان کی "سیاسی وحدت" کا راستہ صاف ہوگیا تھا۔ اسی طرح شہری مملکتِ مکہ کا دستور بھی خاصا ترقی یافتہ تھا جس سے وہاں کے باشندوں کو اس بات کی تربیت مل چکی تھی کہ ایک عالمگیر شہنشاہت کے نظم ونسق کو چلا سکیں[۵]

آج میرے پیشِ نظر ایک اور مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی علمی صلاحیتیں بھی اتنی خاصی تھیں کہ ہجرت کی ابتدائی صدیوں میں عربوں نے علوم وفنون کی حیرت انگیز فصلیں کاٹیں۔ انھیں صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، ان کی خفتہ قابلیتوں کو بیدار کرنا، اور ان کو مفید اغراض میں کام میں لانا، یہ البتہ اسلام کا کارنامہ ہے۔

عہد نبوی کے نظامِ تعلیم کا اس سے بہتر پس منظر کیا ہوگا کہ اسلام سے پہلے عرب میں علمی حالت جیسی کچھ تھی، اس کا خاکہ پیش کیا جائے۔

عرب میں زمانۂ جاہلیت میں تعلیم

بدقسمتی سے ہمارے پاس زمانۂ جاہلیت کے تعلیمی معاملات کے متعلق بہت کم معلومات محفوظ ہیں۔ اس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ اس زمانے میں وہاں لکھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، اور کچھ یہ کہ لاکھوں کروڑوں کتابیں ہلاکو خاں وغیرہ نے بغداد، قرطبہ اور دیگر مقامات پر ایسے زمانے میں تباہ کردیں، جب کہ ابھی فنِ طباعت سے کتابیں چھاپنے کا کام نہیں لیا جانے لگا تھا۔ اس دشواری کے باوجود جو کچھ تھوڑا بہت مواد ہم تک پہنچ سکا ہے اس کی مدد سے زمانۂ جاہلیت کی تعلیمی حالت کا پتا چلتا ہے، جس سے ہمیں حیرت ہوتی ہے اور اس قوم کے متعلق رشک ہونے لگتا ہے جو ان پڑھ ہونے پر

---

[۵] "شہری مملکت مکہ" جو رسالۂ اسلامک کلچر جلد (۱۲) شمارہ (۳) میں شائع ہوا ملاحظہ ہو۔ اس کا ترجمہ مع اضافہ معارف اعظم گڑھ جنوری و فروری ۱۹۴۰ء میں چھپا ہے۔

ابتدائی تھی[1]

اولاً ان کی زبان کو لیجئے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی زبان اپنے لغات، محاورات اور ادبی کمالات میں اس زمانے میں ترقی کرتی ہے جب اس کے بولنے والوں کا تمدن عروج پر ہو۔ اور اس سے پہلے اس زبان کی حالت اتنی پست ہوتی ہے کہ اس کو جانوروں کی آواز سے کچھ ہی بلند قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس وقت اس زبان میں نہ تو اونچے خیالات ادا کئے جا سکتے ہیں اور نہ معمولی روزمرہ کی ضرورتوں کے سوا اس میں کوئی علوم و فنون ملتے ہیں۔ اگر اس معیار پر اسلام سے عین پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے تو ہم زبان کی نزاکت، لغات کی کثرت، قواعد صرف و نحو کے استحکام اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ متمدن عربی زبان زمانۂ جاہلیت کی سمجھی جاتی ہے، اور اسلامی تمدن کے عہد زرین کی زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ اگر اگر ہم زمانۂ حال کی کوئی زبان مثلاً جرمن، روسی، فرانسیسی، یا انگریزی کو لیں، تو ان کے دو مولف جن میں مثلاً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ حائل ہو تو ایک ہی زبان کے یہ مولف ایک دوسرے کو بالکل نہیں سمجھیں گے۔ اس کے برخلاف امرؤ القیس کی زبان اور قواعد صرف و نحو بالکل وہی ہیں جو مثلاً زمانۂ حال کے مصری شعراء شوقی اور حافظ کے ہیں قرآن اور حدیث اسی "جاہلی زبان" میں ہیں جن پر عربی شہنشاہیت کے تمدن نے کوئی اثر قائم کرنے کا موقع نہیں پایا تھا۔ قرآن اور حدیث زمانۂ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ میں آتے تھے جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو۔ اسی زمانے میں عربی زبان لغات کی حد تک اتنی وسیع اور متمول ہو گئی تھی کہ اس کا مقابلہ زمانۂ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے بھی بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ ان چیزوں کی مجھے تفصیل بیان کرنی غیر ضروری ہے، کیونکہ ہر عربی داں

---

[1] ایک حدیث میں ہے "ہم ایک امی قوم ہیں، لکھنا اور حساب کرنا ہمیں نہیں آتا" مختصر جامع بیان العلم صفحہ ۳۵۔ اس سے قدیم عربی تصورات کی کافی ترجمانی ہوتی ہے۔

اس سے واقف ہے میرا منشا صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی زبان جس پختگی اور وسعت سے بہرہ ور ہو چکی تھی، وہ یقیناً اس بات کے بغیر ممکن نہیں کہ اس اس سے پہلے اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کی بڑی صلاحیتیں اور بڑے چرچے رہے ہوں۔

بے شمار نظمیں زمانۂ جاہلیت کی طرف منسوب ہیں خود نثر میں بہت سے خطبوں، تقریروں، ضرب المثلوں، کہانیوں، کاہنوں اور حکموں (پنچ) کے فیصلوں وغیرہ کی صورت میں ہم تک ان کی یادگاریں پہنچی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے ہر ناظر یہ اندازہ کرلے گا کہ اس زمانے کے عربوں میں بلاغت، ظرافت، حسن ذوق، اور دقتِ نظر کا معیار کتنا بلند تھا۔

خود لفظ "عرب" کے معنے ہیں وہ شخص جو اپنا مطلب اچھے طور سے واضح کر سکتا ہو، تمام غیر عرب عجم کہلاتے ہیں، جس کے معنی گونگے کے ہیں۔

یہاں تک تو استنباطات اور قیاس آرائیاں ہوتی رہیں، خود تاریخی واقعات بھی مفقود نہیں ہیں۔

مدرسوں کے سلسلے میں کسے یقین آئیگا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں بلکہ ایسی تعلیم گاہیں جنہیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتی ہوں؟ بہر حال ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (جلد ۴ صفحہ ۱۰۳) میں بیان کیا ہے کہ مکے کے قریب رہنے والے قبیلۂ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت ظلیمہ جب بچی تھی، تو ایک مدرسہ جاتی تھی جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرے۔ اس دلچسپ واقعے سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبیلۂ قریش کے رشتہ دار قبیلۂ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے جو چاہے کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے کیوں نہ ہوں ان میں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پانے کے لیے جاتی تھیں۔

بازار عکاظ میں ہر سال جو ادبی چرچا ہوا کرتا تھا اس کے باعث اسے ایک "پان عرب لٹریری کانگریس" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ عکاظ نے مورخین اور مولفین کو ہمیشہ سے ہی لبھا رکھا ہے، حال میں جامعۂ مصریہ کے پروفیسر احمد امین نے مجلہ کلیۃ الآداب میں اس موضوع پر

ایک بہت اچھا مضمون لکھا ہے۔ ہمیں یہاں عکاظ کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس قدر کافی ہے کہ اس ادارے کا صرف نام لے لیا جائے جس نے عربی زبان کو معیاری بنانے کے لیے اتنا نمایاں حصہ لیا ہے۔

غیلان بن سلمہ ثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[۱] کہ وہ ہفتے میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا جس میں نظمیں پڑھی جاتیں اور ان پر تنقید ہوتی، ہفتے کے باقی دنوں میں وہ کسی دن عدل گستری کا کام انجام دیتا اور کسی دن دوسرے فرائض میں مشغول ہوتا۔ اس واقعے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جاہلیت میں طائف والوں کا علمی ذوق بھی کتنا بلند تھا۔

اس زمانے میں مکے کی علم دوستی اس سے بھی کچھ زیادہ ہی بلند تھی۔ سبع معلقات مکے ہی کے معبد کعبے میں لٹکائے جاتے رہے، اور اسی اعزاز و امتیاز نے ان سات نظموں کو عربی ادبیات میں ایک لافانی زندگی عطا کر دی ہے۔

ورقہ بن نوفل مکے کا ایک باشندہ تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں توریت اور انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا۔

غالباً یہ مکے والے ہی تھے، جنھوں نے عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی تھی۔[۲] غالباً یہی وجہ تھی کہ یہاں کے اجڈ سپاہی بھی لکھے پڑھے ہوا کرتے تھے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

قصہ نویسی، ناول اور ڈرامہ زمانہ حال میں ادبیات میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مکے والوں کو بھی اس کا بڑا ذوق تھا، چنانچہ چاندنی راتوں میں خاندانی اجتماع گاہوں پر یا شہر کے مرکزی دار الندوہ میں یہ لوگ جمع ہوتے، اور پیشہ ور قصہ گو وغیرہ

۱۔ الازمنہ والامکنہ، مولفہ مرزوقی جلد ۲ صفحہ ۷، تا صفحہ ۸ نیز معارف ابن قتیبہ۔

۲۔ فہرست ابن ندیم صفحہ ۴، نیز کتاب الخراج مولفہ قدامہ بن جعفر کا ٹکڑا جو آکسفورڈ میں ہے (مگر غلطی سے قلاقہ کی طرف منسوب ہے)۔

وہاں برجستہ یا سنے ہوئے قصے بیان کرکے دلچسپی کا سامان مہیا کرتے۔ اس کے کچھ حوالے میرے مضمون شہری مملکت مکہ میں ملیں گے۔

ادبی ذوق جاہلیت میں صرف عربوں ہی میں نہ تھا، بلکہ عرب میں رہنے والی دوسری قوموں میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے چنانچہ یہودی سموأل بن عادیا اور دیگر یہودی اور نصرانی شعراء کے دیوان بھی پائے جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدراس قائم کر رکھا تھا، جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا، اور اسلام کے آغاز تک اس کا پتہ چلتا ہے، (دیکھئے سیرۃ ابن ہشام میں غزوہ بنی قینقاع وغیرہ)

زمانۂ جاہلیت میں عربی زبان میں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے لیے بڑی کثرت سے الفاظ ملتے ہیں چنانچہ صرف قرآن مجید میں ہی حسب ذیل الفاظ کا ذکر ہے :۔ لوح، رَق اور قرطاس (کاغذ) قلم، نون (دوات) نستنسخ، مرقوم، مسطور، مستطر، مکتوب، تخطّہ، تملی، یملل (لکھنے کے معنی میں جو مختلف افعال پائے جاتے ہیں یہ ان کے صیغے ہیں) کاتب، مداد (سیاہی) اسفار، زبر، کتب، صحف (کتابوں اور تحریری چیزوں کے معنے میں) وغیرہ۔

غرض ان اور اسی طرح کی مماثل بنیادوں پر علوم و فنون کی وہ بلند عمارتیں بعد میں زمانۂ اسلام کے عربوں نے کھڑی کیں جن پر پورے کرۂ ارض کی علمی دنیا فخر کر سکتی ہے۔

قبل ہجرت اسلام یہ چیز عام طور سے معلوم ہے کہ اسلام کا آغاز اس وقت سے ہوا جب حضرت محمد صلعم پر چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اتری اس بات کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ نوعمری میں آپ نے لکھنے اور پڑھنے کے فن میں حصہ لیا ہو۔ آپ عمر بھر اُمی ہی رہے، اس کے باوجود کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے کہ خدا کے پاس سے آپ کو جو سب سے پہلی وحی آئی، اس میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو "اقرأ" یعنی پڑھنے کا حکم تھا اور قلم کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی تھی، کہ جملہ انسانی علم اسی سے ہے :۔

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے جس نے انساں
کو ایک جمے ہوئے قطرۂ خون سے پیدا کیا، پڑھ یہ تیرا بزرگ
آقا ہی ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی اور
انسان کو وہ چیز بتائی، جسے وہ جانتا نہ تھا"

(قرآن مجید سورۂ ۹۶ آیۃ ۱تا۵)

ایک حدیث میں رسول کریم صلعم نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا[۵]

سہولت کے لیے ہم بھی وہی مشہور تقسیم اختیار کرسکتے ہیں، جو قبل ہجرت و بعدِ ہجرت کے نام سے رسول کریم صلعم کی زندگی کے متعلق استعمال کی گئی ہے، اور اسی تقسیم سے وہ زمانے بھی متعین ہوجاتے ہیں، جب آپ کے ہاتھ میں دنیاوی اقتدار تھا یا نہ تھا۔

یہ امر نمایاں کئے جانے کے قابل ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتیں جن میں لکھنے پڑھنے یا علم سیکھنے کا ذکر ہے، وہ مکی آیتیں ہیں۔ اس کے برخلاف مدنی آیتوں میں کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ:-

۱۔ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، برابر ہوسکتے ہیں؟

(قرآن مجید ۳۹/۹)

۲۔ تم کو علم سے تھوڑی مقدار دی گئی ہے۔ (" ۱۷/۸۵)

۳۔ اللہ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں (" ۳۵/۲۸)

۴۔ اور کہہ میرے آقا مجھے علم میں زیادتی عطا کر (" ۲۰/۱۱۴)

۵۔ تمھیں وہ چیز سکھائی گئی، جو نہ تم جانتے تھے، اور نہ تمھارے آباد اجداد۔

(قران مجید ۶/۹۲)

۶۔ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں، اور سمندر سات دیگر سمندروں کیساتھ سیاہی بن جائیں تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہوسکیں۔ (قران مجید ۳۱/۲۷)

---

[۵]۔ ترمذی ۴۴/۶۸۔ ابوداؤد ۳۹/۱۶، ابن حنبل جلد (۵) ۳۱۷، طیالسی صفحہ ۵۷۷۔

۷۔ قسم ہے پہاڑ کی اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے، ایک جھلی پر جو پھیلائی گئی ہے
(قرآن مجید $\frac{52}{1 \text{ تا } 3}$)

۸۔ قسم ہے دوات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو (قرآن مجید $\frac{68}{1}$)

۹۔ اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجی ہوتی (قرآن $\frac{6}{7}$)

۱۰۔ اگر تمھیں معلوم نہ ہو، تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو (قرآن $\frac{16}{43}$)

یہ تمام مکی آیتیں ہیں۔

کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لیے نہیں ہوتا چنانچہ ہمیں حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث میں رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔[۵]

اس کی تائید قرآنی آیتوں سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا ہے:۔

۱۔ (ابراہیم اور اسماعیل نے دعا کی): اے ہمارے آقا ان کے پاس انھیں میں کا ایک رسول بھیج، جو انھیں تیری آیتیں سنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ کرے۔ تو ہی طاقتور اور عقلمند ہے۔
(قرآن مجید $\frac{2}{129}$)

۲۔ وہی ہے جس نے اُمیوں میں انھیں میں کا ایک رسول بھیجا تاکہ انھیں اس کی آیتیں سنائے، ان کا تزکیہ کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اگرچہ اس سے پہلے وہ خاص گمراہی میں مبتلا تھے۔ (قرآن $\frac{62}{2}$)

۳۔ بیشک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی جب اس نے ان کے پاس انھیں میں کا ایک رسول بھیجا، جو انھیں اس کی آیتیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے وہ فاش گمراہی میں مبتلا تھے (قرآن مجید $\frac{3}{164}$)

---

[۵]۔ ابن عبد البر کی مختصر جامع بیان العلم ص ۲۵ نیز ابن ماجہ باب فضل العلماء

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں، خاص کر ایسے شخص کے لیے جو مذہب وسیاست کو بالکل الگ اور ایک دوسرے سے آزاد چیزیں نہ سمجھتا ہو اور جس کا مطمح نظر یہ ہو کہ

اے ہمارے آقا، ہمیں اس دنیا میں بھی
بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور رہیں آگ کے عذاب سے بچا
(قرآن مجید ۲/۲۰۱)

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانے میں جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی کوئی ایک درجن مدینے والوں نے اسلام قبول کیا تھا، تو ان کی خواہش پر رسول کریم صلعم نے ان کے ساتھ مکے سے ایک تربیت یافتہ مسلم[1] روانہ کر دیا تھا جو انھیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے، اور دینیات اسلام سے واقف کرا سکے۔ بے شبہ اس ابتدائی زمانے میں تعلیم سے مراد صرف مبادی دین اور عبادت کے طریقوں کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی۔

زمانہ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز، جو اس سلسلے میں بیان کی جا سکتی ہے، یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا، جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے، اس کو لکھ لیں، اور اس کی نقلیں کریں۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے، تو انھیں قرآن مجید کی چند سورتیں اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملی تھیں، اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھیں۔

اس سلسلے میں سب سے آخر میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو قرآن شریف کی ایک مکی سورۃ (کہف) میں مذکور ہے کہ کس طرح وہ طلب علم کے لیے گھر سے نکلے، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، اور دل دہلانے والے تجربے حاصل کیے۔ اس قصے کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے، ہر چیز نہیں جان سکتا، اور یہ کہ علم میں زیادتی کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے[2]۔

بعد ہجرت ہمارے پاس بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے، اس کو سنہ وار ترتیب کی جگہ فن وار مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۸۹ [2] طلب علم کے لیے سفر کے سلسلے میں دیکھئے مقدمۂ دارمی ص ۲۶۔

مثلاً مدرسوں کا انتظام، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصابِ تعلیم، عورتوں کی تعلیم، صوبہ جات میں تعلیمی انتظام، صوبہ جات میں دورہ اور تفتیش کرنے والے افسر وغیرہ۔

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم کو مدینۂ منورہ روانہ کیا تھا جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ جب ہجرت کے بعد رسول کریم صلعم خود مدینۂ منورہ پہنچے تو بے شمار اور بے حد اہم جنگی اور سیاسی مصروفیتوں کے باوجود آپ اس کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے، کہ مدینۂ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور سے نگرانی کر سکیں چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے سعید بن العاصؓ کا تقرر کیا تھا، کہ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں، یہ بہت خوشنویس بھی تھے[1]۔ رسول کریم صلعم کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی، کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر مکے والے جنگِ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپ نے ان لوگوں کا جو مالدار نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں[2]۔ حضرت عبادہ ابن الصامتؓ کہتے ہیں، کہ رسول کریم صلعم نے مجھے صفّہ میں اس غرض سے مامور کیا تھا، کہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دوں[3]۔''

صفہ سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے۔ یہ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا جو اس غرض کے لیے مختص کر دیا گیا تھا، کہ باہر سے تعلیم کے لیے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھرے طالب علموں کے لیے دارالاقامے کا بھی کام دے، اور مدرسے کا بھی۔ اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی، قرآن مجید کی سورتیں

---

[1]- استیعاب ابن عبدالبر ص۲۹۳، نیز نظام الحکومۃ النبویہ مولفۂ کتانی ۱/۴۸ بحوالہ ابو داؤد [2] ابن سعد ۲/۱۴ سہیلی ۲/۹۰، مسند ابن حنبل ۱/۲۴۷ کتانی کتاب مذکور ۱/۴۸ [3] کتانی ۱/۴۸ بحوالہ ابو داؤد وغیرہ (ابو داؤد کتاب البیوع، باب کسب المعلم)

زبانی یاد کرائی جاتی تھیں، فن تجوید سکھایا جاتا تھا، اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا، جس کی نگرانی خود رسول کریم صلعم شخصی طور سے فرمایا کرتے تھے، اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہ طلبہ اپنی فرصت کے گھنٹوں میں طلبِ روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے[1]۔

درس گاہِ صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے، جن کے مدینے میں گھر تھے، اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی[2]۔

مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے، اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کرکے اپنے وطنوں کو واپس ہوجاتے[3]۔

رسول کریم صلعم اکثر اپنے تربیت یافتہ صحابیوں کو قبائلی وفود کیساتھ انکے مسکنوں کو روانہ کردیتے، تاکہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں جن کے بعد وہ مدینہ واپس آجاتے[4]۔

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی کہ جب مدینے کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے، تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترکِ وطن کرکے مرکز اسلام کے قریب آبسیں[5] جہاں بعض وقت ان کو اپنی آبادی بسانے کیلئے

---

[1] بخاری باب سریہ بیر معونہ [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ [3] بخاری باب رحمۃ البہائم اور تفسیر طبری جلد (۱۱) صفحہ ۵، نیز تفسیر خازن میں سورہ (۹) آیۃ ۱۲۲ کی تفسیر جہاں قرآن مجید میں حکم ہے، کہ پوری قوم جہاد پر نہ جائے، بلکہ چند لوگ تعلیم حاصل کرکے رہنمائی کا فریضہ انجام دیں، نیز ابن عبدالبر کی کتاب العلم صفحہ ۲۰ تا ۲۱ [4] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ جلد ۱ صفحہ ۴۳ وما بعد۔ [5] دیکھئے مفتاح کنوز السنۃ لفظ ہجرہ

سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں[1]۔

ترکِ وطن کے اس حکم میں فوجی، سیاسی اور تمدنی جو اغراض پوشیدہ تھے وہ ظاہر ہیں۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے[2] کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا، ایک معلم روانہ کیا۔ معلموں کو ہجرت کے متعلق جو عام ہدایتیں تھیں، اس کی انھوں نے لفظی تعمیل کی، اور کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ قبیلے والے پریشان ہو گئے، مگر وہ سمجھدار تھے۔ انھوں نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا، تاکہ براہِ راست جناب رسول اکرم صلعم سے معلوم کریں، کہ ہجرت کے حکم کا کیا منشا ہے، اور یہ عرض کریں کہ انھیں اپنا وطن چھوڑنے میں کس قدر معاشی نقصان ہے۔ رسول کریم صلعم نے ان کی مشکلات کو سن کر انھیں اجازت دی کہ وہ اپنے وطن ہی میں رہیں، اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا، جو اسلامی سرزمین میں ہجرت کر آنے والوں کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔

مدنی زندگی میں رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی، کہ قبائل میں تعلیم و تربیت کے لئے معلم روانہ کریں۔ بیر معونہ کے مشہور واقعے میں ستر قاریانِ قرآن بھیجے گئے تھے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے، کہ انھیں نجد کے ایک آباد علاقے میں اور کثیر قبائل میں کام کرنا تھا۔

قبائلی نمائندوں کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ و نادر واقعہ نہ تھا[3] اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ایسے لوگوں کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کی رسول کریم صلعم خود شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے، اور یہ لوگ عموماً صفے میں ٹھیرائے جاتے تھے۔

مدینۂ منورہ میں صفہ واحد درس گاہ نہ تھی، بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود

---

[1] ۔ ابو داؤد جلد ۲ ص ۳۲ وغیرہ۔ [2] ۔ طبقات ابن سعد باب الوفود۔ [3] اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

عہد نبوی میں تعیں[1] اور اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلہ والوں کے لیے درس گاہ کا کام دیتی تھی خاص کر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ قبا مدینۂ منورہ کے جنوب میں مسجد نبوی سے کوئی دو ڈھائی میل پر واقع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسول کریم صلعم وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے[2]۔ بعض احادیث میں رسول کریم صلعم کے عام حکم ان لوگوں کے متعلق محفوظ ہیں جو اپنے محلے کی مسجد کے مدرسے میں تعلیم پاتے تھے[3]۔ آنحضرت صلعم نے یہ بھی احکام صادر کئے تھے، کہ لوگ اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں[4]۔

ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے بیان کیا ہے[5] کہ ایک دن جب رسول کریم صلعم مسجد نبوی میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں: کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول تھے، اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں منہمک۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہیں، البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے۔ جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے چاہے تو نہ دے، البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت کو دور کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں ـــــ یہ کہتے ہوئے آپ نے اس حلقے میں اپنے لیے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا۔

یہاں اس مشہور اور اکثر حوالہ دی جانے والی حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت گزرتا ہے[6]۔

---

[1] ابو داؤد کتاب المراسیل نیز عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۶۔ [2] ابن عبد البر کی کتاب العلم صفحہ ۹۷۔ [3] ابن عبد البر کی کتاب العلم صفحہ ۱۰۱۔ [4] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ (نیز صحیح بخاری املاء نبوی بیان حضرت عمرؓ)۔ [5] ابن عبد البر کی کتاب العلم صفحہ ۲۵ نیز دیگر کتب حدیث۔ [6] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "عالم و فقیہ" بحوالہ بخاری و دیلمی۔ نیز ترمذی باب العلم۔

رسول کریم صلعم خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے صحابہ ان درسوں میں رہا کرتے تھے، جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی۔ آنحضرت صلعم مسجد نبوی کے حلقہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً تدارک فرمایا کرتے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے[1] کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں رسول کریم صلعم نے قضا و قدر کے متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا۔ آپ اپنے حجرے سے باہر آئے مارے غصے کے آپ کا چہرہ تمتما رہا تھا، اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انار کا رس آپ کے رخساروں اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گزشتہ امتیں اسی مسئلے میں اُلجھ کر گمراہ ہو گئی تھیں۔

یہ رسول کریم صلعم کی ایک طے شدہ سیاست تھی، کہ صرف وہی لوگ مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں، جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کوششیں بے کار نہ گئیں، اور خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی دن گزرے تھے، کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے، اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لیجایا کرے۔ اس کا منشاء قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے، اور شہادت کے اغراض کے لیے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے، اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے۔"[2]

مدینے میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی، اور ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں

---

[1] شمائل ترمذی بر موقع۔ [2] قرآن مجید $\frac{2}{282}$۔

دیا جا سکتا تھا، گو اس میں شک نہیں کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اس زمانے میں پتا چلتا ہے[۵۱]

ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط و کتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضاکاروں کے ناموں کی فہرستیں[۵۲] مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر وغیرہ میں خفیہ نامہ نگار جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت صلعم کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری[۵۳] اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد و معاون ہوئیں، کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے۔ تاریخ نے رسول کریم صلعم کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہیں[۵۴]۔ صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ آنحضرت صلعم کی حکومت دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر چلتی تھی، اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپ کو انجام دینے پڑے تھے۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت صلعم ہی سے شروع ہوا[۵۶]۔ آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہو سکتا ہے، جن میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کر لو[۵۷]۔ یا یہ کہ حرف "س" کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے (س) نہ لکھا کرو[۵۸]۔ غالباً یہ حکم اس لیے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ یا یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہیے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے کیونکہ اس سے لکھوانے والے کو زیادہ آسانی سے یاد دہانی ہو جاتی ہے[۵۹]۔

عہد نبوی ہی میں ایک فنی ذوق یا تخصص ترقی کر گیا تھا اور خود

۵۱- کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ، ۱/۲۶۵ تا ۲۷۷۔ ۵۲- کتانی کتاب مذکور جلد ۱ ص ۲۲۱ بحوالہ صحیح مسلم
۵۳- کتانی ۱/۲۲۲ تا ۲۶۳ سیرۃ شامی غزوۂ احد۔ ۵۴- صحیح بخاری ۵۶/۱۸۱ حذیفہ کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ مسلم شماری کی فہرستوں سے پندرہ سو اندراجات شہر مدینہ میں ہونے معلوم ہوئے تھے، جو ظاہر ہے کہ ابتدائے ہجرت کا زمانہ ہو گا ۵۵۔ اس پر چند بہترین تالیف الوثائق السیاسیہ کے نام سے میں نے شائع کی ہے۔ ۵۶- کتانی ۱/۱۴۴، فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری باب الخاتم ۵۷- کتانی ۱/۱۲۹
۵۸- ایضاً ۱/۱۲۵ و مابعد ۵۹- ایضاً ۱/۱۲۵ و مابعد۔

جناب رسالت مآب صلعم اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو، وہ فلاں صحابی کے پاس جائے جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو وہ فلاں کے پاس جائے وغیرہ۔[۱]

متعدد حدیثوں میں معلموں کو معاوضہ قبول کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔[۲] عبادہ بن الصامت کی روایت ہے کہ وہ درس گاہ صفہ میں قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انھیں ایک کمان نذر کی مگر رسول کریم صلعم نے انھیں اس کے قبول کرنے سے روک دیا۔[۳] اس ممانعت سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ملک میں اس کا رواج تھا۔

ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب صلعم کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی، جو غیر زبانیں جانتے ہوں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت جو دربار رسالت کے منشی کہے جاسکتے ہیں، فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی) جانتے تھے۔[۴] آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ ان کو حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیں، اور چند ہفتوں میں وہ اس میں حاذق ہوگئے تھے۔[۵] چنانچہ یہودیوں کو اگر کوئی خط بھیجا جاتا یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا، تو حضرت زید بن ثابت اس کو لکھ یا پڑھ لیا کرتے تھے۔

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے، اس سے پتا چلتا ہے، کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا اس سے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت

۱۔ طبقات ابن سعد برموقع۔ ۲۔ سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان علماء بحوالہ طبرانی نیز بخاری ۳/۲۶ ابو داؤد ۳/۲۴ ۔ ۳۔ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ اس کا ذکر شبلی کی سیرۃ النبی طباعت دوم جلد ۲ صفحہ ... میں بھی ہے۔ ۴۔ کتانی ۱/۲۰۲ بحوالہ العقد الفرید مولفہ ابن عبد ربہ وغیرہ۔
۵۔ ایضاً ۱/۲۰۲ بحوالہ بخاری وغیرہ۔

کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی[1]، پیراکی[2]، تقسیم ترکہ کی ریاضی[3]، حساب دانی[4]، علم ہیئت[5]، علم انساب[6] اور علم تجوید[7] قرآن کی تعلیم دیجایا کرے۔ ایک حدیث میں یہ بھی حکم ہے کہ استاد کی عزت کیا کریں[8]۔

مکہ کے باشندوں کو زبان کی صفائی کا بیحد لحاظ رہتا تھا، اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ انکے بچے صحرا کی آزاد زندگی میں پرورش پائیں، اور مکہ کی رنگارنگ کی آبادی میں مل کر متاثر نہ ہوں اسی سے وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو مختلف قبائل میں بھیج دیتے تھے، جہاں وہ کئی سال رہ کر والدین کے پاس واپس آتے خود رسول کریم صلعم کو بھی اس سے سابقہ رہا تھا، اور آیندہ زندگی میں آپ اسے یاد کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ معزز ین مکہ میں اس کا رواج آج بھی چلا آتا ہے۔

تربیت دلانے کا ایک دوسرا طریقہ مکے والوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ تجارت کیلئے جو کاروان جایا کرتے تھے اس میں کسی معمر کے ساتھ نوعمروں کو بھیجا کریں۔ چونکہ مکے کی معاشی زندگی کا دارو مدار بہت بڑی حد تک تجارت پر تھا، اس لیے اس طریقے کی اہمیت مکے والوں کے لیے جیسی کچھ تھی ظاہر ہے۔ سفر کے تجارب کا فائدہ ماسوا تھا۔

اس زمانے میں نوعمروں اور معمروں کی تعلیمی ضرورتوں کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا چنانچہ احادیث میں واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے، کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دینی چاہیے کہ نشانہ اندازی اور پیراکی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھی، اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بچپن ہی سے بچوں کو سکھایا جاتا تھا، اور سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو انھیں سزا دینے کا حکم تھا[9]۔

عورتوں کے ساتھ علیحدہ سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلعم نے ہفتے میں ایک دن

---

[1] جمع الجوامع مولفہ سیوطی تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابن مندہ، ابو نعیم و دیلمی۔ [2] ایضاً تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابو نعیم و ابن مندہ۔ [3] ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی و دارقطنی وغیرہ نیز ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص۸۰، ابو داؤد ۱۹/۱، ابن ماجہ ۲۳/۱ [4] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان تعلموا بحوالہ مالک [5] ایضاً تحت عنوان تعلموا بحوالہ ابن سنی۔ [6] ایضاً تحت عنوان تعلموا من انسابکم بحوالہ مالک و ترمذی، بیہقی و طبری۔ [7] ایضاً تحت عنوان تعلموا من امر النجوم بحوالہ دیلمی [8] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی۔ [9] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان علموا الصبی بحوالہ ابن حنبل و ترمذی) و بغوی۔

مقرر کر لیا تھا، جب آپ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لیجاتے، ان کو تعلیم دیتے، اور ان کے سوالات کا جواب دیتے[1]۔ آنحضرت صلعم نے عورتوں کے لیے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا[2]۔ ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک خاتون سے خواہش کی کہ وہ آپ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں[3]۔ آنحضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ بی بی عائشہؓ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم، نیز ادب، شاعری اور طب میں بڑا دخل تھا[4]، یہانتک کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو[5]۔ قرآن نے بھی رسول کریم صلعم کی بیویوں پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں[6]۔ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے، کہ جس کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے، اور اس کی تربیت کرے اور اچھی تربیت کرے، پھر اس کو آزاد کر کے باضابطہ نکاح کر لے، تو اسے دگنا ثواب ملے گا[7]۔

رفتہ رفتہ مملکتِ اسلامیہ جو ابتداً ایک شہر مدینہ کے کچھ حصے پر مشتمل تھی، پھیلتی گئی اور نہ صرف خانہ بدوش بدوی، بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا، کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ عہد نبوی کے اختتام پر حکومتِ اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔ کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلم بھیجدیئے جاتے تھے، اور کچھ صوبہ دار گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا جاتا تھا، کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں[8]۔ یمن کے گورنر عمرو ابن حزم کے نام جو طویل

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم [2] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا" (نعم لهو المومنة فی بیتها الغزل) بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ۔ [3] کتانی $\frac{1}{55 \text{ تا } 59}$ بحوالہ قاضی عیاض و ابوداود [4] سیرۃ النبی مولفہ شبلی طبع دوم $\frac{2}{407}$ [5] احادیث فضل عائشہ کسی کتب حدیث میں دیکھی جاسکتی ہیں [6] قرآن مجید $\frac{33}{34}$ [7] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص۶۲۔ [8] کتانی $\frac{1}{43}$ ومابعد۔

تقرر نامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالت مآب صلعم نے لکھا تھا، اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے[1]۔ اس میں بھی گورنر کو ہدایت ہے، کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ، اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ اسی دستاویز میں ایک دلچسپ جملہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں کس طرح فرق کرنا چاہئے اور وہ جملہ یہ ہے کہ "لوگوں کو اس بات کی نرمی سے ترغیب[2] دو کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کریں"۔ گورنروں کو جس تعلیم کے رائج کرنے کا حکم تھا، اس میں دینیاتی ضرورتوں میں سے وضو، جمعہ کا غسل، نماز باجماعت، روزہ اور حج کعبہ کے احکام شامل تھے۔

صوبہ وار درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے رسول کریم صلعم نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا جس کا کام یہ تھا، کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے، اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے[3]۔ کوئی تعجب نہیں جو اور صوبہ جات میں بھی اس طرح کے افسر مامور کئے گئے ہوں۔

آخر میں تعلیم کی نظری حیثیت کے متعلق قرآن و حدیث کے بعض احکام کی جانب اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ شروع سے آخر تک بار بار اور صاف و صریح الفاظ میں اندھی تقلید کو برا ٹھہرایا گیا[4]۔ اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر شخص خود اپنے طور پر غور و فکر کرے اور کسی رسم و رواج کی پیروی محض آبائی و موروثی ہونے کی بنا پر نہ کرے[5]۔ کسی اور مذہبی کتاب میں نظرت کے مطالعہ پر اتنا زور نہیں دیا گیا ہوگا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۹۶۱ تا ص۹۶۲، تاریخ طبری ص۱۷۲۷ تا ص۱۷۲۹، کتانی $\frac{1}{248-49}$ وغیرہ۔ [2] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان علموا، (علموا ولا تعنفوا فان المعلم خیر من المعنف)۔ علموا ولیسروا ولا تعسروا بحوالہ ابن سعد و بیہقی و ابن حنبل۔ [3] تاریخ طبری ص۱۸۵۲ تا ۱۹۸۳ر۵۳ (احوال ۱۱ھ)۔

[4] ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص۱۶۷ باب ذم التقلید بحوالہ آیت "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ"۔ [5] طلب علم کی فضیلت کے لیے دیکھو ابو داود $\frac{24}{1\,,\,3}$ مقدمہ ابن ماجہ ص۱، مقدمہ دارمی ص۱۳ وغیرہ ترمذی $\frac{39}{1\,,\,2}$۔

جتنا قرآن مجید میں ہے کہ سورج، چاند، سمندر کی موجیں، دن اور رات، چمکتے ستارے، دمکتی فجر، پودے اور حیوانات ـــــ تمام ہی قوانین فطرت کے تابع بتائے گئے ہیں، جن سے ان کے خالق کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق علم لامتناہی ہے[۵۱] اور بڑے سے بڑے عالم کا علم بھی تھوڑا ہی ہوتا ہے، یہ کہ سارا عالم انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور انسان جو زمین میں خدا کا نائب ہے، اپنے برتاؤ اور کردار کے مطابق جانچا جائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اس کا بھی بار بار ذکر ہے کہ حق و صداقت کی پیروی کی جانی چاہئے اور موروثی عقائد اور رواجات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔

احادیث میں بھی علماء کی بڑی تعریف کی گئی ہے، اور ان کو سب سے بہتر انسان قرار دیا گیا ہے[۵۲] حتیٰ کہ ان کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے[۵۳]۔ آخر میں ایک حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس کا اکثر حوالہ آتا ہے، اگرچہ ماہرین اس کو اس کے موجودہ الفاظ میں صحیح حدیث نہیں سمجھتے، لیکن اس کا مفہوم قرآن و حدیث کی عام تعلیمی پالیسی سے بالکل متفق ہے، یعنی "علم حاصل کرو اگرچہ چین ہی میں کیوں نہ ہو[۵۴] کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے[۵۵]۔"

ایک حدیث میں یہ دعا ماثور ہے کہ "اے خدا میں تجھ سے علم نافع اور رزق طیب اور عمل مقبول کی استدعا کرتا ہوں[۵۶]" اور اسی پر یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے۔

اللّٰھم انی اسئلک علماً نافعاً و رزقاً طیباً و عملاً متقبلاً ـــــ آمین!

۵۱۔ قرآن مجید ۱۷/۵۸، قرآن مجید میں قصہ موسیٰ و خضر کا مقصد بھی طلب علم کی فضیلت اور علم انسانی کی قلت کو نمایاں کرنا ہے۔ ۵۲۔ من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین (بخاری ۱/۱۳، ۱/۳۱۰، ۱۰/۹۶، ترمذی ۱/۳۹ مقدمہ ابن ماجہ ۱۷، مقدمہ داری ۲۴، ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص ۱۶ تا ۱۷، حدیث خیر الناس العلماء والمتعلمون (مقدمہ داری ۲۵ (ص ۲)، ابوداود ۲۴/۳۲)۔ ۵۳۔ العلماء ورثۃ الانبیاء (بخاری ۳/۱۰، ترمذی ۳۹/۹، ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص ۲۱)۔ ۵۴۔ اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ (ابن عبدالبر کی کتاب العلم، بیہقی کی شعب الایمان، ابن عدی کی الکامل اور سیوطی کی جمع الجوامع میں یہ حدیث ہے)۔ ۵۵۔ حدیث نبوی بحوالہ کتاب العلم مولفہ ابن عبدالبر ص ۸۔

تاریخ طب یونانی میں حیرت ناک اضافہ

دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹڈ حیدرآباد دکن

بیس ہزار کے سرمایہ سے قایم کرکے حکومت سرکار عالی میں تحت قانون رجسٹری کرائی گئی ہے۔ کمپنی کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ بڑے پیمانہ پر دیہات و قصبات اور جنگلوں سے جڑی بوٹیاں فراہم کرے۔ ضروری دوائیں مشینوں سے تیار کی جائیں۔ مختلف مقامات پر تجارتی دواخانے اور مطب قایم کیے جائیں۔ اور اس طرح دیسی دواؤں اور یونانی طریق علاج کو ترقی دیجائے۔ کمپنی کے حصص دس دس روپیہ کے ہیں ہر حصہ کی رقم ایک سال کے اندر چار قسط سے ادا کی جاسکتی ہے۔ ہر شخص عورت مرد بچہ بوڑھا کمپنی کے جس قدر چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ ہر سال کے اختتام پر کاروبار سے جو نفع ہوگا۔ وہ حصہ داروں کو تقسیم کیا جائیگا۔ اور ان کی رقم حصص کمپنی میں جمع رہیگی۔ اگر آپ اس یقینی اور حد درجہ مفید کاروبار سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی درخواست بھیجکر حصص خرید لیجئے۔

کمپنی کے عملی کاروبار شروع ہوچکے ہیں نظام شاہی روڈ پر فروخت گاہ ادویات اور مریضوں کے علاج کے لئے تجربہ کار اطبا کو مقرر کرکے مطب قایم کردیا گیا ہے بتدریج ان کاروبار میں ترقی اور توسیع کی جائیگی اپنی طبی ضروریات کی تکمیل کیلئے اپنی کمپنی کو توجہ دلائیے۔

مرزا اینڈ انصاری مینجنگ ایجنٹس دی یونانی اینڈ طبی کیمیکل کمپنی لمیٹڈ حیدرآباد دکن

مجلہ نظامیہ

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین فاضل نظامیہ

صرف ٹیٹل مطبوعہ شمس الاسلام پریس

۱۳۶۱ھ

مشہور مستند مفید یونانی دوائیں

ساکا
ہر عمر، ہر مزاج کے مردوں
کے لیے ہر موسم میں خاص مقوی
... چھ روپیہ

آسیاکا
معدہ اور آنتوں کی خاص
مقوی مفرح ہاضم دوا۔ دو روپیہ
چار آنہ۔

صفاکا
فساد خون کی تمام بیماریوں کی
مکمل اور اعلیٰ درجہ مصفی۔ دو روپیہ

روپ سنوار
بالکل سیال غازہ چہرہ اور
جلد کو حسن دیتا ہے۔ دو روپیہ

بخاری
ہر قسم کے بخار کو بلا ضرر فوراً
اتارنے والی دوا۔ فی بکس
آٹھ آنہ۔

نساکا
ہر عمر و مزاج کی عورتوں کے

لیے ایک خاص مقوی دوا قیمت
سات روپیہ آٹھ آنہ۔

شادانیکا
معدہ، قلب، خون کی حرارت اور
تخمیر معدہ کی خاص دوا۔
دو روپیہ بارہ آنہ۔

جوبانیکا
سینہ کو سخت گول سڈول
خوبصورت بنانے والی چیز ہے
چار روپیہ آٹھ آنہ۔

بالین
بال دور بال پیدا کرنے والے
غدودوں کی غذا اور مقوی تیل
تین روپیہ۔

بوٹانیکا
مادہ تولید کی خرابیوں جریان
و رقت کو دور کرنے کی خاص دوا۔ چار روپیہ
آٹھ آنہ۔

سنیاکا
سینہ حلق پھیپھڑوں کی اکثر

بیماریوں کی واحد دوا قیمت
دو روپیہ۔

سوزیکا
جدید و کہنہ سوزاک
اس کی سمیت کو دور کرنے کی
تین روپیہ بارہ آنہ۔

حافظ ارواح
ملیریا ٹائیفائڈ اور تمام
بخاروں کی مکمل واحد
ایک روپیہ۔

جاری
ایام کی بندش نلور
درد وغیرہ کے لیے موثر
فی بکس آٹھ آنہ۔

مفصل معلومات
کے لیے فہرست مفت
طبی مشورہ و معائنہ تشخیص
امراض وغیرہ بلا معا...

یونانی طبی کیمیکل کمپنی لمیٹڈ عقب ٹپہ خانہ پتھر گٹی حیدرآباد دکن

مجلہ نظامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیمت سالانہ ...... ۴ روپے

رعایتی ...... [illegible]

مقام اشاعت: حسینی علم حیدرآباد

مجلہ نظامیہ

آہ مدیر شہیر

مولوی احمد محی الدین صاحب مدیر رہبر دکن کے اچانک اور بے وقت انتقال سے ملک و ملت کو جو نقصان عظیم پہنچا وہ ناقابل تلافی نقصان ہے۔ یہ مرحوم کی پرخلوص خدمات کا محمود نتیجہ ہے کہ آج ملک اور بیرون ملک کے ہر گوشہ سے رنج و ملال کا اظہار ہو رہا ہے۔ خدا بخشے مرحوم کو جنھوں نے اپنی تمام عمر ملک و ملت کی خدمت اور احیاء علوم دینیہ میں ختم کی دعا ہے خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگاں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

فہرس

جلد ۶	اردی بہشت۔ خورداد ۱۳۵۱ف صفر۔ ربیع المنور ۱۳۶۱ھ مارچ۔ اپریل ۱۹۴۱ء	۶ - ۷

بصائر و حکم :-

بخاری شریف میں روایت ہے کہ قریش نے عروہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا وہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ جب حضرت وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کا وہاں ہجوم رہتا ہے وضو کا پانی جسم مبارک سے جدا ہوتے ہی قبل اس کے کہ زمین پر گرے ہاتھوں ہاتھ اُسے لے لیتے ہیں اور آپ تھوکتے ہیں تو تھوک اور بلغم کے لیے لوگ ہاتھ پھیلا پھیلا کر بہت جلدی سے اُسے لے کر منہ اور جسم پر ملتے ہیں اور جب کوئی موئے مبارک زمین پر گرتا ہے تو فوراً اسے اٹھا لیتے ہیں۔

شفاء میں قاضی عیاضؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہوتے تو بول و براز کو زمین فوراً نگل جاتی اور وہاں خوشبو مہکنے لگتی تھی۔

جنگ یرموک میں ایک روز خالد بن ولیدؓ اپنی شجاعت بیان کرتے ہوئے لشکر کفار کی طرف بڑھے ادھر سے ایک پہلوان نکلا جس کا نام نسطور تھا اور دونوں کا دیر تک سخت مقابلہ ہو رہا تھا کہ خالد کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور خالد ہی گے

سر پر آگئے اور ٹوپی زمین پر گر گئی۔ نسطور موقع
پاکر آپ کی پیٹھ پر آگیا اس حالت میں خالدؓ نے
پکار کر اپنے رفقاء سے کہا" میری ٹوپی مجھے دو"
خدا تم پر رحم کرے ایک شخص آپ کی قوم بنی مخزوم
سے تھا دوڑ کر ٹوپی دیدیا آپ نے اسے پہن کر
باندھ لیا اور نسطور پر حملہ کرکے اس کا کام تمام
کردیا لوگوں نے اس واقعہ کے بعد پوچھا یہ
آپ نے کیسی حرکت کی کہ دشمن تو پیٹھ پر آپہنچا
اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی اس وقت
آپ اپنی ٹوپی کی فکر میں تھے جو شاید دو چار آنہ
کی ہوگی آپ نے فرمایا وہ معمولی ٹوپی نہیں تھی
اس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے
مبارک تھے۔ حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ میری ساری
فتوحات کے باعث یہی موئے مبارک تھے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت
انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے حضرت
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح بنوا رہے
تھے اور صحابہ گرداگرد بیٹھے نوبت بہ نوبت
اپنے ہاتھ پھیلا کر موئے مبارک کو حاصل کرتے تھے

خصائص کبریٰ میں ہے کہ وازعؓ
حضرت کے پاس اپنے لڑکے کو لے آئے جس کو
جنون تھا آپ نے اپنا دست مبارک ان کے
منہ پر پھیرا اور دعا کی اس کے بعد وہ صاحبزادے
ایسے عقل مند ہوگئے کہ وفد میں ان سے زیادہ
کوئی عقل مند نہ تھا۔

جلیل القدر صحابہ کے اس عمل سے یہ
ثابت ہوگیا کہ موئے مبارک اور دیگر آثار شریفہ
نہایت واجب التعظیم ہیں تو اس کے مقابلے
میں بعض مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ان کی تعظیم بدعت
اور بت پرستی ہے کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتا

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس کو شرف
حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھا آنحضرت
صلعم آگے تھے ابن عباس پیچھے ارشاد ہوا
صاحبزادے جب مانگنا ہو تو اللہ سے
مانگو اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ کی مدد
کے لیے پکارو۔

مفلس کون ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کیا تم جانتے
ہو کہ مفلس کون ہے حاضرین نے عرض کیا
ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم
واسباب وغیرہ کچھ نہ ہو جواب میں نبی کریم صلعم
نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ شخص
ہے جو قیامت کے روز نماز و روزہ و زکوٰۃ
سب کچھ لے کے آئے مگر ساتھ ہی اس نے اگر کسی
کو گالی دی ہو اور کسی کو تہمت لگائی ہو اور
کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون گرایا ہو
اور کسی کو مارا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے

ہر ایک حق دار کو اس کے حق کے برابر دی جائیگی
اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کے برابر
نہ ہوئیں تو ان حق داروں کے گناہ لے کر اس کی
برائیوں میں شامل کئے جائیں گے پھر اس کو
دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

حضرت فاطمہ بنت علیؓ سے مروی
ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو
اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا اور ہمارے ساتھ
مہربانی سے پیش آیا اسی اثنا میں ایک سرخ
رنگ کا شامی کھڑا ہوا تھا کہنے لگا امیر المومنین
یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے اور میری طرف
اشارہ کیا۔ اس وقت میں کمسن اور خوبصورت
تھی میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب
کی چادر پکڑ لی وہ مجھ سے بڑی اور زیادہ سمجھدار
تھیں انھوں نے پکار کر کہا تو کمینہ ہے نہ تجھے
اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق
اس جراءت پر یزید کو غصہ آگیا کہنے لگا تو
جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے اگر
چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں زینب نے کہا
ہرگز نہیں خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا
یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ
اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرو
یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا کہنے لگا دین سے
تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے زینب
نے بلا تامل جواب دیا اللہ کے دین سے میرے
باپ کے دین سے میرے بھائی کے دین سے
میرے نانا کے دین سے تو نے تیرے باپ
نے تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے۔ یزید
چلایا اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے زینب
بولیں تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے
گالیاں دیتا ہے اپنی قوت سے مخلوق کو
دباتا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت علیؓ کہتی ہیں یہ گفتگو
سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ ابھی
کچھ نہ بولا مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی
بات کہی اس پر یزید نے غضبناک آواز
میں اسے ڈانٹ بتائی دور ہو کمبخت خدا
تجھے موت کا تحفہ بخشے۔

دسویں صدی ہجری کا واقعہ ہے کہ
بیجاپور کی قضاءت پر قاضی ابراہیم زبیری
مامور تھے ایک بڑھیا مستغیث ہوئی مدت
تک اس کے مقدمے کی تحقیقات ہوتی رہی
وہ ہمیشہ کچہری میں آتی جاتی تھی کثرت مستغیثین
کو دیکھ کر قاضی صاحب کے گھر میں چلی گئی دیکھا کہ
قاضی صاحب کی بیوی ساگ کو درست کر رہی ہیں
پیرزن بھی درست کرنے میں شریک ہوئی

اور بیوی صاحبہ سے تکلم کرتی تھی اور کہا کہ جب قاضی صاحب اندر تشریف لائیں تب آپ ان سے میرے مقدمے کی بابتہ کہنا اس عرصے میں قاضی صاحب گھر میں آئے اور دسترخوان پر بیٹھکر کھانا شروع کیا پہلے ہی لقمے میں فرمایا آج کھانے میں شبہہ معلوم ہوتا ہے جواب میں بیوی صاحب نے کہا معاذ اللہ کسی قسم کی بد احتیاطی نہیں ہوئی البتہ ایک بوڑھیا مستغیثہ آئی اور ساگ درست کرنے میں شریک ہوئی تھی آپ نے فرمایا یہی وجہ ہے غضب ہے کہ میں قضا کے کام پر مامور ہوں اور مجھ کو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ واجب ہے اور یہ مستغیثہ بھی مسلمہ ہے اس کا مقدمہ بغیر حصول نفع کے فیصلہ کرنا چاہئے وہ آپ کے ساتھ ساگ درست کرنے میں شریک ہوئی ہم کو اس سے نفع حاصل ہوا یہ واقع میں رشوت ہے قیامت میں قاضی رشوتی کے لقب سے پکارا جاؤں گا اسی روز خدمت قضا سے مستعفی ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کی۔

سیزدہ صد سالہ جلسہ یادگار میں نواب بہادر یار جنگ بہادر نے کہا امام حسین علیہ السلام نے جس حیات اجتماعی کی بقا کے لیے جان دی ہمیں چاہئے کہ اب مختلف فیہ مسائل میں الجھنا چھوڑ دیں ہر شخص اپنی جگہ جو سمجھتا ہے سمجھے اپنے مخصوص عقیدے پر جا رہے شیعہ برادران ملت بھی سمجھیں کہ علیؓ وصی رسول اللہ تھے خلافت ان کا ہی حق تھا سنی بھی سمجھیں کہ ابو بکرؓ افضل صحابہ تھے لیکن کیا دونوں فرقے ایک ایسا اختلاف رکھنے پر بھی متحد نہیں ہو سکتے کیا ایک خدا ایک رسول ایک قرآن بھی ہم کو متحد نہیں کر سکتے کیا نمازوں کی رکعتوں میں کوئی اختلاف ہے کیا کسی فرقے کی نماز مغرب میں دو فرض رکعتیں یا ظہر میں پانچ رکعتیں ہیں اور جب اتنی مابہ الاشتراک چیزیں ہیں تو کیا ہم متحد نہیں ہو سکتے اور کیا یہ ہمارے لیے ناممکن ہے کہ اختلاف فیہ مسائل کا تذکرہ ہی چھوڑ دیں میں محبان علیؓ اور عاشقان حسینؓ کو سنت علی پر پوری طور سے گامزن نہیں پاتا۔ مجھے کہنے کی اجازت دیجئے کہ کیا حضرت علی نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی لیکن کیا کسی وقت حضرت علی نے اشتراک عمل سے گریز کیا اور جب آپ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ کی خلافت میں ابو بکرؓ و عمرؓ کی بہ نسبت کمزوری کیوں ہے تو حضرت علیؓ نے معترضین کو یہ جواب نہیں دیا کہ ہمارے مشیر تم ہو اور ان کے مشیر ہم تھے۔

آخر میں نواب صاحب نے کہا کیا آج کوئی مشترکہ پلیٹ فارم نہیں مل سکتا کیا آج اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ ہم جمع ہو جائیں

میں اس کے متعلق کچھ اور نہیں کہوں گا کہ محبان علی اور عاشقان حسین نے باستثنائے ایک یا دو ہم سے دوری رکھی کیا یہ فرض کفایہ ہے؟

اورنگ آباد۔ ۲۹ر فروری۔ اپریل نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات دفینانس نے نشرگاہ اورنگ آباد سے تقریر کرتے ہوئے مملکت کے نظام تعلیم کے نسبت اس طرح فرمایا۔

"بچوں کو ان کی مادری زبان اور مقامی زبانوں میں سے کسی ایک میں تعلیم دی جانی چاہئے حیدرآباد کے لیے ملک کی چار مقامی زبانوں میں سے کسی ایک کو ذریعہ تعلیم بنانے کا سوال آیا تو "ہندوستانی" کو محض اس لیے منتخب کیا گیا کہ یہ مملکت کی عام اور مشترکہ زبان ہے اور ہندوستاں کی قومی زبان

تنقید و تبصرہ

تاریخ شاہد ہے کہ مذہب پر ادبار اور تنزل کی حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ اس کے پیرو اس کے احکام کی تعمیل میں خلوص نیت سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں عبادات اور اعمال میں ریاکاری اور نام و نمود کو جگہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے مذہب کی اصلی روح کمزور اور مضمحل ہونے لگتی ہے اور چند اعمال کی بجا آوری کا نام مذہب قرار پاتا ہے یہی حال ہمارا بھی ہے۔ آج ہم سے مذہب کی روح جاتی رہی فروعات اور غیر ضروری امور کو اہمیت دی گئی جس کا نتیجہ ہے کہ آج دین اسلام (۷۲) فرقوں کے بجائے (۷۵) فرقوں میں تقسیم ہو گیا ہے' اگر اس تقسیم کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب فرقے چند خود غرض اصحاب کی خود ساختہ کوششوں کا نتیجہ ہیں جن کے پیش نظر ملت میں تفریق اور انتشار پیدا کرنا تھا حالانکہ اسلام کی تعلیم اس سے کوسوں دور ہے اسلام دنیا میں امن و امان اتحاد و اتفاق، اور خوشحالی وغیرہ کے اسباب مہیا کرنے کے لیے آیا مگر بعد میں غیر متوقع طور پر یہ کئی حصوں میں منقسم ہو گیا اور بحیثیت مجموعی ملت کو فائدہ پہنچنے کے بجائے تباہی قوم کو گڑھے کی طرف لے چلی ہے۔ وقت کے اس اہم موضوع پر غور کرنے کے لیے اور مابہ الاشتراک امور پر متفق اور متحد ہونے کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ عامۃ المسلمین میں مذہب کی اصلی روح پیدا ہو اور جو توقع دنیا کو مسلمانوں سے تھی اس کی تکمیل ہو سکے۔ یہ دو کتابیں بھی فروعی مباحث متعلق ہیں

تفسیر الفرقان کے نام سے مولانا سید شاہ محمد صاحب شطاری

سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع فرمائی ہے جس میں مولانا موصوف نے فرقہ واری مباحث اور مجادلات کلامی سے بحث نہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے لیکن امامت اور بیعت عامہ کے تحت امامت کے استحقاق کو اہل عترت سے ہونا بتلا کر کتاب کو گنجلک بنا دیا ہے حالانکہ یہ سائل اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع کے درمیان صدیوں سے موجب اختلاف رہے ہیں جس کی تازگی سے ملت کو نہ مذہبی حیثیت سے کچھ فائدہ پہنچ سکا اور نہ سیاسی اعتبار سے ملت کو عروج حاصل ہو سکا اگر یہ مباحث زیر تبصرہ کتاب میں نہ آتے تو یقین تھا کہ سورہ فاتحہ کی یہ تفسیر جس نوعیت سے لکھی گئی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہوتی اور اس سے مسلمانوں کو بے حد فائدہ پہنچنے کی اس وجہ سے توقع تھی کہ اس میں مذہبی معلومات کے علاوہ سیاسیات اسلامی کے ارتقا کے اسباب پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے جس کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کتاب کے صفحہ (۲۳۰) پر امامت و نماز جماعت کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ مسلمان قوم کا نظام سیاسی یہی ہے کہ وہ ایک ہستی مطلق (اللہ تعالیٰ) کو اپنا بادشاہ اور شہنشاہ تسلیم کرتا ہے اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں ابو بکر۔ عمر۔ وغیرہما کا بھی یہی طور طریق تھا اور یہ زمانہ بامام دور تھا اس لیے نماز کے لیے جس طرح جماعت کی ضرورت ہے اسی طرح اسلامی قومی زندگی کے لیے امامت اور جماعت کی ضرورت ہے اور مسلم قوم کے لیے بلا امام کی زندگی صحیح اسلامی نہیں کہلاتی غرض کہ زیر تبصرہ کتاب میں ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعی میں روح پیدا کرنے کے لیے بہت سے اچھے اور مفید مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں جن لوگوں کو ان مسائل کی تحقیق قرآن سے معلوم کرنی ہو انہیں ضرور دیکھنا چاہیے۔

مسئلہ خلافت اور مولانا شاہ محمد صاحب شطاری

اس نام سے ایک رسالہ چھوٹی سائز (۴۷) صفحے پر جناب ابو سعید صاحب کنج نشین کی جانب سے شائع ہوا ہے دراصل یہ رسالہ ان مباحث اور مسائل کا جواب ہے جس کو مولانا شطاری صاحب نے سورہ فاتحہ کی تفسیر کے سلسلے میں بعض مختلف فیہ مسائل کو بیان کیا ہے مثلاً صفحہ (۳۷) پر من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ

قرب وفات کے وقت قلم کاغذ آپ نے منگوایا تھا کہ حضرت علیؓ کے لیے وصیت لکھ دیں

مگر چونکہ عرب کی ہلاکت و بربادی مشیئت ایزدی
میں مقدر تھی یہ بات نہ ہونے پائی ورنہ شروع
سے ہی اگر حضرت علی کی امامت کا سلسلہ چلتا اور
یہ سمجھ لیا جاتا کہ امامت کا خاندان یہی ہے کہ انتخاب
امام اسی میں سے ہوا کرے تو یقیناً دوسروں کو
خلافت کی لالچ ہی نہ ہو سکتی اور نہ اسلام میں بادشاہت
فرعونی پیدا ہوتی اور نہ امام واحد کی جگہ سیکڑوں
ہزاروں امام ہوتے اور نہ اس طرح جسد امت
پارہ پارہ ہوتا حضرت صدیق اور فاروق رضی اللہ
عنہم جیسے نیک بزرگان ملت کی خلافت ایک بہترین
نمونہ آسمانی بادشاہت کا تھا مگر ان ناہنجاران
بنی امیہ کو بھی جو اپنی شرافت نسب کو شیخین کے
نسب سے بھی اعلیٰ مانتے تھے ہوس بادشاہت
پیدا ہو گئی غرض کہ تفسیر سورہ فاتحہ کے بعض
مقامات پر فرقہ واری مباحثات آگئے تھے جو
حنفی مسلک کے منافی تھے ان کا جواب اس سائل نے
تحقیق سے دیا گیا ہے لیکن محرر جواب کا انداز بیان اصل
موضوع سے ہٹا ہوا ہے چنانچہ زیر تبصرہ رسالے
کے صفحہ ۴ پر بتلایا گیا ہے کہ "کیوں مولوی صاحب
(۱۱) صفحوں کے اندر اندر دماغی توازن قائم
رکھنا مشکل ہو گیا ہے کیسا ہوا کا سخت جھونکا کر
چونکا دیا اسی طرح صفحہ (۵) پر ختم اللہ علی قلوبہم
وعلی ابصارہم وغیرہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو بطرح

صحیح نہیں ایک جواب دینے والے کے پیش نظر
نفس سائل کا جواب ہونا چاہئے اور ہمیشہ جواب میں
ذاتیات سے بحث نہ ہونی چاہئے خلاصہ یہ کہ
ہر سمجھ دار مسلمان کے پیش نظر یہ مسئلہ ہونا چاہئے کہ
وہ کسی وقت بھی فرقہ واری مباحث میں حصہ
نہ لے کیونکہ ان مسائل پر بحث و مباحثہ یا اس
میں شریک ہونے سے قوم کو بحیثیت مجموعی کسی
قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور نہ ان کا
تصفیہ آج ممکن ہے ماضی کے حالات پر شکایت
سے قوم میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور اس
انتشار سے تباہی قوم کو گڑھے کی طرف لے چلتی
ہے جہاں تک ہو سکے مسلمان اختلافی مسائل سے
علیحدہ رہیں اور اس کے بجائے کسی تعمیری کام
میں اپنی قوت علم و عمل کو صرف کریں تو زیادہ اچھا
ہے ورنہ ہماری مضحکہ خیزیاں آیندہ ہمارے لیے مضر ثابت ہوں گی
بہر حال اس رسالے کے مطالعے سے بہت سے فائدے حاصل
ہونے کی توقع ہے

سریلے بول

تقطیع خورد ضخامت ۲۰۰ صفحات کتابت و طباعت
بہتر کاغذ سفید اور چکنا قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ
شائع کردہ عظمت زبیدہ بیگم ملنے کا پتہ:۔
محمد رشید اللہ خاں ۔ برکت ۔ بنگلہ ٹھگی جیل قدیم
حیدرآباد دکن ۔

مولوی عظمت اللہ خاں مرحوم بزم اردو

کے ایک ایسے تابندہ ستارے تھے جن کو اس دنیا سے روپوش ہو جانے کے بعد بھی زمانہ عرصے دراز تک یاد کرتا رہے گا مرحوم کی وفات ۱۹۲۵ء میں ہوئی کامل (۱۳) سال کے بعد آپ کے کلام کا مجموعہ سریلے بول کے نام سے شائع ہو رہا ہے جو باعتبار زبان اور نوعیت کلام میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے حقیقت یہ ہے کہ مرحوم ایک غیر معمولی قوت کے مالک تھے جن کی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

سریلے بول کا دیباچہ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ نے لکھا اور جناب ریاض الدین خاں صاحب بی۔اے بی۔ٹی نے اس کو مرتب کیا اور حکیم الشعرا حضرت امجدؔ نظامیہ حیدرآبادی نے وفات عظمت پر نوحہ لکھا ہے۔ لایق مرتب کی یہ کوشش بہر گونہ لایق تحسین و آفرین ہے اور ان کا مقصد بھی نیک ہے کہ انھوں نے حضرت عظمت جیسے حساس اور درد مند شاعر اعظم کے کلام کو نہایت اچھی ترتیب کیساتھ شائع کیا ہے عظمت اللہ صاحب کے وہ تمام مضامین جو مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے ہیں ان سب کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے تاکہ اردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو سکے چند سریلے بول بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں جس سے آپ کے کلام کا سریلا پن اور فن عروضی کا کمال ظاہر ہوگا۔ وطن کے سلسلے میں ظاہر کیا گیا ہے کہ :۔

مری جان ہو کہ مرا بدن۔ ترا جلوہ گاہ ہے اے وطن
تری خاک ان کا خمیر ہے
مرے خون میں یہ جھلک تری۔ مری نبض میں یہ چپک تری
مری سانس تری صفیر ہے
تری خاک پاک ذلیل ہے۔ تو غلامیوں کی دلیل ہے
تری پہ د شرم کا داغ ہے
تجھے ماسوا نے گرادیا۔ ہمیں ماسوا نے مٹا دیا
ہوے تفرقوں سے تمام ہم
تجھے جب تلک کہ بھلا رکھا۔ ہمیں وقت نے بھی مٹا رکھا
بنے گھر میں اپنے غلام ہم

حضرت عظمت ظرافت نگاری میں ایک مخصوص طرز کے مالک تھے جذبات اور تاثرات کے اظہار میں مرحوم کو خاص ملکہ تھا ہندی اور فارسی کی آمیزش سے آپ کے کلام میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ بتلایا گیا ہے

چال نشیلی جھومتا بادل۔ یا کوئی ندی لہراتی
چُور جوانی میں اٹھلاتی
ڈرتی ڈرتی بچتی بچاتی۔ رکتی رکاتی شرماتی
دل کو مسلتی دل تڑپاتی
بڑی بڑی سی آنکھ غلافی۔ پتلی بھونرا سی کالی
خمار اک مستانہ چھایا
وہ سر ہی مقناطیسی۔ دن میں چمک ناگن والی
آنکھ لڑی اور دل کو لُبھایا

یقین ہے ارباب ذوق اور نوجوان طبقہ خصوصاً اس سریلے بول سے مزید مستفید ہوگا۔ فقط

حبشہ اور عرب

قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعۂ عثمانیہ

قدیم زمانے میں حبش نامی ایک قبیلہ ہمیں یمن میں ملتا ہے۔ اسی بنا پر نیز علم کاسۂ سر کے تحقیقاتی نتائج کے طور پر اب یہ خیال روز افزوں مقبولیت حاصل کرتا جارہا ہے کہ حبشی اصل میں یمن سے آئے ہوئے نو آباد کار ہیں۔ حبشہ (یا ابی سینا) میں ایک صوبہ "اہرہ" بھی ہے۔ اس کا اب "مہرہ" سے تعلق قائم کیا جارہا ہے، جو جنوبی عرب میں حضرموت کے مشرق میں ایک بڑا علاقہ ہے۔ لسانیاتی تحقیقات نے بھی مہرہ اور اہرہ کی بولیوں میں بڑی قربت ثابت کردی ہے، اور میں نے ۱۹۳۳ء میں دیکھا تھا کہ جامعۂ پاریس کے مدرسۂ السنۂ مشرقیہ میں اس مسئلے پر خاص طور سے توجہ کی جارہی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً ایک سو سال پہلے یمن میں ذُونُواس نامی ایک یہودی بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے زمانے میں صوبۂ نجران میں عیسائیت بہت عام ہوگئی تھی۔ طبری نے دو روایتیں بیان کی ہیں، ذونواس نے یہودیت میں غلو کے باعث نجرانیوں کو عیسائیت چھوڑنے اور یہودیت قبول کرنے کا حکم دیا[1] ــــ یا یہ کہ ایک یہودی کے دو بچے نجران میں مارے گئے تھے اور انکے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۹۲۵۔

باپ کی شکایت پر اس نے نجرانیوں کو نہائیہ (الٹی میٹم) بھیجا[1] اور جب نجرانیوں نے عیسائیت کو چھوڑنے سے انکار کیا تو بڑی فوج لے کر ان کے صوبے میں پہنچا اور عیسائیوں کا بڑی بے رحمی سے قتل عام کیا۔ چنانچہ بڑے بڑے کھڈے یا گڑھے کھدائے ان میں آگ جلادی اور عیسائیت سے انکار نہ کرنے والوں کو ان میں زندہ جھونک دیا[2]۔ مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن مجید (۸۵: ۴ تا ۷) میں آیت (قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود) میں اسی واقعے کی جانب اشارہ ہے۔
بچے کچھے آدمیوں میں سے ایک حبشہ پہنچنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو گیا۔ اس نے جلی ہوئی انجیل نجاشی[3] کو دکھائی اور فریاد و زاری کر کے انتقام پر توجہ دلائی۔ نجاشی نے جلی ہوئی انجیل بیزنطینی شہنشاہ کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی اور کشتیاں مہیا کرنے کی استدعا کی ـــــ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ نجران کا فریادی براہ راست قیصر ہی کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے کہا کہ میرا ملک بہت دور ہے میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ نجاشی کو میں خط لکھتا ہوں۔ وہ بھی عیسائی ہے اور اس کا ملک تمھارے ملک کے قریب ہے۔ وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارا انتقام لے گا ـــــ قیصر کی مہیا کردہ کشتیاں حبشی بندرگاہوں میں پہنچ گئیں اور خود نجاشی نے سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور مقامی بندرگاہوں میں تجارت کی غرض سے آئی ہوئی ایرانی اور دیگر تاجروں کی بھی بہت سے کشتیاں بیگاری کیلئے

---

[1] - تاریخ طبری صفحہ ۹۲۶۔

[2] - اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے حیرہ کے حکمران کو بھی ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے علاقے میں عیسائیت کو ختم کر دے جیسا سریانی و دیگر حوالوں سے دیو رتسے نے اپنی فرانسیسی کتاب "عرب" صفحہ ۸۲ عمود دوم وصفحہ ۸۳ عمود اول و تعلیق ۲ میں بیان کیا ہے۔

[3] - یہ لفظ عربی میں غیر مشدد جیم کے ساتھ مستعمل ہے۔ اس معرب لفظ کا حبشی اصل نگوس (ንጉሥ) ہے جس کے لفظی معنے بادشاہ کے ہیں۔ اس سے مراد کوئی علم نہیں بلکہ حبشہ کا بادشاہ ہوتا ہے۔

روک لی گئیں۔ ان سب پر عرب کی مقامی روایتوں کے مطابق ستر ہزار اور یونانی
مورخوں کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی سوار کیے گئے اور آبنائے باب المندب
کو عبور کرکے، جس اثنا میں بہت سی کشتیاں طوفان میں ڈوب گئیں، یمن کے ساحل
پر جا اترے۔ ابن الکلبی کا بیان ہے کہ پہلے کچھ فوج بھیجی گئی جو بذات خود اتنی کافی
تھی کہ ذونواس کو مقابلے کی تاب نہ رہی۔ اس لیے اس نے بہت بڑی رقم
پیش کرنے کے وعدے پر امان چاہا۔ اور جب حبشی افسر رقم وصول کرنے آئے تو دھوکے
سے انھیں قتل کرادیا۔ پھر بے سری فوج کا صفایا آسان کام تھا۔ اس شکست کا انتقام
لینے کے لیے نجاشی نے ستر ہزار حبشی فوج بھیجی۔ لاطینی مورخوں کے مطابق پندرہ ہزار
کا مقدمۃ الجیش پیاس اور تھکن کے باعث تباہ ہو گیا۔

لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ ذونواس کو شکست ہوئی اور اس نے خودکشی
کرلی۔ اس کے بعد یمن پر حبشی قبضہ ہو گیا اور یہ علاقہ نجاشی کے قبضے میں آگیا۔[1]

ابرہہ کی گورنری

کچھ دن بعد دو بڑے حبشی افسروں اریاط اور ابرہہ میں اَن بن
ہوگئی اور اریاط کو قتل کرکے ابرہہ یمن کا گورنر بن گیا۔ نجاشی
کو بھی امر واقعہ کا گوارا کرنا اور ابرہہ کی گورنری کو تسلیم کرنا ہی بہتر معلوم ہوا تاکہ ملک
میں مزید خونریزی نہ ہو۔

ابرہہ بڑا دیندار عیسائی تھا، اس نے ملک میں عیسائیت کے پھیلانے کی بڑی
سرگرم کوشش کی اور یمن کے پائے تخت صنعا میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کرایا جس کا
نام قلیس (یعنے کلیسا) رکھا۔ اس کی تعمیر میں بیزنطینی قیصر نے قسطنطنیہ سے بہت
سے کاریگر، سنگ رخام اور چینی کی منقش اینٹیں بھیجیں۔ جب کلیسا تعمیر ہو گیا تو
اسکندریہ کے بطریق نے ایک اطالوی پادری گرے جن تیوس (GREGENTIUS)
کو وہاں روانہ کیا۔[2] نجران میں بھی ایک گرجا اور "شہداء" کا قبرستان تعمیر کیا گیا۔

---

[1] تفصیلات کے لیے سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۴ ما بعد۔ طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۵۵ تا ۵۷۔ تاریخ طبری صفحہ ۹۲۵ ما بعد۔ معارف ابن قتیبہ صفحہ ۳۱۱۔ اخبار الطوال الدینوری صفحہ ۶۲۔ دیورتے کی فرانسیسی کتاب "عرب" صفحہ ۷۰۔

[2] چنانچہ (۴۳۲) دفعات کا ایک دستور عمل اس نے ملک میں نافذ کرایا جس کی یونانی اصل اب بھی ویانا کے کتب خانے کے مخطوطوں میں محفوظ ہے۔ (دیکھیے دیورتے کی فرانسیسی کتاب عرب صفحہ ۱۷، کالم دوم، تعلیق)۔

مأرب کے تالاب کا کتبہ

ابرہہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رعایا پرور حکمران ثابت ہوا۔ اس نے مقامی تالابوں وغیرہ پر توجہ کی۔ اس کے کتبے اب بھی یمن میں دستیاب ہوتے ہیں اور ان سے بہت سی تاریخی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مأرب کے تالاب کا کتبہ دلچسپی کے خاطر (ارض القرآن مولفہ سلیمان ندوی سے) نقل کیا جاتا ہے:۔

"مہربان رحم والے (رحمان ورحیم) اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے ابرہہ اکسومی حبشیوں کا رئیس اراحیس ذبمیان شاہ حبش کا محکوم سبا، ذوریدان، حضرموت، یمنات، تہامہ، اور نجد کا بادشاہ یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پر فتح پائی جس کو اس نے کندہ اور دئی پر حاکم بنایا تھا اور سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور روسائے سبا میں سے مرہ، ثمامہ، حنش، مرثد اور رضف ذو (یعنے قلعہ دار) خلیل، اور آل یزن، روسائے معدی کرب بن سمیفع اور رہفان اور اس کے رشتہ دار فرزندان اسلم اس کے ساتھ تھے۔

"بادشاہ نے اس کے مقابلے میں جراح قلعہ دار زنبور کو بھیجا۔ یزید نے اس کو مار ڈالا اور رتصرکدار کو ڈھا دیا۔ اور کندہ، حریب اور حضرموت کے قبایل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی ....

"بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری اور حبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ماہ ذو القباط۔ سنہ ۶۵۷ (یمنی، مطابق سنہ ۵۴۳ء) میں لے کر چلا۔ جب مأرب کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود آیا اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کر لی.....

"اسی اثنا میں مأرب کے تالاب کی دیوار، حوض اور دروازے کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرح سنہ ۶۵۷ (یمنی، مطابق سنہ ۵۴۳ء) میں آئی۔ قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی اور سیسہ بند کے درست کرنے کے لیے مہیا کریں۔ بادشاہ پہلے مأرب گیا اور وہاں سے کنیسے میں نماز ادا کی۔ پھر موقع پر گیا۔ نیو کھودی اور تعمیر شروع ہوئی.....

"بادشاہ ان رئیسوں سے معاہدہ کرکے واپس آیا۔ شہزادۂ اکسوم قلعہ دار معاہر یعنے فرزند بادشاہ مرجزف قلعہ دار دزناج، عادل قلعہ دار فائش اور قلعہ داران شولمان، "شعبان، رعین، ہمدان وغیرہ ....

"مہربان (رحمان) کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم، منذر (یعنے حیرہ کے بادشاہ) اور حارث بن جبلہ (غستان کے بادشاہ) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے دوستی اور محبت کے اظہار کے لیے ماہ دوان ۶۶۷ (یمنی) مطابق سنہ ۵۴۲ء میں سفیر آئے ...."

اصحاب الفیل مارب ساگر کی اس مرمت کے ستائیس سال بعد ۵۷۰ء میں ابرہہ نے مکۂ معظمہ پر حملہ کیا۔ عرب مورخ اسے اصحاب الفیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بعد یورپی مولفوں کا خیال ہے کہ ابرہہ حقیقت میں خشکی کی راہ سفر کرکے شام جانا اور بیزنطینی شہنشاہ کو ایران کے خلاف مدد دینا چاہتا ہوگا۔ مگر عرب مورخ[1] اس کا باعث اپنے بعض ہم وطنوں کی شرارت بتاتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قلیس (کلیسائے صنعا) کی تعمیر سے بت پرست عربوں کو سخت غصہ آیا اور ان میں سے ایک من چلے کو جو سوجھی تو وہاں پہنچ کر چپکے سے ایک رات وہاں غلاظت کی اور بھاگ آیا۔ دریافت اور تحقیقات پر یہ قیاس کیا گیا کہ کسی مکے والے کی شرارت ہے اور کعبے کی خاطر قلیس کی تذلیل کی گئی ہے۔ غرض ابرہہ بہت سی فوج اور ایک ہاتھی[2] لے کر روانہ ہوا۔ جب مکے کے قریب پہنچا تو قرآن مجید کے

---

[1] - ابن ہشام صفحہ ۲۹ و مابعد

[2] - اکثر مورخ یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید میں اصحاب الفیل میں "فیل" کا لفظ واحد ہی آیا ہے۔ گو بعض مورخ کہتے ہیں کہ متعدد ہاتھی تھے۔ ابن ہشام اور طبری (صفحہ ۹۴۵) نے ہاتھی کا نام "محمود" لکھا ہے۔ ایک حبشی ہاتھی کا نام خالص عربی ہونا قرین قیاس نہیں ممکن ہے یہ لفظ MAMMOTH کا معرب ہو اور یہ ہاتھی موت نسل کا ہو۔ طبری کے مطابق یہ ہاتھی جو غیر معمولی قدوقامت کا تھا ابرہہ کی درخواست پر نجاشی نے حبش سے یمن بھیجا تھا۔

مطابق پرندوں کے جھنڈ (طیراً ابابیل) آئے اور پتھر اور کنکریاں گرائیں۔ نہ معلوم یہ کنکریاں کن جراثیم سے متاثر تھیں کہ فوج میں وبا پھیل گئی[۵۱]۔ بہت سے لوگ مر گئے۔ کچھ ابرہہ کے ساتھ یمن واپس ہو گئے۔ اور کچھ جو بیمار ہو گئے وہیں رہ گئے۔ یہ لوگ سپاہی تھے۔ اس لیے یہ امر قرین قیاس ہے کہ بعد میں یہ مکے والوں کے ان محافظ دستوں میں کام کرنے لگے ہوں جو ان کی حفاظت کے لیے قافلے کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے۔ اسی ہاتھی کے واقعے کے سال آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

یورپی مورخوں کا بیان ہے کہ چونکہ حبشہ بیز نطینی حکومت کے ماتحت نہیں تو زیر اثر ضرور تھا، اس لیے بیز نطینی حکومت کو توقع تھی کہ یمن پر حبشی قبضے سے اسے معاشی مدد ملے گی اور ہندوستان سے ریشم کی خریداری یمن کے ذریعے سے آسان ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں کئی بیز نطینی سفارتیں بھی یمن آئیں۔ لیکن ایرانی تاجر اپنے وسیع کاروبار کے باعث منڈیوں پر چھائے رہے، بلکہ خود عدن اور دیگر یمنی منڈیوں میں ایرانی اثر روز افزوں ہی ہوتا گیا۔ چنانچہ مرزوقی[۵۲] نے بیان کیا ہے کہ عدن میں عطر بنتا تھا جو اپنی لاجواب خوبیوں کے باعث ہند اور سندھ اور فارس و روم تک دساور ہوتا تھا۔ ابھی ابرہہ کے انتقال کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایرانیوں نے یمن پر حملہ کیا اور حبشیوں کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا[۵۳]۔

حجازی عربوں کے تعلقات

حجازی عربوں کے تعلقات حبشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم رہے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد حبشی الفاظ کا پایا جانا اس سلسلے میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا اور خشکی کے راستے حجاز او

۵۱۔ عرب مورخ بیان کرتے ہیں کہ حجاز میں چیچک وغیرہ وبائیں پہلی مرتبہ اسی وقت آئیں۔ اس سے پہلے لوگ ان سے واقف نہ تھے (طبری صفحہ ۹۴۵) ۵۲۔ الازمنہ والامکنہ باب اسواق العرب۔
۵۳۔ تاریخ طبری صفحہ ۹۵۲ و مابعد۔

شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔ جب رومیوں اور بیزنطینیوں نے بحرِ احمر میں حمل ونقل شروع کردی تو حجازیوں کے روزگار پر خاص کر بہت اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کے لانے کی اجازت حاصل کرلی۔ ابن سعد[۱] اور امام ابن حنبل[۲] وغیرہ[۳] کا بیان ہے کہ قیصرِ روم نے ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیرِ اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بنا پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کاروان حبشہ آیا کرے۔ وادیٔ غیر ذی زرع (مکہ) کے تجارت پیشہ اپنے اور آس پاس کے علاقے سے عموماً چمڑے، گوند، لوبان وغیرہ بیچنے کے لیے لے جاتے تھے۔ قریبی میلوں میں گھی وغیرہ بھی بھیجتے تھے۔ اونی کپڑے اور قبائیں بھی عرب کی مقامی پیداوار میں شامل تھیں۔ ان چیزوں کے بدلے میں وہ زیادہ تر غلہ حاصل کیا کرتے تھے۔ حکومتِ شام نے ہتھیار کی برآمد بند کردی تھی۔ موقع ملتا تو یہ لوگ اس کو بھی چوری چھپے درآمد کرلیا کرتے تھے[۴]۔ حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے جائیں یا بندرگاہ جدہ سے کشتیوں پر سوار ہوکر باب المندب سے ہوتے ہوئے کسی حبشی بندرگاہ میں جا اتریں۔ قرآن مجید میں سمندر کا نہایت مدققانہ تذکرہ اور کشتیوں کے چلنے، طوفان اور خراب موسم سے دوچار ہونے اور سمندری مسافروں کے پریشان ہونے کا نفسیاتی منظر

---

[۱]۔ طبقات ج ۱/۱ صفحہ ۴۳، ۴۵۔ [۲]۔ مسند جلد ۱ صفحہ ۱۲۴۔ [۳]۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۰۸۹ ما بعد۔ تاریخ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰۔ لسان العرب تحت کلمۂ ایلاف۔ نیز سورۂ ایلاف کی تفسیر میں ایلاف کے معنے بھی امن نامے کے ہیں۔ دیکھئے کتاب المحبّر لابن حبیب ورق ۵۱۔

[۴]۔ لامنس کی فرانسیسی کتاب "مکہ بوقت ہجرت" صفحہ ۲۹ تا ۳۰ بحوالہ جرمن کتاب گوتربوک نیز ہیفننگ کی جرمن کتاب "اسلامی قانون خارجہ" صفحہ ۱۰۷۔ مجموعہ قوانین جسٹی نین (کتاب کوڈ حصہ چہارم باب ۴۱) دفعہ ۱ میں تلوار و دیگر ہتھیار، تیل، شراب وغیرہ کی برآمد وحشی علاقے میں ہونے دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قدیم بوجی حکمرانوں کے احکام کا بھی ان دفعات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ... لاطینی دفعات کا ترجمہ کرنے کی ...

اور سب سے بڑھ کر بحری اصطلاحات وغیرہ کے طور پر بعض حبشی الفاظ کا استعمال ــــ یہ تمام امور بتاتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مکی و حجازی مخاطب بحری سفر اور حبشی سمندر سے کتنی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اگر عربی مورخوں پر اعتماد کیا جائے تو مکی تاجر خود نجاشی سے شخصی تعارف رکھتے تھے اور اس کے دربار میں باریاب ہوا کرتے تھے۔ شاید نبی کریم کو بھی کبھی نبوت سے پہلے اس کا موقع پیش آیا ہو، اگرچہ سیرت نگار اور سوانح نویس اس بارے میں خاموش ہیں لیکن جو شخصیت زیادہ تر اپنے تجارتی معاملات میں راست بازی کے باعث الامین کے قومی خطاب سے مخاطب ہوئی ہو، جس نے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ بروایت امام حنبل بحرین وعمان جیسے دور دراز ممالک کا خاصا تفصیلی سفر کیا ہو، اس سے یہ بات اس زمانے میں عقلاً بعید نہیں معلوم ہوتی کہ کبھی حبشہ بھی گئی ہو، جہاں اس کے ہم وطن ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو حبشہ ہجرت کر جاتے وقت جو تعارفی خط عطا فرمایا تھا[1] اور جس میں نجاشی کو واقفانہ انداز میں لکھا تھا کہ ان نو آمدوں کا مہمان نوازانہ استقبال کرے، وہ بھی اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت — سنہ ۶۱۰ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ آپ کو خدا نے اپنا پیغام رساں بنا کر بغرض ہدایت بھیجا ہے۔ بت پرست یا بے مذہب ہم شہریوں کو جب خدائے واحد پر ایمان لانے کے لیے کہا گیا اور بتوں کی بے سودی کا بڑی شد و مد سے ذکر ہوا تو نامعقول جوش و خروش سے اس کی مخالفت ہوئی اور اکا دکا جو بھی اس تحریک سے متاثر ہوا اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔

چار پانچ سال کی ان تھک اور بے لوث تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند درجن

---

[1] جیسا کہ آیندہ مفصل بیان ہوگا۔

کی مسلمان ہو گئے۔ شہر میں ہم وطنوں کے ہاتھوں جس فتنہ و فساد سے سابقہ تھا اُس کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ ترک وطن کر کے حبش چلے جائیں "جہاں ایک منصف مزاج بادشاہ حکمران ہے اور جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔"[1] ان مہاجرین میں جو حبش گئے آں حضرت کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار بھی شامل تھے۔

مکتوبات نبوی تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خط محفوظ کیے ہیں جو آنحضرت نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبجاتی افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔ جو شخص پورے جزیرہ نمائے عرب کا حکمران بن چکا ہو اس کے لیے یہ تعداد کچھ بڑی نہیں —— اور انھیں خطوں میں سے ایک جسے طبری، ابن القیم، قسطلانی، اور قلقشندی نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی النجاشی الأصحم ملک الحبشہ۔ انی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ہو الملک القدوس السلام المؤمن المہیمن و اشہد ان عیسی بن مریم روح اللہ و کلمتہ القاہا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ حملتہ من روحہ و نفخہ کما خلق آدم بیدہ۔ و انی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان تتبعنی و تؤمن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ و انی ادعوک و جنودک الی اللہ عزوجل و قد بلغت و نصحت فاقبلوا نصحی و قد بعثت الیکم ابن عمی جعفر اذ	محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبشہ کے نام۔ میں اس خدا کی تعریف تمھیں لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو مقدس، سلامتی والا، امان دہندہ اور سلامت رکھنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو پاک اور برائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا گیا تو وہ خدا کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں جیسا کہ خدا نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا۔ میں تجھے خدائے واحد لا شریک کی طرف بلاتا ہوں تاکہ تو میری اتباع کرے اور مجھ پر نازل شدہ چیز پر ایمان لائے۔ کیونکہ

[1] - سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۰۸۔

معہ نفر من المسلمین۔ فاذا جاءک فاقرہم ودع التجبر والسلام علی من اتبع الہدیٰ"

میں خدا کا رسول ہوں میں تجھے اور تیرے لشکروں کو خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں میں نے پیام پہنچا دیا اور بہی خواہی کی ہے۔ اب میری بہی خواہانہ نصیحت کو قبول کرو۔ اور میں نے تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمانداری کر اور تکبر چھوڑ دے سلام اس پر جو راہ ہدایت پر چلے۔

عام طور سے اسلامی مورخ اس خط کو ۶ھ کے اواخر کے واقعات میں بیان کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ہمسایہ ممالک کے فرمانرواؤں کو دعوت اسلام کی تبلیغ کی۔ مگر اوپر نقل کئے ہوئے خط کا آخری فقرہ غور طلب ہے: "میں نے اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو تمہارے پاس بھیجا ہے اور اس کے ساتھ چند مسلمان ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان داری کر۔۔۔" کیا یہ عبارت سنہ ۶ ہجری میں لکھی جا سکتی ہے، جب کہ ان مہاجرین کو حبشہ پہنچے ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے تھے؟ بظاہر یہ خط تعارف کی غرض سے حضرت جعفر طیار کو دیا گیا تھا جب وہ حبشہ جا رہے تھے۔ اگر سیرت نگاروں کی خاموشی کو کوئی مانع نہ قرار دیا جائے تو خط کے واقف کارانہ انداز سے یہ گمان ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت خود حبشہ تشریف لے گئے اور مثل بعض دیگر مکی تاجروں کے نجاشی سے شخصی تعارف حاصل کیا تھا۔ آپ کا مہاجرین سے چلتے وقت فرمانا کہ "حبشہ میں ایک ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جس کے دور میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" اس کی مزید تائید کر سکتا ہے۔ احادیث میں بعض وقت آنحضرت کی زبان سے چند حبشی الفاظ بھی مروی ہیں۔

اتفاق سے ۱۹۳۹ء میں جب میں آکسفرڈ میں "مکتوبات مدینہ" پر لکچر دینے گیا تھا تو پروفیسر مارگولیوث آنجہانی نے میری توجہ اس جانب منعطف کرائی کہ اسکاٹلینڈ کے ایک مستشرق کو حال میں یہ خط ملا ہے اور میری مراسلت موصوف کو بھیج دی۔ اس کے جواب میں مستشرق مذکور ڈی۔ ام ڈنلاپ ساکن براڈکرک

مکتوب نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام)
بنام نجاشی

از جے، آر، اے، ایس۔ لندن بابتہ جنوری ۱۹۴۰ع

اسکاٹلینڈ) کا جواب ملک شام سے ۲ رجون ۱۹۳۹ء کا چلا ہوا مجھے حیدرآباد میں ملا جس میں لکھا تھا کہ بعض خاص حالتوں میں اس کا یہ خط فلسطین کے ایک پادری کے پاس سے حال میں خریدا گیا ہے اور یہ کہ وہ اسے جلد لندن کے رسالہ جے آر اے ایس میں ایک مضمون کے ساتھ شائع کرانے والا ہے۔ مزید مہربانی سے اس نے خط کی ایک دستی نقل فوراً بھیج دی۔ فوٹو وطن واپسی پر بھیجنے کا وعدہ تھا۔ لیکن جنگ چھڑنے کے بعد سے پھر کوئی پتا نہ ملا۔ مذکورہ نقل یوں ہے:۔

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
۲۔ محمد رسول اللہ الی النجا۔
۳۔ شی عظیم الحبشۃ سلام علی من۔
۴۔ اتبع الہدی اما بعد فانی احمد الیہ۔
۵۔ کہ اللہ الذی لا الہ الا ہو الملک۔
۶۔ القدوس السلام المومن المہیمن۔
۷۔ واشہد ان عیسیٰ بن مریم روح۔
۸۔ اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم البتو۔
۹۔ ل الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسی من ر
۱۰۔ وحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ و۔
۱۱۔ انی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شر
۱۲۔ یک لہ والموالاۃ علی طاعتہ و ان۔
۱۳۔ تتبعنی وتومن بالذی جاءنی فانی ر
۱۴۔ سول اللہ۔ وانی ادعوک وجنو۔
۱۵۔ دک الی اللہ عزوجل وقد بلغ۔
۱۶۔ ت ونصحت فاقبل ونصیحتی والسلام۔
۱۷۔ علی من اتبع الہدی (محمد رسول اللہ)

اگر یہ خط اصلی اور مکمل ہے تو میرے عرصے کے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ مذکورۂ صدر تعارفی خط میں دو خطوط کی عبارتیں مدغم ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہاں جعفر طیار کے تعارف کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی "دع التجبر" کا درشت انداز بیان۔

کفار مکے کا وفد حبشہ میں

بہرحال جب متعدد جماعتیں مہاجرین کی حبشہ پہنچیں تو مکے والے اس کی روک تھام کے لیے تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر انھوں نے ایک وفد بھیجا[51] جو نجاشی سے ان "ملزمین" کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو جوابدہی کا موقع دیا۔

انھوں نے کہا کہ ہم نے کیے ہیں کوئی جرم یا فعل ناجائز نہیں کیا ہے۔ ہم پہلے گمراہ

۵۱۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۱۷ و مابعد

تھے۔ اب خدا نے ہمارے پاس ایک نبی بھیج کر ہماری ہدایت کا سامان کیا ہے۔ اور ہم ہم وطنوں کے ظلم اور بے دردی سے مجبور ہو کر یہاں پناہ لینے آئے ہیں۔ قریشی وفد کا سردار عمرو بن العاص جیسا زبردست موقع شناس سیاست داں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً پہلو بدل کر نجاشی کے نازک اور حساس ترین جذبات پر وار کیا اور پوچھا: "مگر مسلمان یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا عقائد رکھتے ہیں۔" مسلمانوں کے نمایندے حضرت جعفر طیارؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں جن میں حضرت عیسیٰ کو روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہونے والا کہا گیا ہے اور ان کے ابن اللہ ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ نجاشی فرقۂ طبیعت واحدہ کا (مالو فزائسٹ) عیسائی تھا اور ان دنوں اس فرقے اور یونان و روما کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے۔ آخر الذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ میں بوقت واحد دو طبعتیں تھیں: انسانی بھی اور خدائی بھی۔

حضرت عیسیٰ کے متعلق سب عیسائی قائل ہیں کہ وہ روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ نجاشی اور اس کے درباری پادریوں نے مسلمانوں کو بھی عیسائی خیال کیا ہو، اور اسی بنا پر بت پرست مکیوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا ہو۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کے متعلق ابن اللہ ہونے سے یکلخت انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے نجاشی، جو فرقۂ طبیعت واحدہ کا پیرو تھا، مسلمانوں کے نقطہ خیال کی طرف مائل ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہو کہ مسلمان دراصل عیسائیوں کا ایک نیا فرقہ ہوں[2] اور رفتہ رفتہ

---

[1] سورہ مریم کی آیتیں　　[2] اسلام کو شروع ہو کر اس وقت تک بمشکل پانچ سال گزرے تھے اور بجز عقائد کے بہت کم احکام نازل ہوئے تھے۔ مسلمان نمازیں بھی غالباً بیت المقدس ہی کی طرف رخ کرتے تھے، جو عیسائیوں کا مقدس ترین مقام ہے۔ ان حالات میں ان پر اجنبی کے لیے عیسائیت کا گمان کرنا تعجب کے قابل نہ ہوگا۔ بدقسمتی سے حبشہ کی ہمعصر تاریخیں محفوظ نہیں رہیں ورنہ ہمیں اسلامی مورخوں کے بیانات کا مقابلہ کرنے کا موقع ملتا۔

حبشی ماحول میں وہ فرقۂ طبیعت واحدہ میں شامل ہو جائیں۔ اور تاریخ بھی بتاتی ہے، کہ ان مسلمانوں میں سے جو اپنے مرکز اور ہادیؐ سے دور جا پڑے تھے، کم از کم دو نے عیسائیت قبول کر لی۔ (دیکھئے ابن ہشام صفحہ ۷۸۳ تا ۷۸۴۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۱، وغیرہ)

نجاشی کا اسلام مسلمان مولف بہرحال اس کے قائل ہیں کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ کہ جب اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، مگر یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

مکے میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کے لیے یہ مشہور رہا کہ قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب کوئی پرخاش نہیں رہی، تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجر وطن واپس آ گئے۔ اس عرصے میں جب حالات کی توضیح ہو گئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر ملکی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔

ہجرت نبوی اس کے بعد کئی سال تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامی سلوک سے دل برداشتہ ہو کر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ اور مقامی و مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں، اور پھر قریش پر، جن کے تجارتی کارواں مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں۔ اور نتیجۃً بدر وغیرہ کی جنگ آتی ہے، جس میں عموماً قریش کو سخت شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر چاہتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے خلاف غصہ، مہاجرین حبشہ پر اتاریں[1]۔ مگر انھیں اس دفعہ بھی ناکامی ہوتی ہے۔ مملکت اسلامیہ کی عام ترقی کے، دیکھئے اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے پھریں۔ اس لیے اس زمانے یعنی ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۰۲ و مابعد

سے غائبانہ عقد بھی کرا دیا تھا۔ ان بی بی کو ساتھ لیجانا بھی مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انھیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا[۵]۔ مورخ لکھتے ہیں کہ نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے۔ اور منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوستانہ سلام پہنچانا تھا۔

نجاشی کا خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

طبری اور ابن اسحاق نے نجاشی کا خط بھی محفوظ کیا ہے جس میں نجاشی نے اپنے پوشیدہ اسلام لانے اور اپنے بیٹے کے بھیجنے کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الی محمد رسول اللہ من النجاشی الاصحم بن ابجر۔ سلام علیک یا نبی اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ من اللہ الذی لا الہ الا ہو الذی ہدانی الی الاسلام۔ اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول اللہ فیما ذکرت من امر عیسی۔ فورب السماء والارض ان عیسی ما یزید علی ما ذکرت تفروقا۔ انہ کما قلت۔ وقد عرفنا ما بعثت بہ الینا وقد قربنا ابن عمک و اصحابہ فاشہد انک رسول اللہ صادقا مصدقا۔ وقد بایعت ابن عمک و اصحابہ واسلمت علی یدیہ لرب العالمین۔ وقد بعثت الیک یا نبی اریحا بن الاصحم بن ابجر فانی لا املک الا نفسی وان شئت ان آتیک فعلت یا رسول اللہ فانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت محمد رسول اللہ از طرف نجاشی اصحم بن ابجر، تجھ پر اے اللہ کے نبی سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ آپ کا خط مجھے ملا جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر تھا۔ زمین اور آسمان کے مالک کی قسم کہ آپ کی بیان کردہ چیز سے حضرت عیسیٰ رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ وہ ویسے ہی تھے جیسا آپ نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ کے فرستادوں سے تعارف حاصل کیا اور آپ کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی مہماں داری کی ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور تصدیق یافتہ رسول ہیں۔ میں نے

---

[۵] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۔ طبری صفحہ ۱۵۷۰۔ ابن ہشام صفحہ ۱۰۰۲

اشهد ان ما تقول حق۔ والسلام علیک یا رسول اللہ

آپ کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی بیعت کی اور اس کے ہاتھوں خدائے رب العالمین کے سامنے سر اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں اگر آپ چاہیں میں آپ کے پاس آجاؤں تو آجاؤں گا کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو آپ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔

یہ وفد حبشہ سے چلا لیکن بعض مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کشتیاں جن میں حبشی تھے سب ڈوب گئیں تو بعض دیگر مورخ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند سلامت رہیں۔ جب یہ سفارت مدینہ آئی تو آنحضرت صلعم [illegible] سے ان کی خود خدمت کرتے رہے۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں بیان کیا ہے کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علی سے مواخات یا بھائی چارہ اختیار کر لیا اور حبشہ واپس جا کر تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط نجاشی کے نام

اس سفارت کے جواب میں آنحضرت صلعم نے بھی نجاشی کو کچھ تحفے بھیجے مگر اسی عرصے میں اس نجاشی کا انتقال ہو گیا۔ امام مسلم لکھتے ہیں کہ اس کے جانشین کو آنحضرت نے ایک تبلیغی خط لکھا۔ مگر اس کا انجام معلوم نہیں۔
یہ خط بیہقی[1] نے ابن اسحاق کی کتاب سے نقل کر کے محفوظ کیا ہے اور وہ یہ ہے:-

---

[1] حوالے۔ طبری صفحہ ۱۵۶۹ تا ۔۔ عن ابن اسحاق۔ صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۴۶۶ تا ۴۶۷ عن ابن اسحاق تاریخ ابن کثیر حصہ ۳ صفحہ ۸۰۔ زاد المعاد لابن القیم حصہ ۳ صفحہ ۶۰ تا ۶۱۔ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون خط ۳۔ زیلعی تخریج احادیث الھدایہ کا ضمیمہ مکتوب نمبر ۲۔ سواطع الانوار (تاریخ حبشہ) بر موقع۔ ... نے ہدایہ ابن ... میں یہ حوالہ پایا ہے۔

"ہذا کتاب من محمد النبی الی النجاشی الاصحم عظیم الحبشہ۔ سلام علی من اتبع الہدی و آمن باللہ و رسولہ و اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لم یتخذ صاحبتہ ولا ولدا وان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ و ادعوک بدعایۃ الاسلام فانی انا رسولہ فاسلم تسلم۔ یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔ فان ابیت فعلیک اثم النصاری من قومک (مہر)

محمد رسول اللہ

یہ خط پیغمبر محمدؐ کا حبشیوں کے سردار نجاشی اصحم کے نام ہے۔ سلامتی اس شخص کے لیے ہے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ اور یہ بھی کہ محمد اسی (خدا) کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے اسلام کے بلاوے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شرک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ آپس میں اپنوں ہی کو رب بنائیں اگر وہ پلٹ جائیں تو کہہ دو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں اگر تو انکار کرے تو تیری قوم کے نصرانیوں کا وبال [illegible]

ابھی حال میں حبشی اطالوی جنگ کی ابتدا میں اخباروں نے (ہمدم نے مصر کے اخبار البلاغ سے اور اس نے ادیس ابابا کے اخبار برہان اسلام سے نقل کر کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط جو اب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا۔ اس خط کی جو عبارت نقل کی گئی ہے، وہ وہی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ بیان کس حد تک صحیح ہے۔ اس سے پہلے حبشہ کے اس اثری خزانے کی خبر کبھی نہیں آئی تھی، حالانکہ موجودہ خبر کے بموجب حبشی اس سے اکثر مشکل اوقات میں کام لیتے رہے ہیں۔ آنحضرت صلعم کے دو اور اصلی خطوط گزشتہ صدی عیسوی کے ربع سوم میں دستیاب ہوئے ہیں اور ان کے فوٹو بھی مشرق اور مغرب کے علمی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں، ان دونوں کے متن بھی بالکل وہی ہیں جیسا کہ قدیم عربی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ اگر نجاشی کے اس مزعومہ خط کا بھی فوٹو حاصل ہو سکے تو ہم کسی بہتر نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔ اگر نجاشی ہائلاسلاسی نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں مجبوراً فلسطین میں ان یادگاروں کو فروخت کر دیا تھا جیسا کہ اور پر مسٹر ڈنلاپ کے خط نے اس خط کی اصل کو پانے کے واقعے سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو پھر شہادت زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے مگر خدا معلوم اس علامۂ بر جنگ نے ان متبرک یادگاروں کا کیا حشر کیا ہے اور وہ اب کہاں ہیں۔

حبش کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں مسلمانوں کے تعلقات حبشہ کے ساتھ بے حد دوستانہ رہے۔ اور ایسی متعدد حدیثیں ملتی ہیں جن میں آنحضرت صلعم نے حبشیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ابتدائی دور اسلام میں بعض فرزندان حبش نے رسول کریم کا جس جوش و صداقت کے ساتھ ساتھ دیا، اسے مسلمان اب بھی ادب کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور پہلے موذن حضرت بلال حبشیؓ کے نام میں وہ کشش ہے کہ جاوی زبان میں بلال کے معنے خود موذن کے ہیں۔ اور لندن کی مسجد میں (جو محلۂ پٹنی میں ہے) سب سے پہلے انگریز موذن کا نام بھی بلال رکھا گیا ہے۔ اور اب بہت کم لوگ جانتے یا جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان مسٹر بلال کا اصلی نام کیا تھا، اور یہ گورے بلال خود بھی کالے بلال کے ہم نام ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ کے حملے کے سلسلے میں بہت سے حبشی بیمار ہو کر مکے ہی میں رہ گئے۔ کچھ عرصہ ہوا مشہور مشرقیاتی پادری لامنس نے ۱۹۱۶ء کے ژورنال آزیاتیک (پاریس) میں ایک عجیب اور قابل غور مضمون لکھا ہے :-

Les Ahabis Et L'organisation Militaire De La Mecque Au Siecle De L'He gire

"یعنے حبشی اور قرن ہجرت کا فوجی نظام مکے میں"

اس میں وہ متعدد عربی حوالوں کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ قریش نے ایک مستقل فوج قائمہ (Standing army) تیار کی تھی جس میں ان کے حبشی غلام اور بہت سے تنخواہ یاب حبشی سپاہی کام کرتے تھے۔ اور قریش ان کو نہ صرف اپنے تجارتی کاروانوں کے سفر کے وقت بطور محافظ دستہ ساتھ لے جایا کرتے تھے، بلکہ اپنی جنگوں میں بھی ان سے مدد لیتے تھے۔ مسلمانوں سے جنگوں کے سلسلے میں اکثر "قریش و احابیشہا" کا ذکر تاریخوں میں آیا ہے۔

مصر کے جنوبی علاقے میں اسلام کی اشاعت

عہد نبویؐ کے بعد مسلمان جب تیزی

سے چاروں طرف پھیلنے لگے تو مصر کا جنوبی علاقہ بھی نور اسلام سے منور ہونے لگا۔ معلوم نہیں وہاں اسلام کا آغاز کب سے اور کس طرح ہوا۔ چونکہ مصر سے اس علاقے کے تجارتی تعلقات قدیم اور کثیر تھے اس لیے مصر کی فتح کے بعد ہی عرب مسلم تاجروں نے اسلام یہاں پہنچا دیا ہوگا۔ بہرحال حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں نوبیہ کے علاقے میں مسجدوں کا پتا چلتا ہے۔ مقریزی نے خطط مصر (باب "البقط") میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصر میں فاتحانہ آئے تو انھوں نے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو سنہ ۲۰ھ یا سنہ ۲۱ھ میں بیس ہزار فوج دے کر مصر کے جنوب میں نوبیہ روانہ کیا۔ اور جب بہت دن ہو گئے تو عمرو بن العاصؓ نے ان کو واپسی کا حکم دیا۔

نوبیہ پر مسلمانوں کی چڑھائی اور معاہدہ

جب عمرو بن العاصؓ کی وفات ہو گئی تو نوبیوں نے اس صلح کو توڑ دیا جو ان میں اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح میں ہوئی تھی۔ اور وہ جنوبی مصر پر بکثرت لوٹ مار کرنے لگے۔ اس پر عبد اللہ بن سعد نے مکرر نوبیہ پر چڑھائی کی جو اب خود مصر کے گورنر ہو گئے تھے۔ یہ سنہ ۳۱ھ تھا جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ تھا۔ چنانچہ نوبیہ کے پایۂ تخت دنقلہ (دونگولہ) کا محاصرہ کر کے منجنیق سے پتھر برسائے جس سے ان کا گرجا منہدم ہو گیا۔ اس پر ان کا بادشاہ قلیدروث گھبرا گیا اور بڑی عاجزی سے صلح کی درخواست کی اور معذرت کی کہ کھانے پینے کی تنگی سے لوٹ مار ہوتی ہے۔ چنانچہ مکرر صلح ہوئی جس میں نوبیوں نے سالانہ تین سو ساٹھ غلام کا پیشکش کرنے کا اقرار کیا اور مسلمانوں نے ان کو غلہ ہدیہ کرنا منظور کیا۔ اور ایک معاہدہ لکھا گیا جو بقط (Baqt) کہلاتا ہے۔ اس کی نقل جس میں دنقلہ کی جامع مسجد کا بھی ذکر ہے یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متن۔ عہد من الامیر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح لعظیم النوبۃ و لجمیع اہل مملکتہ	امیر عبد اللہ بن سعد کا معاہدہ نوبہ کے حکمران اور جملہ اہل ملک سے۔
۔ عہد عقدہ علی الکبیر والصغیر من النوبۃ	یہ نوبہ کے بڑے چھوٹے سبھوں کے لیے اسوان سے علوہ تک کے علاقے کے لیے کیا گیا۔

من حد ارض اسوان الی حد ارض علوة۔

۳۔ ان عبد اللہ بن سعد جعل لهم امانا وهدنة جارية بينهم وبين المسلمين ممن جاورهم من اهل صعيد مصر وغيرهم من المسلمين واهل الذمة۔

۴۔ انكم معاشر النوبة آمنون بامان الله وامان رسوله محمد النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان لا نحاربكم ولا نغزوكم ما اقمتم علی الشرائط التي بيننا وبينكم۔

۵۔ علی ان تدخلوا بلدنا مجتازين غير مقيمين فيه وندخل بلدكم مجتازين غير مقيمين۔

۶۔ وعليكم حفظ من نزل بلدكم او يطرقه من مسلم او معاهد حتی يخرج عنكم۔

۷۔ وان عليكم رد كل آبق خرج اليكم من عبيد المسلمين حتی تردوه الی ارض الاسلام ولا تستولوا عليه ولا تمنعوا منه ولا تتعرضوا لمسلم قصده وحاوره الی ان ينصرف

۸۔ وعليكم حفظ المسجد الذي ابتناه المسلمون بفناء مدينتكم ولا تمنعوا منه مصليا وعليكم كنسه وسرجه۔

۹۔ وعليكم في كل سنة ثلاث مائة وستون رأسا تدفعونها الی امام المسلمين من اوسط رقيق بلادكم غير المعيب يكون فيها ذكران

عبد اللہ بن سعد نے ان سے دائمی امن و صلح منظور کی ہے جو ان کے اور حبشی مصر وغیرہ کے مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین ہوگی۔

یہ کہ اے نوبہ والو! تمھیں خدا و رسول سے امان دیا جاتا ہے ہم تم سے نہ جنگ کریں گے نہ لڑائی جب تک تم ہماری باہمی شرطوں کو پوری کرو۔

یہ کہ تم ہمارے ملک میں آکر گزر سکو گے بس نہ سکو گے اور ہم تمھارے ملک میں آکر گزر سکیں گے۔ مقیم نہیں ہو جائیں گے۔

جو مسلمان یا ذمی تمھارے ملک میں آئے یا اس میں سے گزرے تو تمھارے علاقے سے واپسی تک اس کی حفاظت تمھارا فرض ہے۔

اور مسلمانوں کا کوئی بھگوڑا غلام تمھارے پاس آئے تو تم اسے اسلامی سرزمین میں واپس کر دو گے نہ یہ کہ تم اس پر قبضہ کر لو گے اور نہ اسے روکو گے۔ کوئی مسلمان ملنا اور بات کرنا چاہے تو تم ممانعت و تعرض کرو گے تا آنکہ وہ مسلمان واپس چلا جائے۔

تمھارے شہر میں مسلمانوں نے جو مسجد بنائی ہے اس کی حفاظت تمھارا فرض ہے وہاں کسی نمازی کو جانے سے تم نہ روکو گے وہاں جھاڑو دینا اور روشنی کرنا تمھارا فرض ہے۔

تم سالانہ تین سو ساٹھ غلام مسلمانوں کے حکمران کو خراج دو گے جو اوسط قسم کے تمھارے ملک کے ہوں ان میں عیب نہ ہوں کچھ مرد اور کچھ عورتیں۔ مگر نہ بہت بوڑھے اور نہ نابالغ یہ اموران کے والی کے سپرد کیے جائیں گے۔

اناث، لیس فیها شیخ هرم و لا عجوز و لا طفل لم یبلغ الحلم تدفعون ذالک الی والی اسوان۔	علوہ اور اسوان کے مابین تم پر کوئی حملہ آور ہو تو اس کو روکنا مسلمانوں کا فرض نہیں۔
۱۰۔ ولیس علی المسلمین دفع عدو عرض لکم و لا منعه منکم من حد ارض علوة الی ارض اسوان	
۱۱۔ فان آویتم عبد المسلم او قتلتم مسلما او معاہدا او تعرضتم للمسجد الذی ابتناہ المسلمون بفناء مدینتکم بهدم، او منعتم شیئاً من ثلثمائة رأس وستین رأسا فقد برئت منکم ہذا الہدنة والامان و عدنا نحن و انتم علی سواء حتی یحکم اللہ بیننا وہو خیر الحاکمین	اگر تم مسلمانوں کے کسی (بھگوڑے) غلام کو پناہ دو یا کسی مسلمان یا ذمی کو قتل کرو یا اس مسجد سے تعرض کرو جو مسلمانوں نے تمہارے شہر میں تعمیر کی ہے اور اس کو منہدم کر دو یا تین سو ساٹھ غلاموں کے پیشکش میں کمی کرو تو یہ صلح و امان ختم ہو جائے گا اور یہی حالت برابری پر عود کر آئیگی تا آنکہ خدا ہم میں فیصلہ نہ کرے وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔
۱۲۔ علینا بذلک عہد اللہ و میثاقه و ذمته و ذمة رسوله محمد صلی اللہ علیه وسلم۔ ولنا علیکم بذلک اعظم ما تدینون به من ذمة المسیح و ذمة الحواریین و ذمة من تعظمونه من اہل دینکم وملتکم اللہ الشاہد بیننا و بینکم علی ذالک	ہم پر اس عہد میں خدا اور رسولؐ کا ذمہ اور واسطہ ہے اور ہمارے لیے تم پر تمہارے دین کی سب سے بڑی اعتقاد کی چیز یعنی حضرت مسیح اور حواریوں اور اپنے دین و ملت کے دیگر بزرگ اشخاص کی ذمہ داری ہے۔ اللہ ہم میں اور تم میں گواہ ہے۔
۱۳۔ کتبه عمرو بن شرجیل فی رمضان سنة احدی و ثلاثین۔	اسے ۳۱ھ میں رمضان میں عمرو بن شرجیل نے تحریر کیا۔

مقریزی نے تفصیل کے ساتھ اس معاہدے کی تعمیل کی رسمیں بیان کی ہیں کہ ہر سال غلاموں کی حوالگی کے وقت کیا طریقہ انجام پاتا تھا اور کس طرح رواج سے گورنر مصر اور افسران متعلقہ کے لیے بھی کچھ حقوق مستقرہ پیدا کر دیے تھے اور کس طرح اور کس مقدار میں انھیں غلہ عطا کیا جاتا تھا۔ اور یہ کہ رواج نے کس طرح غلے کے علاوہ کپڑے وغیرہ کو بھی اس میں شامل کرا دیا تھا۔ چونکہ نوبی قوم عیسائی تھی اس لیے سالانہ سفارت کے موقع پر ایک زمانے میں شراب کے پیپے بھی تحفہ دیے جانے لگے تھے تو علمانے اس پیا

مداخلت کی تھی۔

حبش کے بعض ساحلی علاقے اور ان کا یکساں نظم

حبشہ اور نوبیہ سے متصل بجہ کا علاقہ ہے جو دریائے نیل اور بحر احمر کے مابین بندر عیذاب (حالیہ پورٹ سوڈان) سے جنوبی سکین تک پھیلا ہوا ہے۔ مقریزی (باب "ذکر البجۃ") نے لکھا ہے کہ ان میں بھی جنوبی ہند کے بعض ساحلی علاقوں کی طرح، مادرانہ معاشرہ رائج تھا، یعنی کسی کا وارث بیٹا نہیں بلکہ بھانجا اور نواسہ ہوتا تھا اور یہ کہ ان میں کوئی سیاسی تنظیم اور کوئی مذہب نہ تھا۔ جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے نوبہ پر حملہ کیا تھا تو اس علاقے پر بھی توجہ کی تھی لیکن جب یہاں کی حالت سے آگاہی ہوئی کہ کوئی حکومت ہی نہیں ہے جو مقابلہ کر سکے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھی کہ کوئی معاہدہ تک نہیں طے ہوا۔ اور یہ کہ سب سے پہلی مرتبہ ان سے معاہدہ عبید اللہ بن الحبحاب السلولی (زمانہ گورنری ۱۱۶ھ تا ۱۲۱ھ) نے کیا تھا جس میں مذکور تھا کہ "سالانہ ان لوگوں کو تین سو اونٹ دیے جایا کریں گے۔ یہ تجارت کے لیے اسلامی سرزمین سے گزر سکیں گے لیکن وہاں بس جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ کہ ان کے علاقے میں مسلمان اور ذمی رعایا کو جان و مال کا امن حاصل رہے گا ورنہ ان سے معاہدہ کالعدم سمجھا جائے گا۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کے غلام بھاگ کر ان کے علاقے میں آئیں تو وہ واپس کر دیے جائیں گے"۔ معاہدے کی تعمیل کے لیے ان کا ایک وکیل بطور یرغمال مصر میں رہتا تھا۔ اور خلاف ورزی کی سزائیں مقرر تھیں چنانچہ ایک بکری کی لوٹ پر چار دینار اور ایک گائے کی لوٹ پر دس دینار جرمانہ ہوتا ہے۔ اور بھگوڑے غلاموں کی عدم واپسی پر بھی ان سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے علاقے میں مسلمان جا کر بسنے، وہاں کے شاہی خاندان میں شادی بیاہ کرنے اور ان کی کانوں کو کھود کر استفادہ کرنے لگے جس کے باعث ان لوگوں کا وحشی پن بھی رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا۔ لیکن خلیفہ مامون کے زمانے میں ان لوگوں نے لوٹ مار بہت شروع کی تو سپہ سالار عبید اللہ بن جہم کو بھیجا گیا اور مختلف معرکہ آرائیوں کے بعد بجہ کے حاکم کنون بن عبدالعزیز نے

صلح چاہی جس کا طویل متن مقریزی نے نقل کیا ہے جس کے اہم فقرات یہ ہیں
"تو اور تیری رعایا سب خلیفہ مامون کے غلام سمجھے جائیں گے البتہ اپنے علاقے میں تو حسب حال بادشاہ رہے گا اور تو حسب سابق سو اونٹ یا تین سو دینار کا سالانہ خراج ادا کرے گا .... اسلام، قرآن یا جناب رسالت کی شان میں کوئی گستاخی کرے تو معاہدہ منسوخ سمجھا جائے گا ...... دشمنان اسلام کو مدد بھی نہ دو گے .... کسی مسلمان یا ذمی آزاد کو قتل کرو تو دس خونبہا اور غلام کو تو قیمت کا دس گنا، اور اسی طرح اسلامی رعایا کا مال لٹے تو دس گنا جرمانہ وصول کیا جائیگا .... اسلامی رعایا کو تیرے علاقے سے گزرنے میں کوئی ممانعت نہ ہوگی اور نہ رہزنی کی جائے گی .... مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدوں کو نہ ڈھاؤ گے .... یہ کہ کنون بن عبدالعزیز بطور ریزعمال مصر میں مقیم رہیگا۔ تاکہ معاہدے کی تعمیل کا اطمینان حاصل ہو .... یہ کہ اسلامی افسر مسلمانان بجہ سے زکات وصول کرنے علاقے بجہ میں آسکیں گے .... اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا گیا اور اس پر گواہیاں بھی ثبت کرائی گئیں۔"

اس کی تعمیل خلیفہ متوکل کے زمانے تک ہوتی رہی۔ پھر لوٹ مار بڑھ گئی تو ایک مہم بھیجی گئی، جس نے فن حرب کی مہارت سے باوجود تعداد کی کمی کے دشمن کو فاش شکست دی اور ان کے حکمران کو بغداد جا کر خلیفے کے قدموں پر گرنے پر مجبور کیا۔ یہ ۲۴۱ھ کا واقعہ ہے۔ اور بعض مزید حقوق مسلمانوں کے لیے حاصل کر کے مکرر صلح کی گئی۔

حبشی علاقوں کے بہت سے حالات مقریزی نے "الالمام" نامی ایک مستقل کتاب میں بھی لکھے ہیں۔ لیکن ہمارا موضوع قبل اسلام اور ابتدائے اسلام کے تعلقات کا تذکرہ ہے اور بعد کے حالات محض تکملہ ہیں۔



ضمیمہ مذکورۂ بالا تحریر کی کتابت ہو چکی تھی کہ بعض نئے معلومات حاصل ہوئے ہیں۔ ان کو بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے۔ اوپر مسٹر ڈنلاپ کے مکتوب نبوی بنام نجاشی کو دریافت کرنے کا ذکر کیا گیا۔ ابھی ابھی ان کا ایک خط گلاسگو سے آیا ہے اور ان کا موعودہ مضمون بھی چھپ گیا ہے جس میں مکتوب مبارک کا فوٹو بھی شامل ہے۔ چنانچہ رسالہ جے آر اے ایس لندن بابت جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ (۵۴ تا ۶۰) ملاحظہ ہو۔

اصل نامۂ مبارک ایک جھلی پر ہے جو (۱۳ ½) انچ لمبی اور (۹) انچ چوڑی ہے جس پر علاوہ مہر کے سترہ سطریں خط بلی میں ہیں اور صاف پڑھی جاتی ہیں۔ مکاتیب نبویہ بنام مقوقس و منذر کے خط سے اس کا خط بدلا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کاتب دوسرا ہوگا۔ بیلن املا زخط اور رسم الخط وہی قدیم ہے۔ مسٹر ڈنلاپ کے دوست ماہرین نے یہ بھی تسلیم کیا کہ مکتوبوں کے آخر جو مہر ہے وہ بہرحال ہم شکل اور ہم خط اور یکساں ہے۔ اور یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اوپر ہم نے مسٹر ڈنلاپ کے خط کے حوالے سے جو متن نقل کیا ہے۔ اس میں فوٹو کے دیکھنے پر خفیف ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ سطر ۱۳ میں تومن کی جگہ توفن پڑھا جائے، اور سطر ۱۶ میں فاقبل ونصیحتی کی جگہ "فاقبلو نصیحتی" (بغیر الف جمع کے) اور سطر ۱۷ میں اتبع کی جگہ اتنبع (دو ت سے) لکھا ہوا ہے، اور یہ آخری دونوں چیزیں میرے نزدیک فن تحریر کے آغاز کا زمانہ ہونے کی وجہ سے خط کے اصلی ہونے کی دلیل ہیں۔ زمانۂ مابعد کا جعل ہو تو کاتب ایسی "غلطیاں" نہ کرتے۔ اصل میں یہ غلطیاں نہیں ہیں بلکہ عہد نبوی میں ان کا رواج ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ ماضی جمع کے صیغے میں بارہا بغیر الف کے قرآن میں الفاظ ملتے ہیں اور آیت "والسماء بینٰہا بایید" میں دو ی لکھتے ہیں حالانکہ تلفظ "بأید" ہے۔ نامہ مبارک کی روشنائی کھجور کے رنگ کی سرخ ہے۔ اسے دمشق میں کسی شخص نے ۱۹۳۸ء میں حبشہ کے ایک پادری سے خرید کیا اور اسے کچھ دن انگلستان بھیجا گیا تاکہ برٹش میوزیم وغیرہ ۱۵ ء فوٹو میں صاف نہیں آسکی ہے۔

کے ماہرین اس کی جانچ کریں اور پھر مسٹر ڈنلاپ کا بیان ہے کہ "میں نے اسے واپس لے جا کر اس کے مالک کو پہنچا دیا جو دمشق کا ایک خانگی فرد ہے۔" مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن ماہرین نے اسے دیکھا ان میں سے متعدد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس جھلی کا نٹے کی جگہ پرانا ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ برٹش میوزیم کے ماہروں نے البتہ اس کا اتنا قدیم ہونا کہ عہد نبوی کا ہو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک عہد نبوی کی کسی اور اصلی اور مسلمہ جھلی سے اس کا مقابلہ نہ کیا جائے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ "یہ اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی۔"

مسٹر ڈنلاپ نے اس جھلی کو محض سرسری اور سطحی بلکہ اپنی آپ تردید کرنے والی دلیلوں کی بنیاد پر محض حالیہ (تقریباً ستر، اسی سال کی) قرار دیا ہے۔ مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دلائل کا جواب رسالہ جے آر اے ایس ہی میں دوں جہاں وہ ابتدائی مضمون چھپا ہے۔ یوں بھی اس میں بہت سے خشک فنی مباحث آجاتے ہیں جن کی یہاں جگہ نہیں اور میری رائے میں قرائنی شہادت بہت کچھ مکتوب کے اصلی ہونے کی تائید میں ہے۔

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی حیدرآباد دکن کی جانب
سے
مجلہ نظامیہ بابتہ صفر و ربیع المنور ۱۳۶۱ھ میں شائع ہوا۔
انتظامی پریس نظام شاہی روڈ

یونانی طبی بورڈ افضل گنج حیدرآباد میں

قابل اعتماد یونانی مرکبات کا عظیم الشان
ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے اور روزانہ صبح
شام مولوی حکیم محمد ہبۃ اللہ صاحب اور مولوی حکیم
شیخ عبد علی صاحب سے طبی مشورہ کیا جاسکتا ہے
جمعہ اور شنبہ کے روز حیدرآباد کے فاضل اور
مشہور اطبا کی مجلس مریضوں کا معائنہ کرتی ہے
اضلاع کے مریض ذریعہ خط و کتابت طبی مشورہ
حاصل کرسکتے ہیں اس دواخانہ کے قیام سے
مریضوں کو ہر قسم کی سہولت کا موقع مل رہا ہے
اور یہ دکن میں اپنی نوعیت کا واحد شفابخش مرکز ہے

درمان

کے استعمال سے صنف نازک کے پوشیدہ امراض،
سیلان الرحم، اختناق رحم، تبخیر رحم، ضعف رحم،
بے قاعدگی ایام، بانجھ پن وغیرہ کے صدہا مریض جو
مایوس العلاج شفایاب ہوئے ہیں اور آئے دن
اس دوا کی شہرت ملک میں بڑھتی جارہی ہے
اور یہی ایک دوا ان امراض کے علاج کے لیے
مفید ثابت ہوئی ہے۔
نمونے کے بکس کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ
مکمل کورس کی قیمت چھ روپیہ علاوہ محصول۔
ساختہ دارالعلاج حسینی شبلی گنج حیدرآباد دکن

محمد عمر تاجر ادویہ یونانی

متصل مکہ مسجد روبروئے صدر دواخانہ یونانی
حیدرآباد دکن

ہماری دوکان میں ہر قسم کے ادویات مفردات
اور مرکبات اور شربت ہائے صاف عرقیات تازہ
مربہ جات وجواہر مشک خالص عنبر خالص زعفران
اصلی روغن بادام خالص عرق بید مشک لاہوری
وجند بید ستر لبوب کبیر جواہر دار دوا المسک
جواہر دار خمیرہ مروارید جواہر دار مفرح یاقوتی جواہر دار
وغیرہ بقیمت واجبی قابل اطمینان ملتے ہیں اور اضلاع
کے فرمائشات بذریعہ وی پی روانہ کئے جاسکتے ہیں
شہد خالص روغن بادام کا خاص انتظام ہے۔

حسینی دواخانہ موتی گلی لاڈ بازار حیدرآباد دکن

کے ذریعہ قابل اعتبار ادویات یونانی مفرد یا مرکب
واجبی نرخ پر حاصل کرسکتے ہیں اگر آپ کو کار
کامدانی کے تکمیل کی ضرورت ہو تو حیدرآباد کا مشہور
کارخانہ کامدانی کے مالک محمد صدیق کا نام یاد
رکھئیے اس کارخانے کے ذریعے ہر قسم کے
کام کی تکمیل عمدگی کے ساتھ وقت پر ہوسکے گی۔

مجلہ نظامیہ کا مطالعہ آپ کو دوسرے رسائل
سے بے نیاز کرے گا۔

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ ۱۴۹

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض و مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی اور تمدنی مسائل کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ کتب تصنیف کرنا اور تحقیقاتی نتائج کو شائع کرنا۔

۳۔ ادارے کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔

۴۔ جو اصحاب کم سے کم ۵ یکشت یا باقساط ادا کریں گے وہ رکن دوامی تصور ہوں گے اور ان کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلا قیمت ارسال کیے جائیں گے نیز مجلہ نظامیہ بلا قیمت بھیجا جائے گا

۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتے میں شائع ہوگا لیکن

۶۔ گرانی کاغذ کی وجہ سے ہر دو ماہ پر شائع کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔

قیمت سالانہ ہے رعایتی عار

قابل دید کتابیں

۱۔ تاریخ دستور آصفی۔ اس کتاب میں فن سیاسیات کی اہمیت دستور نظام سلطنت عصر جدید کے سیاسی نظام کے علاوہ سلطنت آصفیہ کے (۲۱۶) نظام سلطنت کے دستوری تغیرات کو نہایت عمدگی سے بتلایا گیا ہے۔ ۸ر

۲۔ سالنامہ نظامیہ: اس کتاب میں یوم تاسیس جامعہ نظامیہ میں پڑھے ہوئے علماء کے مقالے جمع کیے گئے ہیں آزادی نسواں اور مسئلہ حجاب پر ایک محققانہ مضمون ہے۔ ۸ر

۳۔ مذہب اور فرقہ واریت از جناب ملا عبد الباسط صاحب ناظم عدالت ضلع رائچور۔ موصوف نے فرقہ واریت کی مسموم اثرات کی تباہ کاریوں کے مضر نتائج کو نہایت تحقیق سے پیش کیا ہے اور بتلایا ہے کہ جب تک کسی قوم میں فرقہ واریت کا جذبہ رہیگا اس وقت تک وہ قوم ترقی کے اعلیٰ منازل پر نہیں پہنچ سکے گی۔ ۸ر

۴۔ جشنہ اور اسلام از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ۔ ۸ر

۵۔ عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب عع

۶۔ عہد نبوی کا نظام تعلیم ۶ر

مہتمم مکتبہ مجلہ نظامیہ حسینی علم حیدرآباد دکن

مجلہ نظامیہ

ادارہ ترقی تعلیم اسلامی کا ماہوار علمی رسالہ



مرتبہ

ابوالخیر کنج نشین فاضل (نظامیہ)

صرف ٹائٹل مطبوعہ شمس الاسلام پریس

۱۳۶۱ھ

مجلہ نظامیہ

فہرس

قیمت سالانہ ۴ روپے
رعایتی ۲ روپے
مقام اشاعت
حسینی علم حیدرآباد دکن

محکمۂ لاسلکی سے خطاب! نظامیین کیلئے یہ امر موجب مسرت ہے کہ اس محکمے کے شعبۂ عربی کے مددگار مولوی قاری ڈاکٹر سید عبدالکریم حسینی (نظامی) مقرر کیے گئے ہیں موصوف کی نگرانی میں عربی نشریات قابل اطمینان طریقے پر انجام دیے جا رہے ہیں اسی طرح عربی مقالات کی خواندگی مولوی شیخ صاحب کامل (نظامی) کے ذریعے عمل میں آ رہی ہے اس خدمت کو بھی موصوف بنا عمدگی سے انجام دے رہے ہیں اس طرح شعبۂ لاسلکی میں نظامیین کے انتخاب پر حکومت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ

جلد ۶ | تیر - امرداد - ۱۳۵۱ف ربیع الثانی - جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ مئی - جون ۱۹۴۲ء | عدد ۸-۹

ڈیماکریسی کا نمونہ

حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار نے فرمایا کہ "ابوبکر ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوق الٰہی میں سب سے بہتر تھے اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش

ایسے مہربان راعی کا جب وقت آخر آیا تو تمام مسلمان حال سے بے حال اور مستقبل کے لیے فکرمند ہیں۔ خبر اڑتی ہے کہ دنیا کے سب سے بہتر انسان نے اپنے جانشین کو نامزد کر دیا ہے عوام یہ سن کر جمع ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔

اے امیرالمومنین تم نے عمر کو ولی عہد مقرر کیا ہے حالانکہ تم دیکھتے تھے کہ وہ لوگوں سے تمھارے سامنے کیسا برتاؤ کرتے تھے اس وقت کیا ہوگا جب وہ تنہا رہ جائیں گے تم اپنے رب کے پاس جا رہے ہو تو تم سے رعیت کی بابت سوال کریگا

جواب میں امیرالمومنین نے فرمایا کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو میں جس وقت اللہ کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری امت سے بہتر بندے کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں یہ اس زمانے کے عوام کا حال تھا جنھوں نے اپنے حق کے متعلق آزادی سے خلیفۂ وقت سے بحث کر رہے ہیں اور خلیفۂ وقت ان کا جواب دے رہے ہیں اور جواب کے بعد سب کا یہ کہنا کہ ہم نے سنا اور مانا یہ واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ نازک سے نازک وقت پر عہد راشدہ میں ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت سے ہر قسم کے مسائل دریافت کرنے کا حق تھا۔ آج بھی وہی انسان ہیں جو کلمہ گو کہلاتے اور سینے میں قوم و ملت کا درد رکھتے ہیں وہ پستی اور ان کی اصلاح کی امنگیں رکھتے ہیں گلی کوچوں دیہات اور قصبات

مطبوعۂ انتظامی پریس نظام شاہی روڈ

مجالس اسلامی تعمیر قوم کی غرض سے قایم ہیں، لیکن نتیجے میں فعل ہیں جب کبھی کسی کام کا تصفیہ ہوتا ہے تو رائے شماری لی جاتی ہے اور اس وقت صدر کو دو رائے کا حق دیا جاتا ہے کثرت آرا پر فیصلہ ہوتا ہے مگر انجام میں ایسا تصفیہ کبھی بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوا مسلمان جب تک اغیار کی تقلید کو نہ چھوڑیں گے اس وقت تک ان کو صحیح کامیابی حاصل نہ ہوگی۔

ذرا غور سے دیکھو کہ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے صحیح تھی کارلائل نے کتنا صحیح کہا ہے۔

"اگر عمر فاروقؓ جیسا ایک اور امیر و سپہ سالار پیدا ہو جاتا تو ساری دنیا مسلمانوں کے زیر نگیں ہوتی"

تاریخ کے یہ بکھرے ہوئے موتیاں آج بھی ہمارے لیے سبق آموز ہیں۔

رائے عامہ کی بیداری امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے بیت المال کی تنظیم کے سلسلے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ جن لوگوں کو وظائف تقسیم کئے جاتے ہیں وہ بند کر دیئے جائیں۔

اس حکم نے رائے عامہ میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ابو مسلم خولانی نے بھرے مجمع میں خلیفہ وقت کو رائے عامہ کے رجحان سے اس طرح آگاہ کیا۔

معاویہ یہ مال تمہارا ہے اور نہ تمہارے ماں باپ کا تمہیں کیا حق ہے کہ تم لوگوں کے وظائف بند کریں۔

حضرت معاویہ ابتدا میں ان الفاظ کی تاب نہ لا سکے چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا ذرا دیر بعد جوش پر ہوش غالب آیا مجھ سے کہا کوئی نہ جائے میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر میں داخل ہو گئے چند منٹ کے بعد آئے اور فرمایا۔

"ابو مسلم نے جو کچھ کہنا تھا کہا مجھ پر جو حالت طاری ہوئی اس کے متعلق ایک حدیث مجھے یاد آگئی اور میرے لیے اس پر عمل کرنا ضروری تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "جب تم میں کسی شخص کو غصہ آئے تو اسکو غسل کرنا چاہئے۔ ابو مسلم کا نعرہ حق پر مبنی ہے تم اپنے وظائف وصول کرتے رہو اللہ برکت دینے والا ہے۔

گیا جمہوریت کے اس دور میں جمہوری حقوق، رائے عامہ کی قوت اور رعایا کی ڈیماکریسی کا اس سے بہتر یا اس جیسا ایک نمونہ بھی کہیں مل سکتا۔

مشائخین ملت

حضرت شاہ رضا رحمۃ اللہ علیہ کے حضور نظام دکن ثانی و رکن الدولہ مدار المہام اور دوسرے

بہت سے امراء معتقد تھے اور بسا اوقات آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے تھے آپ کا مزار تالاب میر جملہ کے قریب ہے

ایک روز آپ کی خدمت میں مدار المہام وقت کی حاضری ہوئی ہمراہی میں چوب دار اور خدمت گار بھی تھے۔ خدمت گاروں نے فقراء کو آنے سے ممانعت کی حضرت کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی غضب ناک ہو کر فرمایا:۔

اے رکن الدولہ تیرے آنے سے میرے اعزہ فقرا کو تکلیف ہوتی ہے اگر تجھ کو میرے پاس آنا ہے تو عوام الناس کی طرح آ۔

دیکھو اس وقت کے بزرگوں کی کیا شان اور ان کی طرز زندگی کیسی تھی کہ امراء سے متنفر اور فقراء سے مانوس رہتے تھے امراء کے در پر کبھی نہیں جاتے تھے جو امراء آتے ان سے بیزار ہوتے تھے آج بھی بہت سے مشائخین اور صاحبان سجادہ نشیں ہیں ان کی روش کو دیکھا جائے کہ صبح ہوتے ہی امراء عہدہ دار اور صاحبان ثروت کے بنگلوں پر حاضری ہو رہی ہے اور طرح طرح کے مکر و فریب سے مطالب اور مقاصد کی بجا آوری کی سعی میں مصروف عمل نظر آئیں گے جس کا نتیجہ ہے کہ آج نہ ان کے دعاؤں میں اثر رہا اور نہ ان کے ارشادات کا اثر دہریہ طرف غریب نادان اور جاہل مسلمان حیران و سرگرداں کوچہ در کوچہ پھر رہے ہیں کیا یہی خدمت اسلام ہے اور کیا یہی قوم کی رہنمائی کی شان عظمت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تہذیب کے کرشمے

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

میری امت میں دو گروہ پیدا ہوں گے جن کا دیکھنا مجھے نصیب نہ ہوگا لیکن ان کا حال مجھے بتایا گیا ہے اور یہ دونوں آگ میں جائیں گے

ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھوں میں گائے کے دم کی مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ (از راہ تکبر و تجبر) لوگوں کو ماریں گے۔

دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہیں گی

یہ اس رحمت عالم کا ارشاد ہے جو انسانیت کی زبردست رحمت و شفقت تھی اور بنی نوع انسان کے عظیم اور شفیق مہربان تھے اس کے مقابلے میں آج ان نام لیواؤں کو دیکھا جائے جنھوں نے اپنی طرز زندگی اسلامی بنانے کے بجائے مغربی تمدن و تہذیب میں گرفتار جبر و تکبر میں سرشار رہیں اور ان کی عورتیں عریانی اور فلم والیوں کے لباس کے دلدادہ بے پردگی کے حامی نظر آ رہے ہیں کیا ان پر اس حدیث کا اطلاق ثابت نہیں آئیگا

ہماری درخواست ہے کہ اسلامی تعلیمات
کو نہایت غور سے پڑھیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں

تنقید و تبصرہ

حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کے تصانیف

جوامع الکلم ترجمہ آداب المریدین خطائر القدس
شائع ہو چکے ہیں اور یہ سب کتابیں مجلس کتب خانہ
روضتین گلبرگہ شریف کی جانب سے شائع ہوئے
ہیں۔ اس مجلس کے روح رواں مولوی حافظ محمد حامد
صاحب صدیقی ہیں جن کی بے لوث مساعی سے نہ صرف
حضرت خواجہ صاحب کے تصانیف شائع ہو رہے
ہیں بلکہ روضہ خواجہ میں احیاء علوم دینیہ کا کام
بھی بڑی جد و جہد سے جاری ہے اس مجلس کی جانب
سے حال ہی میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے حسب ذیل رسائل
بھی شائع ہوئے ہیں تفسیر سورۂ فاتحہ، استقامت الشریعت
بطریق الحقیقت، رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ
و کرامات اولیاء، حدایق الانس، وجود العاشقین
رسالہ توحید خواص، رسالہ منظومہ و راز کار،
رسالہ مراقبہ، رسالہ اذکار چشتیہ، رسالہ شرح بیت
حضرت امیر خسروؒ، برہان العاشقین۔

یہ گیارہ رسالے مجموعہ یازدہ رسائل
سے موسوم کئے گئے ہیں، جناب حافظ سید عطا حسین
کی تصحیح سے دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع ہوئے
ہیں ان سب کی مجموعی قیمت عہ ہے کتب خانہ
روضتین گلبرگہ شریف سے یہ مجموعہ مل سکتا ہے!

۱:- تفسیر سورہ فاتحہ۔ یہ رسالہ سورہ فاتحہ
کی تفسیر میں حضرت خواجہ صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے
مقدمہ میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب
امام ابو القاسم قشیری (۴۶۵ھ) کے بہت معتقد تھے اور امام
قشیری نے قرآن مجید کے ہر سورہ سے چند آیتیں انتخاب کرکے ان کی
تفسیر لکھی ہے جس کا نام لطائف قشیری ہے۔

امام ابی القاسم عبد الکریم بن ہوازن
القشیری پانچویں صدی ہجری کے فقہ، تفسیر، حدیث
اصول و ادب اور شریعت و حقیقت کے امام وقت
تھے[1] آپ کی تصنیفات میں التیسیر فی علم التفسیر اور
لطائف الاشارات نامی اہم کتابیں ہیں۔

لطائف الاشارات[2] کے متعلق بتلایا گیا
ہے کہ اس کتاب میں امام قشیری نے قرآن مجید
کے مختلف سورتوں کی تفسیر معرفت کے طریقے پر
لکھی ہے[3] اسی طرز پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے
سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی ہے یہ رسالہ (۷) صفحے پر
مشتمل ہے ہر حیثیت سے جامع اور لائق معرفت سے
مملو ہے

۱؎ مفتاح السعادہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۴ ۲؎ کشف الظنون
جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔ ۳؎۔ اس کتاب کے نسخے
کتب خانہ رام پور، کتب خانہ نواب صدر یار جنگ
کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں موجود

۲:۔ استقامت الشریعت بطریق الحقیقت: اس رسالہ کو حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے ۸۰۲ھ میں لکھا ہے اس زمانے کو شر و فساد کا عہد بتلایا گیا ہے **ذھب العلم و اھلہ** کو ظاہر کرتے ہوئے شریعت اور طریقت کے نہایت نازک مسائل کو عمدگی سے بتلایا گیا ہے جس سے آپ کے تبحر علمی اور واقف شریعت حقہ کا پتا ملتا ہے جبر و اختیار جیسے نازک مسئلے کو نہایت لطیف پیرایہ میں سمجھایا ہے۔ اس رسالے کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے کس طرح حقیقت کو قوانین شریعت کے تحت لے چلنے کی سعی فرمائی یہ رسالہ (۴۳) صفحے پر مشتمل ہے۔

۳:۔ رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ و کرامات اولیا:۔ اس رسالے میں حضرت خواجہ صاحب نے رویت باری تعالیٰ' ملائکہ مقربین پر انبیاء کی فضیلت کرامات اولیا اور قرآن مجید کے متشابہات جیسے نازک مسائل پر فقہ حنفی کی رو سے محققانہ بحث فرمائی ہے۔ (باقی آئندہ)

تسہیل الترتیل

از مولانا الحاج الیاس برنیؒ صاحب ناظم دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ چھوٹی تقطیع ضخامت (۱۶۸) صفحے کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ار

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فن قرأت سے متعلق قواعد اور ضروری معلومات کو عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن کو صحیح تلفظ سے ادا کرنے کے نسبت جو دشواریاں عام طور پر مشہور ہیں ان کو دور کرنے کی حتی الوسع سعی کی گئی ہے' اس کتاب کی مدد سے چند دنوں میں ہر مسلمان قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے پر قادر ہو سکتا ہے اُردو زبان میں ابتک' اس قسم کی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان کی ترتیب ایسی آسان نہیں جیسی کہ زیر تبصرہ کتاب کی ہے' لائق مصنف نے جو کوشش فن قرأۃ کے مسائل کو جمع کرنے کی فرمائی ہے وہ لائق قدر اور قابل مبارک باد ہے یہ کتاب جامعہ نظامیہ کے امتحانات قرأۃ میں شریک ہونے کے قابل ہے۔

رفتار عالم

جنگ کی رفتار

جنگ کا آغاز ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہوا اور آج جنگ شروع ہو کر ۲ سال سے زائد عرصہ ہوتا ہے' اس عرصے میں برطانیہ عظمیٰ نے قیام امن کے لیے ممکنہ مساعی کے باوجود دنیا کے لاکھوں انسانوں کی خونریزی ہوئی اور قدیم سے قدیم تاریخی عمارتیں ڈھادی گئیں۔ ہندوستانی ٹائمز کے سالنامے میں جنگ سے متعلق وقتاً فوقتاً روزنامچے شائع ہوتے رہے ہیں' ان سے مختصر نوٹ اس غرض کے تحت شائع کیا جاتا ہے کہ قارئین نظامیہ کے پاس

موجودہ جنگ سے متعلق معلومات یکجا طور پر محفوظ رہیں

باضابطہ جنگ آغاز ہونے سے پہلے جرمنی
نے آسٹریا، اور چیکوسلواکیہ پر قبضہ کر لیا اور ایک
عرصے کے بعد دنیا کے امن کو خراب کرنے کی غرض سے
یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ پر حملہ آور ہوا

۳ر ستمبر ۱۹۳۹ء برطانیہ اور فرانس جنگ میں
کود پڑے ہٹلر محاذ جنگ پر روانہ ہوا۔

۴ر ستمبر ۱۹۳۹ء پولینڈ کے تین شہروں پر جرمنوں کا قبضہ

۸ ״ ״ پولینڈ کی حکومت کی وارسا سے منتقلی

۹ر ״ ״ ڈینبرگ اور کاریڈو پر جرمنوں کا قبضہ

۱۴ر ״ ״ برطانیہ کی فوجوں کا فرانس میں
داخلہ اور وارسا پر سترہ مرتبہ ہوائی حملہ۔

۱۷ر ستمبر ۱۹۳۹ء روسی فوجوں کا پولینڈ پر حملہ

۳۰ر ״ ״ وارسا کے محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے

۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء زیگفرید لائن پر حملہ

۳۰ر نومبر ״ روس کا فن لینڈ پر حملہ

۳ر دسمبر ״ حکومت فن لینڈ کا استعفا۔ روس
سے صلح کی گفت وشنید۔

۱۵ر مارچ ۱۹۴۰ء فن لینڈ اور روس میں صلح

۹ر اپریل ״ جرمنی کا ڈنمارک پر قبضہ اور
ناروے کے بعض شہروں پر جرمن قبضہ۔ اور
اتحادی فوج کی ناروے کو امداد۔

۱۱ر اپریل ۱۹۴۰ء ناروے کی حکومت کی فراری

۱۰ر مئی ۱۹۴۰ء جرمنی کا ہالینڈ اور لکسمبرگ پر حملہ

۱۱ر ״ ״ پارس پر جرمنوں کا ہوائی حملہ
وزارت چیمبرلین کا استعفا۔ مسٹر چرچل نئے وزیر اعظم
مقرر ہوئے۔

۱۵ر مئی ۱۹۴۰ء جرمن فوجوں کا فرانس میں داخلہ

۱۷ر ״ ״ ہالینڈ کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے

۱۸ تا ۲۰ مئی ״ برسلز، لیڈان، لیج پر جرمنوں کا قبضہ

۲۸ر ״ ״ شاہ بلجیم کی غداری اور اس کا
ہتھیار ڈال دینا۔

۱۷ر جون ۱۹۴۰ء فرانسیسی حکومت کا استعفا
مارشل پیتان نئے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۲ر جولائی ۱۹۴۰ء لارڈ ہیلی فیکس کی ہٹلر کے
ارادوں کے خلاف دنداں شکن تقریر

۲۷ر جولائی ۱۹۴۰ء نازیوں کے تیل کے ذخیرہ
کو نقصان پہنچایا گیا۔

۳۰ر اگست ۱۹۴۰ء دول محور کے دباؤ کے تحت
رومانیا نے ٹرانسلونیا کا بڑا حصہ ہنگری کے حوالے

۷ر اکتوبر ۱۹۴۰ء جرمن کے فوجی دستے رومانیہ
میں داخل ہوئے۔

۲۴ر نومبر ۱۹۴۰ء رومانیہ محوری طاقتوں میں
شامل ہو گیا۔

یکم مارچ ۱۹۴۱ء بلغاریہ نے بھی اتحاد ثلاثہ
کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

یکم اپریل ۱۹۴۱ء یوگوسلاویہ پر حملہ۔ اور
اس کے بعد جرمنوں کا قبضہ۔

۸ جون ۱۹۴۱ء۔ شام اور لبنان میں آزاد
فرانسیسی افواج کا داخلہ۔

۸ جون ۱۹۴۱ء عراقی وزارت کی تبدیلی
راشد علی کی بے وفائی۔ برطانیہ کی بروقت امداد
سے عراق کا محور کے تسلط سے بچاؤ۔

۲۲ جون ۱۹۴۱ء جرمنی روس پر اچانک
حملہ آور ہوا۔

۱۴ جون ر ر روس نے برطانی پیش کش
کو قبول کر لیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۱ء برطانوی حکومت کے
نائب وزیر اعظم نے لاسلکی کے ذریعے اعلان کیا کہ
مسٹر روزولٹ اور مسٹر چرچل نے آج سہ پہر میں
ملاقات کی اور (۸) نقاط کا اعلان کیا جن پر دونوں
نے اتفاق کر لیا وہ یہ ہیں۔

(۱) امریکہ اور برطانیہ کسی کا کوئی علاقہ یا
کوئی اور چیز نہیں چاہتے۔

(۲) وہ کوئی ایسی علاقے وار تبدیلیاں دیکھنے
کی خواہش نہیں رکھتے جو اقوام متعلقہ کی آزادی
کے ساتھ ظاہر کردہ خواہشات کے بموجب نہ ہوں

(۳) ساری قوم کو خود اپنا طرز حکومت چننے
کے حق کا احترام کیا جائے گا اور وہ مفتوحہ اقوام
کے شاہی حقوق کی بحالی دیکھنے چاہتے ہیں۔

(۴) ضرورت اور واجبات کے مناسب احترام
کے ساتھ وہ ساری قوتوں کو دنیا کے منڈیوں اور
خام سامان تک مساوی رسائی دینا چاہتے ہیں۔

(۵) وہ کامل ترین بین الاقوامی اور اقتصادی
اشتراک عمل قائم کرنے کے خواہش مند ہیں تاکہ
مزدوروں کا معیار ترقی کرے اور سبھوں کے لیے
اقتصادی ترقی اور معاشی تحفظ کو حاصل کیا جائے

(۶) نازی ظلم و تعدی کی آخری بربادی کے بعد
انھیں توقع ہے کہ وہ ایک ایسے امن کا قیام دیکھیں گے
جو ساری قوموں کو سلامتی کا اور سارے لوگوں کو
خوف اور احتیاج سے آزادی کا یقین دلائے۔

(۷) ایسا امن سمندروں کی آزادی پر
مبنی ہونا چاہیے

(۸) وہ باور کرلیں کہ بین الاقوامی طور پر
قوت کا استعمال ترک کر دینا چاہیے اور عام
تحفظ کے ایک وسیع تر اور زیادہ مستقل قیام
تک محوری اقوام کا غیر مسلح کر دیا جانا ضروری ہے
اس طرح وہ اسلحہ کو توڑ دینے والے بوجھ کو
بھی عام محور پر ہلکا کر دینے کی تائید کریں گے۔

۲۵ اگست ۱۹۴۱ء ایران کی کامل آزادی
کی حفاظت کے لیے روس اور برطانیہ
نے مشترکہ حیثیت سے فوجی کارروائی اختیار

کی تاکہ ایران سے پانچویں کالم کی سرگرمیاں دور ہو جائیں۔ شملہ سے ایک خصوصی نشر کے ذریعے اس امر کو واضح کیا گیا کہ اس مشترکہ فوجی کارروائی سے کسی دولت کا کوئی علاقہ وار منصوبہ نہیں ہے صرف یہ ایک عارضی کارروائی ہے جب نازی خطرہ دور ہو جائے گا افواج ہٹالی جائینگی۔ ایران کی قدیم کابینہ مستعفی ہو گئی اور جدید کابینہ جدید شاہ کے حکم سے قائم ہوئی امن عالم کو خراب کرنیکی غرض سے جرمن کی طرح جاپان نے بھی جنگ کی اور ہند چینی، جزائر فلپائن، سماٹرا، سنگاپور، جزائر انڈمان اور برما پر حملہ آور ہو کر ان علاقوں کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

۲۵ مارچ۔ برطانوی جنگی کابینہ کی تجاویز کو لیکر سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے تاکہ ان تجاویز کے ذریعے ہندوستانی جنگ میں کرایہ کے ٹٹو کی مانند حصہ نہ لیں بلکہ اپنے قومی قار اور قومی آزادی کے خیال سے برطانیہ کے ساتھ شریک جنگ ہیں یہ تجاویز دو حصوں پر مشتمل تھیں ایک کا تعلق جنگ کے بعد کے حالات سے تھا یعنی جنگ کے فوری ختم پر ہندوستان کو مقبوضاتی نوعیت کی مکمل آزادی حاصل ہو جائیگی اور اس کو یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ چاہے تو برطانوی دولت عامہ سے علیحدہ ہو جائے اور ہندوستان کا آئندہ دستور خود اہل ہند اپنے منتخب شدہ نمایندوں کے ذریعہ وضع کرے اور اس کا بھی امکان ہوگا کہ مختلف علاقے جاتی وحدتیں یا منطقے اپنے یونین الگ الگ قائم کریں جو اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات میں آزاد ہونگے

دوسری تجویز کا تعلق جنگ کے پہلے کا اس طرح پر تھا کہ بزمانۂ جنگ کوئی دستوری تبدیلی ممکن نہیں تھی اسلیئے یہ توقع کی گئی کہ دفاع کے سوا ہر امر کی نگرانی میں ملک کے مختلف عناصر پر مشتمل ایک کمیٹی ہو اور یہ کمیٹی اپنا کام انجام دے البتہ مجلس دفاع میں ایک ہندوستانی رکن بھی ہو سکے گا جس کے اختیارات محدود ہوں گے اسی طرح ہندوستانی ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ جدید دستور کو قبول کرے یا نہ کرے اور انھیں مجاز کیا گیا کہ وہ اپنے معاہدات کی نظر ثانی کے لیے گفت و شنید کرے۔ لیکن اس پیش کش کو قبول کرنے سے تمام اہم سیاسی جماعتوں نے انکار کر دیا مسلم لیگ نے اس وجہ سے انکار کیا کہ اس پیش کش میں پاکستان کے مسئلے کو مضمر طور پر تسلیم کیا گیا ہے مگر جو تدابیر پیش کی گئی ہیں ان کے باعث عملی اعتبار سے ان کا وجود ناممکن ہوگا اور آیندہ مسلمانوں کو اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کا حق نہیں ملیگا کانگریس نے اس لیے مسترد کیا کہ ان تجاویز میں ہندوستان کی مکمل آزادی کا موجودہ حالات میں کوئی تشفی بخش حل نہیں تھا اور نہ زمانہ جنگ میں قومی کابینی حکومت کا قیام ممکن تھا باوجود اس کشمکش اور سیاسی تعطل کے اب مختلف حلقوں کا خیال ہے کہ ہندوستانی سیاسی صورت حال کو بہتر بنانیکے لیے اس مسئلہ میں امریکہ اور روس ثالث مقرر کیا جائے گا تاکہ یہ کوئی مناسب سمجھوتہ کرادیں اور ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے جوش عمل کو انصرام جنگ کے لیے باعزت طور پر استعمال کیا جاسکے۔[1]

---

[1] سیاست اپریل ۱۹۴۲ء و اخبار رہبر دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید اسلامی اصول کے مطابق ہر شخص میں شرعی اہلیت نوع انسانی کی تخلیق کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور ذاتی طور سے اس کا اظہار دنیاوی ہستی کے واقعات کے ساتھ بتدریج ہوتا ہے اس لیے شرعی احکام کے مخاطب وہی اصحاب ہوتے ہیں جن میں حقوق اور ذمے داریوں کے انجام دینے کی کامل اہلیت ہوتی ہے چونکہ بچوں میں بچپنی صفت پیدائشی ہوتی ہے مگر ماہیت میں داخل نہ ہونے سے عارضی ہوتی ہے اس لیے ان کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کی مفعولی اہلیت کامل ہو جاتی ہے مگر فاعلی اہلیت رفتہ رفتہ ترقی کرنے لگتی ہے یہاں تک کہ ان کے قوائے جسمانی اور دماغی کی تکمیل کے ساتھ وہ بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ جب تک ان کے قوائے جسمانی اور دماغی مکمل نہیں ہوتے اس وقت تک یہ نابالغ کہلاتے ہیں اور ان پر وہ تمام ذمے داریاں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہیں عاید نہیں ہوتیں۔

بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے تو اس کی فطری اور فاعلی اہلیت غیر مکمل اور معدوم محض ہونے سے اس کی زندگی اس کی ماں کی زندگی کا ایک جز ہوتی ہے۔ اور ماں کی آزادی سے وہ آزاد ہو جاتا ہے اور جب ماں فروخت ہوتی ہے تو وہ بھی بیع میں داخل ہوتا ہے اور اس کا نسب، حق توریث، حق ہبہ یا وصیت بھی تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس پر کسی قسم کی ذمے داری عاید نہیں ہوتی اور نہ اس کے ولی کے خرید کردہ اشیاء کی قیمت قابل ادا قرار پاتی ہے۔ اور جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس پر ایک حد تک ذمے داریاں عاید کی جا سکتی ہیں اور اس پر وہی ذمے داریاں عاید ہوتی ہیں جن کے ادا کرنے کی اس میں قابلیت ہوتی ہے اور اس کے وہی افعال اور معاملات تسلیم کیے جاتے ہیں جو اس کے حق میں مفید ہوتے ہیں اور جو امور اس کے فائدے کے خلاف ہوتے ہیں وہ رد کر دیے جاتے ہیں اگر بچے کے عملی افعال سے حق العباد کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو وہ اس کا بدلہ معاوضے کی ادائی سے ہوتا ہو تو ولی اس کی جائداد سے ادا کریگا

اور بعض وقت بچے پر ایسی ذمے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جو از قسم صلہ رحم رشتہ داروں اور بیوی کے نان و نفقے سے متعلق ہیں اس کی طرف سے ولی کا ادا کرنا اس کے ادا کرنے کی طرح سمجھا جائے گا کیونکہ یہاں مال مقصود ہے نفس فعل مقصود نہیں ہے اس لیے ولی کا بحیثیت نیابت ادا کر دینا جائز ہوگا مگر ولی کو ایسے معاوضات جو سزا (دیت وغیرہ) سے مشابہ ہوں یا ایسے جرمانے جن کی نوعیت شخصی حقوق کی ہو ادا کرنے کا حق نہ ہوگا ورنہ بچہ اس کی ادائی کا ذمے دار گردانا جائے گا[1]

بچے پر عبادت بھی واجب نہیں خواہ وہ عبادت بدنی ہو یا مالی جیسے نماز روزہ حج اور زکواۃ وغیرہ اس کی معافی کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ بچے میں جسمانی ناقابلیت کے علاوہ عقل و فہم کا فقدان ہے اس لیے جس کے قوائے جسمانی اور عقلی میں کمی ہو اسمیں ادائی کی اہلیت[2] قاصرہ سمجھی جائے گی زکواۃ سے مستثنیٰ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسکی ذمے داری ذاتی ہوتی ہے اور مقصود ادا کرنا ہوتا ہے تاکہ مطیع اور عاصی میں تمیز ہو جائے اس پر وہ اس ذمے داری سے مستثنیٰ رہے گا[3]

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسکو سب سے پہلے اس کی حفاظت نگرانی اور بروقت

---

[1] ۔ قولہ فقبل الولادۃ کے سلسلے میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ ان الجنین قبل الانفصال عن الام جزء من جہۃ انہ ینتقل بانتقالہا ویقر بقرارہا و مستقل بنفسہ من جہۃ التفرد بالحیوۃ والتھیؤ للانفصال فیکون لہ ذمۃ من وجہ حتی یصلح لوجوب الحقوق لہ کالارث والوصیۃ والنسب لا لوجوبہا علیہ واشتری الولی لہ شیئا لا یجب علیہ الثمن واما بعد الانفصال عن الام فیصیر ذمۃ مطلقۃ لصیرورتہ نفساً مستقلاً من کل وجہ فیصیر اھلاً للوجوب لہ وعلیہ حتی کان ینبغی ان یجب علیہ کل حق یجب علی البالغ الا انہ لما لم لکن اہلاً للاداء لنصف بنیتہ والمقصود من الوجوب ھو الاداء اختص واجباتہ بما یجب علیہ عما لا یجب وھو ظاہر من الکتاب (توضیح و تلویح ص ۲۹ تا صفحہ ۴۴)۔

[2] ۔ شریعت نے شرعی اہلیت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعے سے شخص مذکور حقوق اور ذمے داریوں کا اہل ہو جاتا ہے اسی لحاظ سے کامل اہلیت کے شخص کو یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ انسان ہے جو زندہ، عاقل، بالغ آزاد اور مسلمان ہو اور نہ مرض الموت میں مبتلا ہوا ہو ملاحظہ ہو توضیح و تلویح مطبوعہ مصری ص ۴۲۶ و ۴۳۰۔ [3] ۔ توضیح و تلویح ص ۴۳۰ تا ۴۳۱۔

خوراک کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور جب اس کے قوائے جسمانی اور دماغی میں نشوونما ہوتی ہے تو اس کے لیے اچھی تعلیم و تربیت کی شدید ضرورت رہتی ہے زندگی کے ان شعبوں میں اسلام نے جو تاکیدی احکام دیئے ہیں اس کے مطابق بچوں کی پرورش اور ان کی اچھی تربیت و تعلیم ضروری ہے تاکہ ان کی جسمانی نشوونما اور دماغی و روحانی ترقی میں کمال پیدا ہو اور ان کا یہ کمال دین اور مذہب کے لیے آئندہ کارآمد ہو سکے ورنہ بقول سراج الائمہ امام ابوحنیفہؒ نا اہل کا سرداری کا طالب ہونا اس کی ہمیشہ کی ذلت کا سامان ہے

رضاعت رضاعت اس کو کہتے ہیں کہ شیر خوار بچہ ایک خاص وقت میں اپنی ماں یا کسی اور عورت سے دودھ پی لے اس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہٗ رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہٗ بولدہ وعلی الوارث مثل ذالک۔ (پارہ (۲) سورہ بقر)

اور ماؤں کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کو کامل دو برس تک دودھ پلائیں، باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا دستور کے موافق لازم ہے کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اس قدر کہ اس کی گنجائش ہونا تو ماں ہی کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور اسی قدر اس کے وارث پر بھی ہے

والوالدات یرضعن اولادھن کے معنے میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض فقہا کی رائے ہے کہ اس میں صرف خبر دیگئی ہے کہ مائیں بالعموم اپنے بچوں کو دودھ پلایا کرتی ہیں اسی ملئے ان پر دودھ پلانا لازم نہیں ہوتا مگر والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثہ قروءؔ میں یتربصن خبر بمعنے امر ہے اس لحاظ سے ماؤں پر دیانۃً لازم ہیکہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں

مدت رضاعت ماں بچے کو کس عمر سے کس مدت تک یا کس عمر کے پہنچنے تک دودھ

ؔ جن عورتوں کو طلاق دیگئی ہے وہ اپنے نفس کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

پلائے یا بچہ کسی اور عورت کا دودھ پی لے تو حرمت ثابت ہو مذکورالصدر قرآنی آیت میں دو سال کی مدت قرار دیگئی ہے جس سے امام شافعی اور علقمہ اور شعبی اور زہیری رضی اللہ عنہم کو بھی اتفاق ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کی رائے کے موافق دھائی برس تک بچے کو دودھ پلایا جا سکتا ہے اور اگر بچہ اس مدت میں کسی اور عورت کا دودھ پی لے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ حملہ وفصالہ ثلثون شہرسے واضح ہوتا ہے اسی لیے علمائے کرام نے مدت رضاعت کے تین مدارج قائم کئے ہیں (۱) ادنی مدت ڈیڑھ سال (۲) اوسط مدت دو سال (۳) انتہائی مدت ڈھائی سال ہے اگر بچہ دو سال کے اندر ہی دودھ سے مستغنی ہو جائے تو ماں دودھ ترک کرا سکتی ہے اور اگر وہ دو سال سے زائد مدت تک پلائے تو پلا سکتی ہے اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔[۱]

حرمت دودھ پلانے کی انتہائی مدت ڈھائی سال ہے اگر کوئی بچہ اس عمر کے پہنچنے تک یا اس کے درمیان کسی اور عورت سے دودھ پی لے تو اس کو وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو قرابت نسب سے حرام (یعنے ان سے کسی قسم کا نکاح نہیں کر سکتا) ہیں امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق بچہ پانچ بار دودھ پیوے تو حرمت ثابت ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے موافق بچے کے ایک بار کے پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی ان کی دلیل وامھاتکم التی ارضعنکم ہے جس میں مطلقاً دودھ پلانے کا حکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

دودھ پینے سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے ہی اس میں گنتی یا تھوڑے اور بہت کی کوئی شرط نہیں ہے اسی لیے فقہا نے تبلایا ہے کہ اگر بچے کے منھ اور ناک کے ذریعے سے کسی عورت کا دودھ پیٹ میں پہنچ جائے ونیز پہنچنے کے بعد قے بھی ہو جائے تب بھی رضاعت ثابت ہے۔[۲] البتہ دودھ کو پانی یا دوا میں ملا کر

---

[۱] شرح کتاب النفقات للخصاف، صفحہ از ۴۰ تا ۴۳۔ [۲] در مختار بر حاشیہ رد المحتار جلد ۲ باب الرضاع۔ فتاوی خلاصہ صفحہ ۱۱۷۔ محیط سرخسی جلد اول صفحہ ۲۸۰

دیا جائے تو ان صورتوں میں اگر دودھ غالب ہو گا تو حرمت ہو گی ورنہ اس سے حرمت ثابت نہ ہو گی[۵۰] ۔ حرمت کی ایک اور صورت یہ بتلائی گئی ہے کہ جس عورت کا حیض بند ہو جاتا ہے ایسی عورت کے دودھ سے بھی جب کہ مدت رضاعت کے اندر ہو پلایا جائے تو شرعاً حرمت ثابت ہو گی[۵۱] ۔ و نیز رضاعت کی مدت ختم ہونے کے بعد اگر کوئی بچہ کسی کا دودھ پی لے تو حرمت ثابت نہ ہو گی[۵۲]

حصانت سات سال سے کم عمر بچوں کی حصانت اور تا حد بلوغ لڑکیوں کی حصانت (پرورش ۔ حفاظت) کا حق ماں کو حاصل ہے ماں بچے کو حد استغنیٰ تک اپنی نگرانی میں رکھنے کی مجاز ہو گی خواہ باپ موجود ہو یا نہ ہو کیونکہ بچہ اس مدت سے پہلے باپ کے مقابلے میں ماں کی شفقت کا محتاج رہتا ہے ۔ اگر بچوں کا باپ ان کی ماں کو طلاق بھی دیدے تب بھی ماں کا یہ حق قایم رہے گا اور دوسرا شوہر کر لینے کی حالت میں جب کہ یہ شوہر بچے کے اقارب (محرموں سے ہو) سے ہو قایم رہے گا ۔ لیکن اجنبی ہونے کی صورت میں یہ حق باپ کو حاصل ہو جاتا ہے[۵۴]

مدت حصانت حضرت امام حضا (رح) صاحب کتاب نے حد استغنیٰ کی چار صورتیں قائم کی ہیں پہلی صورت یہ بتلائی ہے کہ لڑکا اکیلا بلا کسی مدد کے کھانا کھائے (۲) اور بلا کسی مدد کے پانی پیا کرے (۳) بلا کسی مدد کے کپڑے وغیرہ پہنا کرے

---

۵۰ ۔ کنز الدقایق کتاب الرضاع ۔ ۵۱ ۔ درمختار بر حاشیہ رد محتار جلد ۲ باب الرضاع صفحہ ۴۱۳ ۔ ۵۲ ۔ واذا مضت مدۃ الرضاع لم یتعلق بہ . . . ۵۳ . فتاوی عالمگیری جلد ا کتاب الرضاع ۔ ۵۴ ۔ شرح کتاب النفقات صفحہ (۱۱ ۔ ۵۱) درمختار برحاشیہ ردالمحتار باب الحصانت صفحہ ۶۵۵ ۔ کتاب الاثار نمبر ۴۲ ۔ پریوی کونسل کا فیصلہ ہے کہ شرع اسلام کی رو سے نابالغ بچوں کی بلحاظ جنس کے ایک خاص مدت تک صرف حصانت ذات کا حق ماں کو حاصل ہے مگر وہ فطری ولی نہیں ہے البتہ باپ قانونی ولی ہے اور اگر وہ مرگیا تو حسب قانون حنفی اس کا مقرر کردہ وصی متہم ترکہ ہوگا ملاحظہ ہو مقدمہ زہرہ بی بی بنام عبدالرزاق ۱۹۱۱ء ۱۲ بمبئی لار پورٹ ۱۸۹ ۔

(۴) بلا کسی اعانت کے استنجا کیا کرے۔ جن لڑکوں میں یہ چار صورتیں پائی جائیں ان پر حد استغنیٰ تک پہنچنے کی تعریف صادق آئے گی ورنہ نہیں۔

جو لڑکے حد استغنیٰ تک پہنچ جاتے ہیں تب ان کی حصانت کا حق باپ کو حاصل ہوگا کیونکہ یہ زمانہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا کہلاتا ہے۔

کس عمر کے بچوں میں حد استغنیٰ تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اس کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ بچوں میں کسی طرح چار سال میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی پانچویں اور چھٹے سال میں اختلاف ہے کیونکہ اس زمانے میں بعض وقت بچوں میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض میں نہیں لیکن ساتویں سال میں پہنچنے کے بعد بچے میں حد استغنیٰ کی اچھی خاصی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور علماء کو بھی اسی مدت پر اتفاق ہے اس لیے بچہ (۷) سال کی عمر تک ماں یا دیگر ورثا کے پاس رہ سکے گا اس کے بعد حصانت کا حق باپ کی طرف منتقل ہوگا[۵۵]

لڑکیوں کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے کے مطابق لڑکی بالغ ہونے تک ماں کے زیر نگرانی رہے گی۔ اس بارے میں امام ابی یوسفؒ کی رائے ہے کہ لڑکی اس معیار پر پہنچ جائے کہ اس پر شہوت واقع ہو یا اس کے مانند دیگر لڑکیاں مباشرت کے قابل ہوں تب ماں سے حق حصانت باپ کی طرف منتقل ہوگا[۵۶] البتہ مراہقہ (مراہقہ اس عورت کو کہتے ہیں جس میں احتلام کے

۵۵۔ استنجا سے مراد یہ ہے کہ بچہ بذات خود اپنی طہارت پر قادر ہو اور اپنے نفس کو بلا کسی اعانت کے پاک وصاف رکھ سکے۔ از شرح نفقات صفحہ ۱۰۔ ۵۶۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۱۰۔ شیعی فقہ کے لحاظ سے ماں کو اپنے لڑکوں کے متعلق دو سال اور لڑکیوں کے متعلق سات سال کی تکمیل تک حق حصانت رہے گا، بچوں کے ان عمروں تک پہنچنے سے پہلے ماں کا انتقال ہو جائے تو یہ حق باپ سے متعلق ہو جائے گا۔ بیلی جلد دوم صفحہ ۹۵ و مقدمہ سلیم النسا بنام سعادت ۱۹۱۴ء و ۳۰ الہ آباد صفحہ ۲۶۴ از اصول شرح اسلام فرید وں ملا ۲۶۴۔ ۵۲۔ شرح النفقات صفحہ ۱۱ فتاوی شامی جلد ۲ باب الحصانت صفحہ ۶۵۸۔

آثار پائے جائیں ایسی صورت میں حسب رائے امام محمدؒ باپ کو حضانت کا حق رہے گا۔

لڑکی میں مصاہرت کی قابلیت کس عمر میں پہنچنے کے بعد پیدا ہو گی فقہاء نے اس مسئلے کو مندرجۂ ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اگر لڑکی پانچ سال یا اس سے کم ہو تو صاحب شہوت نہ ہو گی۔

۲۔ اگر لڑکی ۶ یا ۷ سال ہونے پر اس کی جسمانی حالت اچھی ہو تو وہ ضرور صاحب شہوت ہو گی ورنہ نہیں۔

۳۔ اگر لڑکی ۹ یا دس سے زیادہ سال کی ہو جائے تو ضرور صاحب شہوت ہو گی امام ابی لیثؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ لڑکی (۹) سال کی عمر میں حد بلوغ کو پہنچ جاتی ہے اس کے بعد باپ کی طرف حق حفاظت منتقل ہو سکے گا۔[۱]

اجرت رضاعت

بچوں کو دودھ پلانے کی وجہ سے عورت اپنے شوہر سے دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرنے کی مجاز نہ ہو گی اس لیے کہ شریعت نے ایسے مطالبے کو ناجائز قرار دیا ہے اور شوہر بھی اپنی زوجہ کو دودھ پلانے پر مجبور کرنے کا حکماً مجاز نہ ہو گا۔[۲]

کیا عورت بچے کو دودھ پلانے پر مجبور کی جا سکتی ہے

اوپر بتلایا گیا ہے کہ عورت پر بچوں کو دودھ پلانے کا لزوم دیانتہً ہے وہ دودھ پلانے پر مجبور نہیں کی جا سکتی اگر عورت بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرے تو شوہر کسی اور عورت کے ذریعے (بطور خادمہ) دودھ پلانے کا انتظام کر سکتا ہے۔ مگر شوہر کو ایسی صورت میں حق نہ ہو گا کہ وہ بچے کو ماں سے علٰحدہ رکھے، ہر حال میں بچہ ماں کے پاس رہے گا اور

---

[۱] ۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۱۱ فتاوی ہندیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۔ برطانوی ہند میں لڑکیوں کے بلوغ کی انتہائی مدت ۱۸ سال اور لڑکوں کے لیے ۲۱ سال کی تکمیل پر ختم ہوتا ہے۔ مگر دولت آصفیہ حیدرآباد میں جہاں حکومت کا سرکاری مذہب حنفی ہے حسب احکام شرح بلوغ کا تصفیہ ہوتا ہے۔

[۲] ۔ شرح کتاب النفقات للخصاف از صفحہ ۲ تا ۳۔

ماں کو بچے پر نگرانی کا کامل حق رہے گا۔[1]

آنا کے فرائض

اگر بچے کو دودھ پلانے کے لیے آنا کا انتظام ہو تو شریعت اسلام نے اس کے متعلق یہ بتلایا ہے کہ اگر بوقت تقرر دایہ کسی قسم کی کوئی شرط قایم کی گئی ہے تو شرائط کی پابندی دایہ کے لیے ضروری ہوگی اور اگر تقرر کے وقت کسی قسم کی شرط نہیں کی گئی ہے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ بچے کی ماں کے گھر میں رہے اور بچے کو اس قدر دودھ پلائے کہ پیٹ بھر جائے اور دودھ پلانے کے بعد وہ بچے کو ماں کے تفویض کرے البتہ ماں کے صحنِ مکان میں بھی بیٹھ کر بچے کو دودھ پلا سکتی ہے۔[2]

ماں کے نہ ہونے کی صورت میں حق حضانت کس کے ذمے ہوگا

ماں کے نہ ہونے کی صورت میں سات سال سے کم عمر لڑکوں اور نابالغ لڑکیوں کی حفاظت مفصلہ ذیل رشتہ دار عورتوں سے بہ ترتیب ذیل متعلق رہے گی۔[3]

(۱) ماں کی ماں بہ سلسلہ صعودی
(۲) باپ کی ماں 〃
(۳) حقیقی بہن
(۴) اخیافی بہن
(۵) علاتی بہن
(۶) حقیقی بہن کی بیٹی
(۷) اخیافی بہن کی بیٹی
(۸) علاتی بہن کی بیٹی
(۹) خالہ بہنوں کی ترتیب میں
(۱۰) پھپھی 〃 〃

عورتوں کے نہ ہونے کی صورت میں مردوں کا حق حفاظت

اگر ماں اور وہ رشتہ دار عورتیں جن کا ذکر اوپر

---

[1] ۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۶ شافعی مذہب کے لحاظ سے عورت کو اس حالت میں بھی اجرت رضاعت کی ادائی کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

[2] ۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۶۔

[3] ۔ درمختار برحاشیہ ردالمحتار جلد ۲ باب الحضانت صفحہ ۶۵۵۔ و شرح کتاب النفقات صفحہ ۵۱۔

کیا گیا ہے موجود نہ ہوں تو حق حفاظت حسب ترتیب ذیل اشخاص کو حاصل رہے گا۔
(۱) باپ (۲) قریب تر دادا (۳) حقیقی بھائی (۴) علاتی بھائی (۵) حقیقی بھائی کا بیٹا (۶) علاتی بھائی کا بیٹا (۷) حقیقی چچا (۸) علاتی چچا (۹) حقیقی چچا کا بیٹا (۱۰) علاتی چچا کا بیٹا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کوئی مرد کسی بے بیاہی لڑکی کی حفاظت کا مستحق نہ ہوگا۔ جب تک کہ وہ اس لڑکی کے محرموں سے نہ ہو اگر کوئی شخص موجود نہ ہو تو عدالت کسی دوسرے شخص کو ولی یا مختار مقرر کر سکے گی[1]

عورتیں کب ناقابل حضانت ہو جاتی ہیں ماں اور ہر وہ عورت جو بچوں کی حصانت کی مستحق ہو سکتی ہیں مندرجہ ذیل حالتوں میں ان سے حصانت کا حق زائل ہو جائے گا[2]
(۱) مطلقہ ہونے کے بعد ایسے شخص سے نکاح کرے جو بچے کے محرموں سے نہ ہو بلکہ اجنبی ہو (اس لیے کہ عورت دوسرے شوہر کی خدمت کی وجہ سے بچے کی کافی خدمت نہ کر سکے گی) (۲) بحالت قیام نکاح وہ بچوں کے باپ کے مقام سکونت سے دور جا کر رہتی ہو۔
(۳) بد اخلاقی کی زندگی بسر کرتی ہو یا بچوں کی نگرانی اور حفاظت کرنے میں غفلت اور لاپروائی کرتی ہو[3] ان تمام صورتوں میں بچے کی حصانت کا حق ماں سے ساقط ہو جائے گا۔

نابالغ اولاد کا نفقہ نفقے کا استعمال خوراک، لباس اور رہنے کے مکان پر حاوی ہے۔ احکام شرع کے لحاظ سے باپ کا فرض ہے کہ نابالغ بچوں کو تا حد بلوغ اور لڑکیوں کو نکاح ہونے تک نفقہ دے[4]۔ البتہ نابالغ اولاد

---

[1]۔ ہدایہ جلد ( ) اور مختار حاشیہ ردمختار کتاب النکاح باب الحصانت جلد ۲ صفحہ ۶۵۵ و شرح کتاب النفقات صفحہ ۵۲۔ [2]۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۵۱
[3]۔ دیکھو مقدمہ عباسی بنام ڈنشی ۱۸۷۸ء الہ آباد ۵۹۸۔ [4]۔ از شرح کتاب النفقات صفحہ۔ اس کی تائید قرآنی آیت علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ (متمول اور مفلس دونوں کے لیے ان کی طاقت کے موافق کشادگی ہے) ومن وجدکم (تمہاری طاقت کے موافق) سے بھی ہوتی ہے۔

کی جائداد ہو تو ان کی جائداد سے باپ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ رضاعت کی مدت ختم ہونے کے بعد[1] ان کی جائداد سے ان پر خرچ کرے[2]۔ حد بلوغ کو پہنچے ہوئے لڑکوں کا نفقہ دینا باپ کے فرائض میں داخل نہیں ہے، بجز اس حالت کے کہ وہ معذور یا بیماری کی وجہ سے خود کھانے اور کمانے کے ناقابل کا ہوں۔ اگر باپ اپنی نابالغ اولاد کی پرورش سے انکار کرے تو عدالت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان کے نفقے کے لیے باپ کو مجبور کرے تاکہ بچہ اندیشہ ہلاکت سے محفوظ رہے، اس میں باپ کے مقدرت اور غیر مقدرت کا کوئی سوال نہیں ہے باپ کے غیر مقدرت ہونے کی صورت میں عدالت کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وہ باپ کو محنت اور مزدوری کے ذریعے چھوٹے بچوں کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کرے اور اگر اس کی تعمیل نہ ہو تو قید کی سزا تجویز کرنے کا قاضی کو حق ہوگا۔ اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ نابالغ اولاد پر باپ کو حق ولایت حاصل ہے اور یہ بمنزلہ ذات ہے باپ کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو ولایت کا حق نہیں اس لیے ہر حیثیت سے نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ اگر باپ مفلس اور کمائی کے ناقابل ہو تو ماں بشرطیکہ اس کی مالی حالت اچھی ہو باپ کی طرح اولاد کے نفقے کی ذمے دار ہوگی اور باپ پر یہ اخراجات بطور قرض کے ہوں گے بعد درستی حالت اس کی ادائی باپ کے ذمے ضروری ہوگی اور اگر ماں بھی مفلس ہو تو عدالت عورت کو حصول قرض کی اجازت دے گی اس کی ادائی بھی بچوں کے باپ پر ضروری ہوگی باپ اور ماں کے مفلسی کی صورت میں دادا بھی موجود ہو تو حسب رائے امام ابوحنیفہ رح دادا ان بچوں کے نفقے کا ذمہ دار ہوگا[3]۔

اگر کوئی باپ اپنے بچے کا نفقہ ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو بچہ اس کے

---

[1]۔ درمختار جلد (۲) باب النفقہ۔ [2]۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۵ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ باپ پر ایسی اولاد کا نفقہ واجب نہیں ہے جس کی پرورش خود اس کی جائداد سے ہو سکتی ہے یعنے باپ ان کی جائداد سے ان پر نفقہ خرچ کرنے کا حق رکھتا ہے البتہ اراضیات کی شکل میں جائداد ہو تو احتیاطاً اس کے فروخت کی ممانعت کی گئی ہے۔ [3]۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۵ تا ۹۔ فتاوی النوازل از امام ابی لیث رح صفحہ ۱۵۲۔

مال سے نفقہ حاصل کرنے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس سے نفقے کی ادائی کا لزوم بھی ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح محارم کے نام اجرا شدہ نفقے کی ڈگری بھی ساقط ہو جائے گی اگر محارم یہ اجازت عدالت متوفی کے نام بطور قرض ادا کرتے رہیں تو اس کی ادائی متروکہ کے ذریعے ہو سکے گی یہی عورت کے نفقے کا حکم ہے جب کہ وہ عدالت کی اجازت سے قرض حاصل کرے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص خود قرض حاصل کرے تو اس کا قرض اس کے وفات کی وجہ سے باطل نہ ہوگا اور جب اس کا بطلان ثابت نہ ہوا تو حکم عدالت سے جو بھی قرض حاصل کر لے وہ کالعدم متصور نہ ہوگا امام حاکم کی بھی یہی رائے ہے[51]

بچے والی عورتوں کا نفقہ

عورت جب شوہر کے نکاح میں رہے تو اس حالت میں عورت کو شوہر کے جانب سے جو نفقہ حاصل ہوگا وہ اس معاوضے یا سبب سے ہوگا جس کا مرد بذریعہ صحبت تمتع حاصل کرتا ہے اس کے بعد اس عورت سے بچے بھی پیدا ہوں اور وہ بچوں کو دودھ بھی حسب احکام شرع پلائے تو ایسی حالت میں عورت کا یہ نفقہ رضاعت اور تمکین نفس دونوں میں شمار ہوگا[52] اس کی تائید قرانی آیت سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

وعلی المولود رزقھن وکسوتھن بالمعروف! اگر کوئی شخص اس عورت سے دودھ پلانا چاہئے تو باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا دستور کے موافق لازم ہے۔

طلاق کی صورت میں نابالغ بچوں کی ماؤں کا نفقہ اور ان کے اصول

جب کبھی میاں اور بیوی کے درمیان تفریق ہو جائے اور عورت زمانہ عدت میں رہ کر بچے کو دودھ پلائے تو ایسی حالت میں معتدہ کے لباس اور خوراک کے

51۔ شرح کتاب النفقات صفحہ

52۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۳۔

اخراجات بچے کے باپ پر ہوں گے، اور نفقہ عدت کا بعض حصہ نفقہ عدت میں اور بعض حصہ اجرت رضاعت پر مشتمل ہوگا[1]۔ جیسا کہ قرآن میں بھی ہے ولا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود بولدہ۔ نہ ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو بچہ کی وجہ سے۔

اگر کوئی عورت طلاق کے بعد ایام عدت میں نفقہ عدت کے علاوہ علیحدہ طور پر اجرت رضاعت کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں بھی عورت علاوہ نفقہ عدت کے کسی اور نفقے کی مستحق نہ ہوگی کیونکہ ایک ہی صورت میں اجرت رضاعت اور نفقۂ عدت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

شریعت کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب تک عورت شوہر کے نکاح میں رہے شوہر پر اکیلے نفقے کا لزوم ہے باوجود اس کے عورت شوہر سے بحالت نکاح اجرت رضاعت طلب کرنے کی مجاز نہیں ہوگی[2]۔ خواہ اس سے بوقت نکاح کسی قسم کا معاہدہ (وہ حقوق جو شریعت کے خلاف ہو) ہوا ہو ہر حالت میں معاہدہ کالعدم متصور ہوگا اگر عورت شوہر سے اس قسم کا مطالبہ کرے کہ جو اجرت دودھ پلانے کی اجنبی عورت کو دی جاتی ہے وہی دی جائے ایسی صورت کو بھی شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے[3]۔ جیسا کہ اوپر تبلایا گیا ہے کہ ایک حالت میں دو نفقے جمع نہیں ہوسکتے البتہ عورت شوہر کے نکاح میں نہ رہے اور وہ زمانہ عدت بھی ختم کرلی ہو تو ایسی صورت میں صرف اجرت رضاعت حاصل کرنے کی مجاز ہو سکے گی بشرطیکہ وہ بچے کی کافی نگہداشت کرسکے اور عقد ثانی کی صورت میں دیکھا جائے گا کہ بچے کے محارم سے اگر اس کا شوہر ثانی ہو تو نفقہ رضاعت جاری رہے گا ورنہ ساقط ہو جائے گا اور بچہ کی حفاظت باپ کی طرف حسب قاعدہ منتقل ہو جائے گی[4]۔ یہ بھی تبلایا گیا ہے کہ مطلقہ زوجہ اپنے بچوں کی حفاظت بلا اجرت کرنے پر آمادہ نہو اور ان بچوں کا باپ مفلس ہو تو ایسی صورت

---

[1] شرح کتاب النفقات صفحہ ۴۔ [2]۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ردالمختار جلد ۲ صفحہ ۷۰۲۔ [3]۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۷۔ [4]۔ شرح کتاب النفقات صفحہ ۴۔

ل

میں بتلایا گیا ہے کہ ماں اور باپ کی طرف سے جو بھی صفت رضاعت و حضانت پر آمادہ ہوں گے ان کے ذمے ان بچوں کی پرورش منتقل ہو سکے گی [1]

شریعت کے نزدیک وارث سے کون اشخاص مراد ہیں

حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کی رائے کے مطابق وعلی الوارث مثل ذالك سے مراد ورثاء سے محارم مراد ہیں جس کی وجہ سے محارم پر نفقے کی ادائی لازمی قرار پاتی ہے حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق وعلی الوارث مثل ذالك سے دوسرے اسباب مراد لیے گئے ہیں اور محارم ادائی نفقے سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر علماء کو حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے سے اتفاق ہے اور محارم پر نفقے کا وجوب کیا گیا ہے اس آیتہ کریمہ کے متعلق حضرت امیر المومنین سیدنا عمرؓ کی رائے ہے کہ "بلا کسی شرط کے ابن العم پر بھی نفقہ واجب ہے یہاں تک کہ قبیلے میں ایک شخص بھی موجود ہو ادائی نفقے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس مسئلے کے متعلق حضرت زید ابن ثابت سے بھی دو روایتیں ہیں پہلی روایت سیدنا عمرؓ کی رائے سے اتفاق کرتی ہے اور دوسری روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کی رائے سے متفق ہے حضرت ابن ابی لیلیٰ کو بھی حضرت سیدنا عمرؓ کی رائے سے اتفاق ہے لیکن احناف کی متفقہ رائے حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی رائے سے متفق ہے [2]

مفلسی کی صورتوں میں نفقے کے اصول

اگر عورت مفلس ہو لیکن اس کے ماں باپ خوشحال ہوں تو ایسی صورت میں ماں پر ایک ثلث اور باپ پر دو ثلث نفقے کی ادائی ہوگی [3] اگر ایک شخص کے لیے بیٹی۔ چچا اور ماں ہو یا پھوپھی اور ماں ہو تو ایسی صورت میں بیٹی (جو محارم سے ہے) پر نفقہ ہوگا۔ اگرچہ کہ دیگر ورثاء میراث میں مساوی حصہ پاتے ہیں، لیکن ایسی صورت میں

---

[1] فتاوی نظامیہ جلد اول صفحہ ۱۲۹ بحوالہ نتاوے واقعات المفیتن صفحہ ۴۶ - [2] شرح کتاب النفقات صفحہ   رد المختار جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ [3] امام ابو حنیفہؓ - امام حسنؓ - اور امام ابی یوسف رحمتہ اللہ علیہم کی متفقہ رائے ہے از شرح نفقات صفحہ

بوجہ ولد ہونے کے وراثت کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور ایسے محرم رشتہ دار جو محتاج اور کمانے سے معذور ہوں ان کا نفقہ ورثا پر بقدر میراث ضروری قرار دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص کے لیے بھائی، بہن اور ماں ہو تو ان ورثا پر ان کے حصے کے موافق نفقہ ہو گا۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے لیے بہن اور چچا ہو تو اس میں بھی بقدر میراث حصہ نفقے کی ادائی ہو گی ماں اور دادا ہونے کی صورت میں نفقے کی کل ذمے داری دادا پر ہو گی لیکن والدین اور اجداد کے مفلسی کی وجہ سے ان کے نفقے کا وجوب اولاد پر ہو گا۔[1]

بچوں کی پرورش سے ماں کا انکار کرنا اور اس کا انتظام

اوپر بتلایا گیا ہے کہ بچوں پر ماں کو حق حضانت حاصل ہے اگر وہ اپنے اس حق سے انکار کرے تو وہ مجبور بھی نہیں کی جائے گی۔ پرورش سے انکار کی صورت میں نانی موجود ہو تو بچہ نانی کے زیر پرورش رہے گا کیوں کہ ماں کی عدم موجود گی (وفات) میں نانی کو حضانت کا حق ہے، اس لیے دادی کے مقابلے میں نانی کو حق ترجیح رہے گا۔ (فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۵۴۱)

نفقے کی واپسی

اگر ماں بچے پر نفقہ خرچ نہ کرے اور باپ کو اس کی شکایت ہو تو عدالت کو تحقیقات اور فیصلے کا حق دیا گیا ہے اور قاضی عدالت کے نزدیک یہ بات ثابت ہو جائے کہ عورت بچوں کی کافی نگہداشت اور ان پر نفقے کی کامل رقم خرچ نہیں کرتی ہے تو وہ خود تقسیم نفقے کا مناسب نظم کرنے کا مجاز ہو گا۔[2]

باپ کے بعد بچوں کا نفقہ کس پر ہو گا

باپ کی وفات کی وجہ سے چھوٹے بچوں کا نفقہ ماں اور محارم پر ہو گا مثلاً اگر ایک چھوٹے بچے کا باپ فوت ہو جائے اس وقت اس بچے کا بھائی اور ماں موجود ہو تو ایک ثلث ماں پر اور دو ثلث بھائی پر نفقے کی ادائی کا لزوم ہو گا اور یہ عمل وراثتی اصول پر

---

[1] شرح کتاب النفقات صفحہ ۵ و کنز الدقائق باب النفقہ۔

[2] شرح نفقات صفحہ ۱۳۱۔

قایم کیا گیا ہے یعنی اگر بچے کے فوت ہونے کی صورت میں اس کا متروکہ اسی اصول پر تقسیم ہوگا۔ چونکہ ماں بچے کی محافظ رہے گی اس وجہ سے اس کا حصہ ساقط سمجھا جائے گا' اور بھائی کو دو حصے دینے ہوں گے اور اس کی ادائی خوراک اور لباس کے حد تک ہوگی اور رضاعت کی اجرت کا بار ماں پر رہے گا' کیونکہ ماں اس امر میں مختار ہے اور بھائی کی حیثیت مفلس کی سی ہے۔[1]

نا بالغ اولاد کا نفقہ شریعت کی رو سے بالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب نہیں مگر ان بالغ اولاد کے معذور اور کسب کے ناقابل کار ہونے کی صورت میں ان کے نفقوں کی ذمہ داری باپ پر ہوگی باپ کے متمول نہ ہونے کی صورت میں بیت المال سے ادائی ہوگی اور بالغ بچے کسی کسب کے اہل ہوں تو وہ کسب پر مجبور رکئے جائیں گے اور ان کے لیے کسب کے ذرایع حکومت کی جانب سے فراہم کئے جائیں گے۔[2]

بیوی اور بچے کے نفقے کا فرق بیوی اور بچے کے نفقے میں فرق ہے کیونکہ بیوی خواہ وہ مالدار ہو یا نہ ہو' ہر حیثیت سے شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت سے صحبت کرتا ہے اور اس کے حسن و جمال سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ مشابہ بدل ہے' بدل کی صورت میں خواہ عورت متمول ہو یا مفلس ہر حالت میں عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا برخلاف اس کے نا بالغ اولاد کے نفقے میں ایسی صورت نہیں کیونکہ اولاد کو جو نفقہ دیا جاتا ہے وہ حاجت کی وجہ سے ہے اور بغیر حاجت نفقے کی ادائی باپ پر لازمی نہیں۔ (شرح کتاب النفقات صفحہ ۵)

بلوغ کی انتہائی عمر جیسا کہ اسکے اوپر بتلایا گیا ہے کہ مرد یا عورت جو کوئی ہو فی الحقیقت بالغ ہو جائے یعنے لڑکے میں احتلام اور لڑکی میں احتلام حیض

---

[1] شرح نفقات صفحہ ۳۱۔ [2] شرح نفقات صفحہ ۷۔ یہ سب صورتیں مسلمانوں میں اس وقت نہیں جب کہ مسلمان آزاد تھے محکوم نہ تھے آزادی بڑی نعمت ہے بغیر آزادی کے احکام شرع کا نفاذ ناممکنات سے ہو گیا ہے۔ یورپ میں جس کسی کو مزدوری نہیں ملتی ہے انھیں حکومت کی جانب سے روزانہ خرچہ دیا جاتا ہے یہ رعایت ان کو آزادی کی بدولت نصیب ہوئی۔

اور حمل (نکاح ہونے کی وجہ سے) جیسے آثار معلوم ہوں تو وہ مرد یا عورت بالغ متصور ہوں گے اگر ان امور میں سے کوئی بھی کسی میں نہ پایا جائے تو اس کے لیے پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جانے پر بلوغ کا قیاس قائم ہوتا ہے اور ایسے ہی بالغ اشخاص شرعی احکام کے مخاطب اور ذمہ داریوں کے اہل متصور ہوں گے اور انھیں اپنی ذات اور جائداد کے تمام معاملات میں کارروائی کرنے کے حقوق حاصل رہیں گے۔[1]

نابالغوں کی جائداد کے اولیا

نابالغوں کی جائداد کی ولایت کا حق سب سے پہلے باپ کو پہنچتا ہے اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وصی کو اگر اس نے کسی کو بطور وصی مقرر کیا ہو تو پھر وصی کے وصی پھر ان کی عدم موجودگی میں دادا کو حق ولایت حاصل ہے ان سب کی عدم موجودگی میں عدالت کو ولایت کا حق حاصل ہوگا ولی کو اس امر کا حق ہے کہ وہ نابالغ کی جائداد کا کافی احتیاط کے ساتھ انتظام کرے اور وہ اس امر کا بھی مجاز ہے کہ وہ ایسی کارروائیاں کرے جو نابالغ کے حق میں کلیتہً مفید ہوں مثلاً قبول ہبہ وغیرہ مگر وہ اپنے کسی عمل کے ذریعے جو نابالغ کے حق میں مضرت رساں ہوں یا نابالغ پر کسی قسم کی ذمے داری عاید ہوتی ہو کرنے کا مجاز نہ ہوگا[2] مثلاً وہ نابالغ کی جائداد کو ہبہ یا وقف یا بذریعہ وصیت منتقل کرنے کا کسی طرح اختیار نہ رکھے گا۔

ایسے معاملات جس میں نفع و نقصان دونوں کے ہونے کا امکان ہو، ولی بجانب نابالغ کے کرنے کا مجاز ہوگا اور ان کی پابندی نابالغ پر ضروری ہوگی بشرطیکہ وہ صریح اور کلیتہً مضرت کے باعث نہ ہوتے ہوں اور نقصان رساں ہونے کی صورت میں وہ امام ابی یوسف اور امام محمد کی رائے کے مطابق جسکی امام ابو حنیفہ کی رائے کے مقابلے میں ترجیح دی گئی ہے منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

[1] بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل هو الانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما شئ فحتى يتم خمس عشرة سنة وبه يفتى لقصر اعمار زماننا۔ از درمختار برحاشیہ ردالمختار جلد ۵ کتاب الحجر صفحہ ۱۰۰ و قدوری کتاب الحجر صفحہ ۹۳ فتاوی النوازل مطبوعہ اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن صفحہ ۳۳۰۔ قانون کی رو سے بالغ وہ شخص سمجھا جائیگا جس نے اپنی عمر کے (۱۸) سال پورے کر لیے ہوں۔

[2] توضیح تلویح صفحہ ۳۳۷، ولی اس کا مجاز نہیں کہ نابالغ کی جائداد کو ذمہ دار کرے اور ماورنا بالغ کو بھی حق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو دکن لارپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۲۷، ۱۳۵ و دکن لارپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۴۲۔ شرع اسلام نے نابالغ کے فلاح و بہبود کیلئے جو قاعدے بتلائے ہیں اسکی پابندی عدالت کے لیے ضروری ہے۔ از اصول شرع اسلام صفحہ ۴۶۲۔

دورِ عثمانی کا سب سے بڑا اور پہلا نمائشوں سے طلائی تمغے یافتہ

محبوبیہ کارخانہ جلد سازی رجسٹرڈ سرکار عالی نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن

ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی کے اغراض و مقاصد

۱۔ علمی، مذہبی، معاشی، اصلاحی، اور تمدنی مسائل کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ جلسے منعقد کرنا اور تحقیقاتی نتائج کو شائع کرنا۔

۳۔ ادارے کی طرف سے ایک ماہنامہ کو جاری کرنا۔

۴۔ جو اصحاب کم سے کم (عہ ۵) یکشت یا باقساط ادا کریں گے وہ رکن دوامی کہلائیں گے اور ان کی خدمت میں ادارہ کی کتابیں بلاقیمت ارسال کئے جائیں گے نیز مجلہ نظامیہ بلاقیمت بھیجا جائے گا

۵۔ مجلہ نظامیہ ہر ماہ فصلی کے تیسرے ہفتے میں شائع ہوگا لیکن

۶۔ گرانی کاغذ کی وجہ سے ہر دو ماہ پر شائع کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔

قیمت سالانہ عہ رعایتی عہ

قابل دید کتابیں

۱۔ تاریخ دستور آصفی۔ اس کتاب میں خود سیاسیات کی اہمیت دستور نظام سلطنت عہد جدید کے سیاسی نظام کے علاوہ سلطنت آصفیہ کے (۲۱۶) نظام سلطنت کے دستوری تغیرات نہایت عمدگی سے بتلایا گیا ہے۔ ۸/

۲۔ سالنامہ نظامیہ۔ اس کتاب میں یوم تاسیس جامعہ نظامیہ میں پڑھے ہوئے علماء کے مقالے جمع کئے گئے ہیں آزادی نسواں، مسئلہ حجاب پر ایک محققانہ مضمون۔ ۸/

۳۔ مذہب اور فرقہ واریت از جناب ملا عبدالباسط صاحب ناظم عدالت ضلع رائچور۔ موصوف نے فرقہ واریت کی مسموم اثرات کی تباہ کاریوں کے مضر نتائج کو نہایت تحقیق سے پیش کیا ہے اور بتلایا ہے کہ جب تک کسی قوم پر فرقہ واریت کا جذبہ رہیگا اس وقت تک وہ قوم ترقی کے اعلیٰ منازل پر نہیں پہنچ سکے گی۔ ۸/

۴۔ جنگ اور اسلام از جناب ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ ۔۔۔ /

۵۔ عہد نبوی کے میدان جنگ از جناب ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب

۶۔ ۔۔۔ عہد نبوی کا نظام تعلیم ۔ ۶/

[illegible]